خدا انھیں بندوں پر رحم کرے گا جو (اس کے بندوں پر) رحم کرتے ہیں ۔"

ایک بار مکّہ میں سخت قحط پڑا، نوبت یہاں تک پہنچی کہ لوگوں نے مُردار تک کھانا شروع کر دیا۔ ابوسفیان جو کہ آپ کا بدترین دشمن تھا خدمتِ نبوی میں حاضر ہوا اور کہا "آپ تو صلۂ رحم کی تلقین فرمایا کرتے ہیں، اپنی قوم کے لئے خدا سے دعا کیجئے۔" آپ نے فوراً دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے اور موسلا دھار بارش ہونے لگی۔

آنحضرتؐ مسلمانوں کے ساتھ حدیبیہ کے میدان میں نمازِ فجر پڑھ رہے تھے۔ کوہِ تنعیم سے چپکے چپکے ستّر اسّی آدمی اترے کہ نماز کی حالت میں مسلمانوں کو قتل کر دیا جائے، لیکن یہ سب لوگ گرفتار ہو گئے مگر آپؐ نے ان سب کو رہا کر دیا۔ نہ کسی سے جرمانہ لیا نہ سزا دی۔

حضرت عائشہ کا بیان ہے کہ آپ نے اپنی ذات کے لئے کبھی کسی سے انتقام نہیں لیا۔

زید بن سعنہ (ایک یہودی) کے آپؐ مقروض تھے۔ وہ تقاضہ کے لئے آیا۔ حالانکہ وعدہ کی تکمیل میں ابھی تین دن باقی تھے۔ آپ کے شانۂ مبارک سے چادر اتار لی۔ کپڑے پکڑ لئے اور بدکلامی شروع کر دی۔ حضرت عمرؓ موجود تھے، انھوں نے سختی سے اسے ڈانٹا۔ آنحضرتؐ نے حضرت عمرؓ سے کہا: "تمھیں چاہئے تھا کہ مجھے قرض اچھی طرح ادا کرنے کو کہتے اور اسے معقول طرح تقاضا کرنے کی ہدایت کرتے تم (میری طرف سے) اس کا قرضہ ادا کر دو، اور ہاں بیس صاع زیادہ دینا، کیونکہ تم نے اسے ڈانٹا ہے۔"

عبداللہ بن ابی راس المنافقین تھا۔ درپردہ اسلام اور داعیٔ اسلام کے خلاف کفار و مشرکین سے سازشیں کیا کرتا تھا، اس کے بیٹے حضرت عبداللہ نہایت مخلص اور جانباز مسلمان تھے۔ انھیں معلوم ہوا کہ حضورؐ عبداللہ بن ابی سے ناراض

ہیں، پھر یہ افواہ اڑی کہ اس کے قتل کا حکم صادر فرمانے والے ہیں۔ حضرت عبداللہ کو جب یہ معلوم ہوا حضورِ نبوی میں حاضر ہوئے اور عرض کیا، سب کو معلوم ہے کہ میں اپنے باپ سے (اس کی منافقانہ سرگرمیوں کے باوجود) کس قدر محبت کرتا ہوں لیکن اگر حضورؐ کی مرضی ہو تو خود اس کا سر کاٹ لاؤں!" آپؐ نے فرمایا: "قتل نہیں، میں اس پر مہربانی کروں گا۔" اور پھر جب عبداللہ بن ابی کا انتقال ہوا تو اس کے کفن کے لئے (برائے برکت) آپ نے اپنا کرتہ مرحمت فرمایا اور خود جنازہ کی نماز پڑھائی۔ حالانکہ حضرت عمرؓ عرض کرتے رہے کہ منافق کی نماز جنازہ حضورؐ نہ پڑھائیں

آنحضرتؐ کی اونٹنیوں کی چراگاہ ذی قرد پر قبیلہ غطفان کے چند آدمیوں نے چھاپہ مارا۔ اور بیس اونٹنیاں پکڑ لے گئے۔ حضرت ابوذرؓ کے صاحبزادے کو جو نگہبانی پر مامور تھے ہلاک کر دیا۔ اور ان کی بیوی کو گرفتار کر کے لے گئے۔ حضرت سلمہ بن الاکوعؓ نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ تعاقب کیا۔ تمام اونٹنیاں چھڑا لائے۔ حضورِ نبوی میں آ کر عرض کناں ہوئے: "اگر کچھ آدمی مل جائیں تو سب کو گرفتار کر کے ابھی لاتا ہوں۔" آپ نے فرمایا: "جب قابو پاؤ تو عفو سے کام لو"

خیبر کی فتح کے بعد آنحضرتؐ نے یہودیوں کے ساتھ بہت اچھا برتاؤ کیا۔ انھیں ہر قسم کی جائز آزادی دی گئی۔ اُن کے پچھلے گناہ معاف کر دئے گئے۔ اُن کے ساتھ زیادہ سے زیادہ رعایتیں ملحوظ رکھی گئیں۔ لیکن یہودیوں نے اس کا صلہ یہ دیا کہ مشہور پہلوان مرحب (جسے حضرت علیؓ نے پچھاڑا تھا) کی بھاوج کی طرف سے دعوت دلوائی اس نے کھانے میں زہر ملا دیا۔ آپؐ نے ایک لقمہ کھا کر ہاتھ روک لیا۔ زینب کو بلا کر پوچھا۔ اس نے اقرارِ خطا کیا۔ اور مان لیا کہ زہر ملایا تھا، مگر آپ نے اُسے کوئی سزا

نہیں دی۔ کیونکہ آپؐ اپنی ذات کے لئے کبھی انتقام نہیں لیتے تھے۔ بعد میں اس کے زہر کے اثر سے تین دن کے بعد حضرت بشر بن براءؓ کا انتقال ہوگیا اور وہ قتل کی گئی۔

محاصرۂ طائف کے وقت صحابہ نے آنحضرتؐ سے عرض کی کہ ان کفار و مشرکین کو بددعا دیجئے۔ آپؐ نے یہ "بد دعا" دی۔ اے خدا ثقیف کو راہِ ہدایت دکھا، اور توفیق دے کہ میرے پاس آجائیں۔

اور یہی وہ نبی رحمت تھا کہ ایک مرتبہ تقاضائے بشریت سے ایک نابینا سے ذرا کج خلقی سے پیش آیا، کیونکہ بعض صنادید سے تبلیغی گفتگو کر رہا تھا۔ اور ان کے اسلام قبول کر لینے کی امید تھی۔ مگر خدائے رحمان و رحیم کو یہ بات ناگوار گزری اور اس نے نہایت تیکھے انداز میں اپنے نبیؐ سے فرمایا:

عَبَسَ وَتَوَلّٰىٓ ۝ اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰى ۝
وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّهٗ يَزَّكّٰىٓ ۝ اَوْ يَذَّكَّرُ
فَتَنْفَعَهُ الذِّكْرٰى ۝ اَمَّا مَنِ اسْتَغْنٰى ۝
فَاَنْتَ لَهٗ تَصَدّٰى ۝ وَمَا عَلَيْكَ
اَلَّا يَزَّكّٰى ۝ وَاَمَّا مَنْ جَآءَكَ يَسْعٰى ۝
وَهُوَ يَخْشٰى ۝ فَاَنْتَ عَنْهُ تَلَهّٰى ۝
كَلَّآ اِنَّهَا تَذْكِرَةٌ ۝ فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهٗ ۝
فِيْ صُحُفٍ مُّكَرَّمَةٍ ۝ مَّرْفُوْعَةٍ
مُّطَهَّرَةٍ ۝ بِاَيْدِيْ سَفَرَةٍ ۝ كِرَامٍ
بَرَرَةٍ ۝ قُتِلَ الْاِنْسَانُ مَآ اَكْفَرَهٗ ۝

پیغمبر چیں بہ جبیں ہو گئے۔ اور متوجہ نہ ہوئے اس بات سے کہ ان کے پاس اندھا آیا، اور آپ کو کیا خبر شاید وہ سنور جاتا یا نصیحت قبول کرتا سو اس کو نصیحت کرنا فائدہ پہنچاتا۔ جو شخص بے پرواہی کرتا ہے آپ اس کی تو فکر میں پڑے ہیں حالانکہ آپ پر کوئی الزام نہیں کہ وہ نہ سنورے اور جو شخص آپ کے پاس دوڑتا ہوا آتا ہے اور وہ ڈرتا ہے آپ اس سے بے اعتنائی کرتے ہیں، ہرگز ایسا نہ کیجئے۔ قرآن نصیحت کی چیز ہے سو جس کا جی چاہے

مِنْ اَيِّ شَيْءٍ خَلَقَهٗ ○ مِنْ نُّطْفَةٍ
خَلَقَهٗ فَقَدَّرَهٗ ○ ثُمَّ السَّبِيْلَ يَسَّرَهٗ ○
ثُمَّ اَمَاتَهٗ فَاَقْبَرَهٗ ○ ثُمَّ اِذَا شَآءَ
اَنْشَرَهٗ ○ كَلَّا لَمَّا يَقْضِ مَاۤ اَمَرَهٗ ○
فَلْيَنْظُرِ الْاِنْسَانُ اِلٰى طَعَامِهٖ ○
اَنَّا صَبَبْنَا الْمَآءَ صَبًّا ○ ثُمَّ شَقَقْنَا
الْاَرْضَ شَقًّا ○ فَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا حَبًّا ○
وَّعِنَبًا وَّقَضْبًا ○ وَّزَيْتُوْنًا وَّنَخْلًا ○
وَّحَدَآئِقَ غُلْبًا ○ وَّفَاكِهَةً وَّاَبًّا ○
مَّتَاعًا لَّكُمْ وَلِاَنْعَامِكُمْ ○ فَاِذَا
جَآءَتِ الصَّآخَّةُ ○ يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ
مِنْ اَخِيْهِ ○ وَاُمِّهٖ وَاَبِيْهِ ○
وَصَاحِبَتِهٖ وَبَنِيْهِ ○ لِكُلِّ امْرِئٍ
مِّنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَاْنٌ يُّغْنِيْهِ ○
وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ مُّسْفِرَةٌ ○ ضَاحِكَةٌ
مُّسْتَبْشِرَةٌ ○ وَوُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ
عَلَيْهَا غَبَرَةٌ ○ تَرْهَقُهَا قَتَرَةٌ ○
اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكَفَرَةُ الْفَجَرَةُ ○
ع

اس کو قبول کرلے، وہ ایسے صحیفوں میں ہے جو مکرم ہیں، رفیع المکان ہیں، مقدس ہیں، جو ایسے لکھنے والوں کے ہاتھوں میں ہیں کہ وہ مکرم ہیں نیک ہیں، آدمی پر خدا کی مار، وہ کیسا ناشکرا ہے، اللہ نے اس کو کیسی چیز سے پیدا کیا، نطفہ سے اس کی صورت بنائی، پھر اس کو اندازے سے بنایا، پھر اس کا راستہ آسان کر دیا، پھر اس کو موت دی، پھر اس کو قبر میں لے گیا، پھر جب اللہ چاہے گا اس کو دوبارہ زندہ کر دے گا، ہرگز نہیں اس کو جو حکم کیا تھا اس کو بجا نہیں لایا۔ سو انسان کو چاہیے کہ اپنے کھانے کی طرف نظر کرے۔ کہ ہم نے عجیب طور پر پانی برسایا، پھر عجیب طور پر زمین کو پھاڑا، پھر ہم نے اس میں غلہ اور انگور اور ترکاری اور زیتون اور کھجور اور گنجان باغ اور میوے اور چارہ پیدا کیا۔ تمہارے اور تمہارے مواشی کے فائدے کے واسطے پھر جس وقت کانوں کا بہرہ کر دینے والا شور برپا ہوگا جس روز آدمی اپنے بھائی سے اور اپنی ماں سے اور اپنے باپ سے، اور اپنی بیوی سے اور اولاد سے بھاگے گا، ان میں ہر شخص کو ایسا مشغلہ ہوگا جو اس کو اور طرف متوجہ نہ ہونے دے گا۔ بہت سے چہرے اس روز روشن، خنداں،

شاداں ہوں گے، اور بہت سے چہروں پر اس روز ظلمت ہوگی۔ ان پر کدورت چھائی ہوگی، یہی لوگ کافر فاجر ہیں۔

ماٰخذ

۱: سورۂ اعراف ۱۸۸
۲: 〃 انعام ۵۰
۳: 〃 حدید ۲۵
۴: 〃 مائدہ ۴۲
۵: 〃 نساء ۱۰۵
۶: 〃 ص ۲۶
۷: 〃 مائدہ ۴۸
۸: 〃 مائدہ ۴۹
۹: 〃 شوریٰ ۴۲
۱۰: 〃 اعراف ۲۹
۱۱: 〃 شوریٰ ۱۵
۱۲: 〃 قلم ۱۲
۱۳: 〃 نساء ۲۵
۱۴: تفسیر خازن ج ۲، ص ۵۰
۱۵: صحیح بخاری کتاب الاضاحی
۱۶: 〃 باب فضل الجہاد
۱۷: 〃 کتاب البیوع
۱۸: صحیح بخاری کتاب المظالم
۱۹: 〃 کتاب الدعوات
۲۰: 〃 کتاب الاحکام
۲۱: 〃 کتاب الادب
۲۲: 〃 کتاب الجمعہ
۲۳: 〃 باب فضل الجہاد
۲۴: 〃 〃
۲۵: 〃 〃
۲۶: 〃 〃
۲۷: 〃 کتاب الحدود
۲۸: 〃 فضائل اصحاب النبی صلعم
۲۹: 〃 حدیث الافک
۳۰: سورۂ لقمان ۱۹
۳۱: 〃 اسراء ۲۹
۳۲: تفسیر کشاف (زمخشری) ج ۲ ص ۶۲۳
۳۳: سورۂ لقمان ۱۸
۳۴: 〃 قلم ۱۰

٣٥: صحیح بخاری کتاب العلم
٣٦: ״
٣٧: ״ کتاب الصلوٰۃ
٣٨: ״ کتاب النکاح
٣٩: ״ کتاب الرقاق
٤٠: ״ کتاب فضائل القرآن
٤١: ״ باب تہجد باللیل
٤٢: ״ کتاب الوضو
٤٣: ״ قصۃ اسلام ابی ذر و قصۃ زمزم
٤٤: ״ ״
٤٥: ״ کتاب العلم
٤٦: سورۂ مائدہ ١٢
٤٧: ״ اعراف ١٩٩
٤٨: ״ حجر ٨٥
٤٩: ״ مائدہ ١٣
٥٠: ״ ہود ١١٥
٥١: ״ سجدہ ٢٤
٥٢: ״ زخرف ٨٩
٥٣: ״ مومنون ٩٦
٥٤: ״ قصص ٧٧
٥٥: ״ حج ٣٧

٥٦: صحیح بخاری کتاب الصوم، باب المجامع فی رمضان یطعم اھلہٗ من الکفارۃ۔
٥٧: صحیح بخاری، باب فضل الجہاد
٥٨: صحیح بخاری کتاب الجہاد
٥٩: ״ ״
٦٠: ״ کتاب الاحکام
٦١: ״ کتاب الادب
٦٢: ״ کتاب الکفالت، باب الدین
٦٣: ״ کتاب الصلوٰۃ
٦٤: ״ باب وجوب الزکات
٦٥: ״ کتاب الوضو
٦٦: ״ کتاب الادب
٦٧: ״ ״
٦٨: ״
٦٩: ״ کتاب المغازی باب غزوۂ تبوک
٧٠: سورۂ روم ٣٨
٧١: ״ بقرہ ٢١٥
٧٢: ״ والضحیٰ ١–٢
٧٣: ״ اسریٰ ٢٦
٧٤: تفسیر کشاف (زمخشری) ج ٢، ص ٢٩١

۷۵: صحیح بخاری کتاب الادب اثم القاطع

۷۶: " کتاب البیوع باب من احب البسط فی الرزق

۷۷: " کتاب الہبہ باب الاشہاد فی الہبہ

۷۸: "

۷۹: " کتاب الادب باب رحمۃ الولد وتقبیلہ ومعانقتہ

۸۰: " کتاب الجنائز

۸۱: سورۂ زمر ۶۵

۸۲: " بقر ۱۲۰

۸۳: " " ۱۴۵

۸۴: " انعام ۵۶

۸۵: " " ۶۸

۸۶: " " ۱۵۰

۸۷: سورۂ رعد ۳۷

۸۸: " مائدہ ۷۷

۸۹: " اعراف ۳۳

۹۰: " توبہ ۶

۹۱: " کافرون ۱–۶

۹۲: صحیح بخاری، باب وجوب الزکوٰۃ

۹۳: " باب فضل الجہاد

۹۴: صحیح بخاری کتاب الجہاد

۹۵: " کتاب الجنائز

۹۶: رسالۂ التماس (مصنفہ رئیس احمد جعفری)

۹۷: سورۂ عبس ۱–۴۲

---

(۳)

عدل و احسان

کے

احکامِ عمومی

احسان کی تاکید، عفو کا حکم، سیّات سے اجتناب کی تلقین

زندگی کے مختلف گوشوں میں عدل و انصاف سے متعلق جو احکام و ہدایات اللہ سبحانہ تعالیٰ اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ نے دیئے ہیں انھیں مختلف ابواب کے ماتحت آگے چل کر نسبتاً شرح و بسط کے ساتھ ہم بیان کریں گے۔ اس باب میں ہم صرف یہ بتانا چاہتے ہیں کہ اسلام نے عدل و احسان سے متعلق جو عمومی احکام صادر فرمائے ہیں وہ کیا ہیں؟

اسلام خدا کا آخری دین ہے۔ اور اس آخری دین نے ان تمام چیزوں کو کھول کھول کر بیان کر دیا ہے جو انسانیت کے لئے مہلک اور خطرناک ہیں۔ کوئی چیز بھی اس سے زیادہ تباہ کن نہیں ہو سکتی کہ کوئی قوم یا سوسائٹی اپنے انفرادی اور اجتماعی معاملات میں عدل و احسان کو ملحوظ نہ رکھے۔ جس نے یہ نکتہ سمجھ لیا انسانیت کبریٰ کی منزل اس کے سامنے ہے اور جس نے اس نکتے کو نہ سمجھا یا نظر انداز کر دیا، اسے کوئی چیز بھی ہلاکت و بربادی سے نہیں بچا سکتی۔ اللہ تعالیٰ نے جو نواہیں اور اصول مقرر کر دیئے ہیں وہ اتنے سخت اور بے لچک ہیں کہ اُن میں نہ رعایت کی گنجائش ہے نہ قبولِ معذرت کا امکان!

دُنیا کی حکومتوں کا ایک عام اصول یہ ہے کہ :

"Ignorance of Law is no excuse."

یعنی قانون سے ناواقفیت کوئی عذر نہیں ہے۔ مثلاً ٹریفک کا اصول یہ ہے کہ سواریوں کو بائیں طرف چلنا چاہیئے، لیکن اگر کوئی شخص خلاف ورزی کرتا ہے تو یہ عذر ہرگز مسموع نہ ہوگا کہ اس قانون کا اسے علم نہ تھا۔ وہ سزا پائے گا، اسی طرح اللہ تعالیٰ نے جو احکام اور نوامیس مقرر کر دیئے ہیں اور کوئی شخص اُن سے واقف نہیں ہے تو یہ ناواقفیت خود اسی کے لئے ضرر رساں ہے۔ آگ کا کام جلانا ہے لیکن اگر کوئی شخص آگ کی اس خاصیت سے واقف نہیں ہے اور بھڑکتے ہوئے شعلوں میں ہاتھ ڈال دیتا ہے تو وہ ضرور جلے گا حیاتِ اجتماعی اور شخصی کے لئے اللہ تبارک تعالیٰ نے جو اصول مقرر کئے ہیں اُن سے ہر سوسائٹی اور فرد کو واقف ہونا چاہیئے۔ اگر کوئی نہیں واقف ہے تو اُسے نتیجہ بھگتنے کے لئے بھی تیار رہنا چاہیئے۔

انسان تنہا زندگی بسر نہیں کرسکتا۔ وہ عزیزوں کے ساتھ، دوستوں کے ساتھ، ساتھیوں کے ساتھ زندگی بسر کرنے پر مجبور ہے۔ یہ زندگی جس طرح اس کی متقاضی ہے کہ نظم وضبط ہو، امن وامان ہو، مجرم سزا پائے اور خطاکار کیفرِ کردار کو پہنچے۔ اسی طرح اس کی بھی متقاضی ہے کہ جہاں تک ممکن ہو سکے عدل وعفو، احسان ومروّت خطا پوشی اور خطا بخشی اور رحم و درگزر کو بھی اپنا شعار بنایا جائے۔ جہاں بعض حالات کا تقاضا یہ ہوتا ہے کہ کسی زشت کار کو اسیرِ زندان کر دیا جائے، کوڑوں کی سزا دی جائے، پھانسی پر لٹکا دیا جائے، اسی طرح کبھی حالات کا مطالبہ یہ بھی ہوتا ہے کہ خطاکار کو معاف کر دیا جائے۔ اس کی غلطی سے درگزر کیا جائے اور ایک مرتبہ پھر اصلاحِ احوال کا موقع دیا جائے۔

اسلام نے جہاں سختی اور شدّت کے ساتھ یہ حکم دیا ہے کہ قانون کا منشا ضرور پورا کیا جائے، وہاں بہت زیادہ تکرار و تواتر کے ساتھ یہ نصیحت بھی کی ہے کہ جہاں

تک ممکن ہو سکے عفو و درگزر کو کام میں لایا جائے جس طرح قانون کے نفاذ میں اسلام مومن و مشرک اور کافر و مسلم کے درمیان کوئی تفریق نہیں کرتا اسی طرح اس کے عدل و احسان میں بھی سب حصہ دار ہیں۔ کافر، مسلم، لا مذہب، دہریہ، ملحد کوئی بھی اس فیضِ عام سے محروم نہیں، اسلام کے امتیازی خصوصیات میں یہ بہت بڑی اور نمایاں خصوصیت ہے۔

سب سے پہلے ہمیں دیکھنا ہے کہ اسلام نے عدل و احسان کے سلسلے میں عام اصول کیا بیان کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ	مومنو اللہ کے لئے گواہ بن کر انصاف کے ساتھ
لِلَّهِ شُهَدَاءَ بِالْقِسْطِ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ	اٹھ کھڑے ہو اور کسی قوم کی عداوت تمھیں
شَنَآنُ قَوْمٍ عَلَىٰ أَلَّا تَعْدِلُوا	اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم انصاف نہ کرو
اعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ ۝	انصاف کرو، وہ پرہیزگاری کے زیادہ قریب

ہے۔ [1]

اس آیت کی تفسیر میں مفسرین کہتے ہیں کہ "شہداء بالقسط" یعنی انصاف کے گواہ بننے سے مراد یہ ہے کہ اپنے دوستوں اور رشتہ داروں کا پاس نہ کرو، دشمنوں اور اہلِ بغض کو نشانہ نہ بناؤ، تمھاری شہادتِ انصاف خواہ موافق ہو یا مخالف (لہم علیہم) صدق و عدل کے ساتھ ہونی چاہئے۔

لا تعدلوا: یعنی عداوت اور بغض کے سبب ایسا نہ ہو کہ ترکِ عدل پر آمادہ ہو جاؤ۔

اعدلوا: یعنی اللہ نے عدل کا حکم دیا ہے جو عہدِ قریب و بعید اور دوست دشمن سب پر حاوی ہے۔ [2]

عبد اللہ بن عمرو بن العاص کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

کہ انصاف کرنے والے (مقسطین) اللہ کے نزدیک منبروں پر موجود ہوں گے۔ یہ نور سے بنے ہوئے ہوں گے۔ اور خدائے رحمٰن کے داہنی جانب ہوں گے!

قاضی عیاض کا قول ہے کہ یمین (سیدھے ہاتھ) سے مراد حالتِ حُسنہ اور منزلتِ رفیعہ ہے۔ عرب عام طور پر فعلِ محمود کو یمین سے اور اس کی ضد کو یسار سے تعبیر کرتے ہیں۔ [3]

مقسطین" سے مراد عادل لوگ ہیں۔ [4]

یہ عدل و احسان کا اتنا بڑا اچار رٹ ہے جس کی مثال دُنیا آج تک نہیں پیش کر سکی۔ اس میں صرف انسانیت کو ملحوظ رکھا گیا ہے، دین و مذہب، قوم و ملّت اور ملک و وطن کی ذرا بھی تفریق نہیں کی گئی۔

ایک موقع پر ارشاد ہوا ہے:

فَاعْفُوْا وَاصْفَحُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ۔ [5]

پس معاف کرو اور درگزر کرو یہاں تک کہ اللہ اپنا حکم بجالائے۔

پھر ایک دوسرے موقع پر وضاحت کے ساتھ صاف اور غیر مشتبہ الفاظ میں یہ بھی بتا دیا ہے کہ عدل و احسان کا مقتضا کیا ہے اور اس میں کون کون سی چیزیں شامل ہو سکتی ہیں؟

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِيْتَآئِ ذِي الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ ۚ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ۝

اللہ عدل اور نیکی اور اہلِ قرابت کو کچھ دینے کا حکم کرتا ہے۔ اور بے حیائی اور ناپسندیدہ بات اور سرکشی سے منع کرتا ہے، تمہیں سمجھاتا ہے شاید تم یاد رکھو۔

[6]

ایک اور آیۂ کریمہ میں اپنے نبیؐ سے لیکن درحقیقت ملّتِ اسلامیہ سے خطاب فرمایا ہے :

وَاِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ	اور اگر تو فیصلہ کرے ان کے درمیان تو
اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ٥ ه	انصاف سے فیصلہ کر۔ بیشک اللہ انصاف
	کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

ایک دوسرے موقع پر یہی تاکید نہایت دل نشین انداز میں :

وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ	اور جب تم لوگوں میں تصفیہ کیا کرو تو انصاف
تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ ط اِنَّ اللّٰهَ نِعِمَّا	سے تصفیہ کیا کرو بیشک اللہ تم کو جس بات
يَعِظُكُمْ بِهٖ ط ه	کی نصیحت کرتا ہے وہ بہت اچھی بات ہے

عفو و رحمت اور عدل و احسان کی ترغیب و تلقین کے بعد ہم دیکھتے ہیں متعدد مواقع پر خدائے بزرگ و برتر نے چند ایسی چیزوں کا بھی ذکر فرمایا ہے جو انسانی سوسائٹی اور معاشرہ کے لئے حد درجہ مضر ہیں۔ مثلاً ایک آدمی کوئی گناہ کر بیٹھتا ہے، پکڑا جاتا ہے تو اپنے بچاؤ کی فکر ہوتی ہے۔ یہاں تک تو کوئی مضائقہ نہیں۔ لیکن اگر اپنے بچاؤ کے لئے دوسرے کو پھانس دے، اپنی غلطی دوسرے کے سر تھوپ دے تو ممکن ہے اس چال بازی کے باعث دنیاوی عدالت اسے کوئی سزا نہ دے لیکن خدا کی بارگاہِ عدل معاف نہیں کر سکتی۔

وَمَنْ يَّكْسِبْ خَطِيْٓئَةً اَوْ اِثْمًا ثُمَّ	اور جو کوئی خطا یا گناہ کرے پھر اس کو کسی بری
يَرْمِ بِهٖ بَرِيْٓــًٔا فَقَدِ احْتَمَلَ بُهْتَانًا	کے ذمے لگا دے اس نے بہتان اور کھلے
وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا ٥ ۹	گناہ کا بوجھ اٹھایا۔

عام معاملاتِ حیات میں اللہ تعالیٰ عفو و صفح کو پسند کرتا ہے اور صرف پسند ہی نہیں کرتا بلکہ جو لوگ اس پر عامل ہیں انھیں یہ بشارت بھی دیتا ہے کہ دوسروں

کی غلطیاں معاف کر کے خدا سے اپنی خطاکاریوں کے بخشوانے کا وہ استحقاق پیدا کر لیتے ہیں۔

وَلْیَعْفُوْا وَلْیَصْفَحُوْا ۗ اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ یَّغْفِرَ اللّٰہُ لَکُمْ ۗ وَاللّٰہُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝ سلہ

اور چاہیے کہ معاف کریں اور درگزر کریں۔ کیا تم یہ پسند نہیں کرتے کہ اللہ تم کو بخش دے۔ اور اللہ بخشنے والا، رحم کرنے والا ہے۔

پھر اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ یہ بھی فرمادیا کہ خطاکاروں کو معاف کرنا تقویٰ سے قریب ہے:

وَاَنْ تَعْفُوْٓا اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی سلہ

اور یہ کہ تم معاف کرو و تقویٰ کے زیادہ قریب ہے۔

اور تقویٰ کی جو منزلت اسلام میں ہے وہ کس سے پوشیدہ ہے؟ اور یہ بتانے کے بعد ایک مرتبہ پھر یہ نوید دے دی ہے کہ عفو و رحم سے کام لینا اللہ کے رحم و عفو کا حاصل کرتا ہے:

اِنْ تُبْدُوْا خَیْرًا اَوْ تُخْفُوْہُ اَوْ تَعْفُوْا عَنْ سُوْٓءٍ فَاِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَفُوًّا قَدِیْرًا ۝ سلہ

اگر تم نیکی کو ظاہر کرو یا اس کو چھپاؤ یا برائی سے درگزر کرو تو بے شک اللہ بھی معاف کرنے والا قدرت والا ہے۔

انسان کی زندگی میں سب سے نازک وقت وہ ہوتا ہے جب اُسے غصہ آتا ہے اور سب سے کٹھن گھڑی وہ ہوتی ہے جب وہ مالی دشواریوں میں مبتلا ہوتا ہے، انسان اگر غصہ میں نہیں ہے اور کسی کو معاف کر دیتا ہے تو یہ اچھا فعل ہے اگر غصے میں ہے اور پھر معاف کر دیتا ہے تو یہ بہت اچھا فعل ہے، انسان خوش حالی اور فراخی کی زندگی بسر کر رہا ہے پھر اگر وہ محتاجوں اور ضرورت مندوں کی دستگیری کرتا

ہے تو ایک نیک کام انجام دیتا ہے، لیکن خود مالی دشواریوں کے بھنور میں گرفتار ہے۔ خود فقر وفاقہ کی زندگی بسر کر رہا ہے، پھر بھی اگر وہ کسی کی مدد کرتا ہے، کسی کے کام آتا ہے اپنی آدھی روٹی میں سے ایک لقمہ کسی کو کھلا دیتا ہے تو یہ کار نیک بہت زیادہ قابلِ ستائش ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اَلَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ فِی السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ
وَالْکَاظِمِیْنَ الْغَیْظَ وَالْعَافِیْنَ عَنِ النَّاسِ
وَاللّٰہُ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ ○ ۳:۱۳۴

جو آسائش اور تنگی میں خرچ کرتے اور غصّے کو ضبط کرتے ہیں۔ اور اللہ نیکوں سے محبت کرتا ہے۔

بلاشبہ ہم ایک گناہ گار کو معاف کر دینے پر مجبور نہیں ہیں۔ اگر کوئی ہماری خطا کرتا ہے، ہمارا گناہ کرتا ہے، ہمیں کسی طرح کا نقصان پہنچاتا ہے تو ہمیں حق ہے کہ ہم بھی اس سے بدلا لیں۔ اور اس حق کو اگر ہم حاصل کرتے ہیں تو نہ ہمیں ملامت کی جا سکتی ہے نہ سرزنش، لیکن ایک بات بہرحال ہم پر واجب ہے، وہ یہ کہ بدلا اتنا ہی لیں جتنا ہمیں نقصان پہنچا، تکلیف اتنی ہی دیں جتنی ہم نے برداشت کی ہے۔ برائی اتنی ہی کریں جتنی سے ہمیں سابقہ پڑا تھا۔ لیکن اگر اس حق سے ہم ایک قدم بھی آگے بڑھتے ہیں تو ہم ظالم ہو جائیں گے اور وہ مظلوم۔ صورتِ احوال بالکل الٹ جائے گی، لیکن اس حق سے جو از روئے آئین و قوانین ہمیں حاصل ہے ہم دست بردار ہو جائیں جس نے ہمیں نقصان پہنچایا ہے، تکلیف دی ہے، ستایا ہے، پریشان کیا ہے، اسے معاف کر دیں تو یہ اتنی بڑی نیکی ہو گی جس کا اجر اللہ تعالیٰ نے اپنے اوپر واجب کر لیا ہے۔

وَجَزٰٓؤُا سَیِّئَةٍ سَیِّئَةٌ مِّثْلُهَا فَمَنْ
عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَی اللّٰہِ ۴۲:۴۰

اور بدی کا بدلہ اسی کے برابر بدی ہے پھر جس نے معاف کر دیا اور اصلاح کی تو اس کا ثواب اللہ پر ہے۔

اور جس اجر کو اللہ تعالیٰ نے اپنے اوپر واجب کر لیا ہو اس کی عظمت کا اندازہ کون کر سکتا ہے۔

ایسا بھی ہوتا ہے کہ کوئی ہمارے ساتھ نیکی کرتا ہے۔ ہم اس کے ساتھ بدی کرتے ہیں، کوئی ہم پر احسان کرتا ہے ہم احسان ناشناسی سے اس کا جواب دیتے ہیں۔ کوئی حسنِ سلوک کرتا ہے ہم بدسلوکی سے پیش آتے ہیں، کوئی نیکی کرتا ہے ہم اس کا بدلا برائی سے دیتے ہیں، یہ چیز اور بری ہے، بہت زیادہ بری ہے، خالقِ کائنات کا ارشاد ہے:

هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ۝ کیا احسان کا بدلہ سوائے احسان کے اور کچھ ہے؟ ؁۱۵

اس آیہ کریمہ کی تفسیر میں دو اقوال کا ہم اس جگہ ذکر کرنا چاہتے ہیں، دونوں اپنی جگہ فوائدِ نافعہ کے حامل ہیں:

قیل، فی معنی الآیۃ: ھل جزاء من اتیٰ بالفعل الحسن الا ان یوتیٰ فی مقابلتہٖ بفعل حسن

یعنی — اس آیت کے معنی یہ ہیں کہ جس شخص سے کسی فعل حسن کا صدور ہو اس کے مقابلے میں وہ بھی اس کا سزاوار ہے کہ اس سے اچھا برتاؤ کیا جائے ؁۱۶

دوسرا قول یہ ہے کہ:

ای ما جزاء من احسن فی الدنیا الا ان یحسن الیہ فی الآخرۃ۔

یعنی — جو شخص دنیا میں کوئی نیک کام کرتا ہے اس کی جزا یہی ہے کہ آخرت میں اسے اچھا بدلہ دیا جائے۔ ؁۱۷

پھر یہ بتا چکنے کے بعد ایک اور بات بھی اللہ تعالیٰ نے فرما دی :

اِنَّ اللّٰهَ لَا یُضِیْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِیْنَ ۝ — بے شک اللہ احسان کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔ ؎۱۸

یعنی ہم اگر کسی کے ساتھ احسان کا برتاؤ کریں گے تو اس کی طرف سے جواب خوش گوار ملے یا ناخوش گوار لیکن اللہ تعالیٰ اس کا اجر ضرور عطا فرمائے گا۔

مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا — جو جو نیکیاں (لے کر) ہمارے پاس آئے گا اس کو اس کا دس گنا ملے گا۔ ؎۱۹

بیشک اللہ تعالیٰ احسان کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتا، بلا شبہ احسان کرنے والوں کا اجر اس نے اپنی ذات پے ہمتا پر واجب کرلیا ہے۔ لیکن یہ اجر کتنا ہوگا؟ ایک دوسری جگہ اس نے یہ بھی بتا دیا :

وَاِنْ تَكُ حَسَنَةً يُّضٰعِفْهَا — اور اگر ایک نیکی ہوگی تو اس کو کئی گنا کر دے گا۔ ؎۲۰

پھر ایک اور موقع پر مزید وضاحت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا :

اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ — بیشک اللہ کی رحمت نیک کام کرنے والوں سے نزدیک ہے۔ ؎۲۱

اس اجر کے ساتھ ایک اور بشارت بھی دی ہے یعنی احسان کرنے والوں میں اور رحمتِ الٰہی میں بہت گہرا اور قریبی تعلق بھی پیدا ہوجاتا ہے

پھر صرف اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ ایک موقع پر یہ بھی ارشاد فرمادیا کہ احسان کرنے والوں سے صرف اللہ کی رحمت ہی قریب نہیں ہوتی۔ بلکہ خود اللہ تعالیٰ ان کے قریب ہوجاتا ہے :-

وَاِنَّ اللّٰہَ لَمَعَ الْمُحْسِنِیْنَ ٥

اور واقعی اللہ نیکو کاروں کے ساتھ ہے۔

۲۲ھ

انسانی سوسائٹی میں ایک خاص بات یہ بھی ہے کہ اپنے مقاصد کی تکمیل کے لئے وہ ہر قیمت پر جھوٹے گواہ پیش کرنے سے بھی گریز نہیں کرتی، لیکن اپنے خلاف سچی گواہی کا سننا بھی اسے شاق گزرتا ہے۔ یہ فسق ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَلَا یُضَآرَّ کَاتِبٌ وَّلَا شَھِیْدٌ ۬ وَ اِنْ تَفْعَلُوْا فَاِنَّہٗ فُسُوْقٌۢ بِکُمْ ؕ

۲۳ھ

اور کاتب دستاویز کو ضرر نہ پہنچایا جائے، نہ گواہ کو، اور اگر ایسا کروگے تو یہ تمھاری طرف سے فسوق (نقصان رسانی) ہے۔

اور گواہی کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے بالکل صریحی الفاظ میں بتا دیا ہے کہ وہ مبنی بر عدل ہونی چاہئے۔ اس میں دوستی، قرابت، خون کا رشتہ کوئی چیز حائل نہیں ہونی چاہئے۔ اس لئے کہ یہ رشتے مٹ جانے والے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ سے جو رشتہ قائم ہے وہ ہمیشہ قائم رہے گا۔ دوستی اور رشتہ داری صرف اس زندگی تک ہے لیکن اللہ کا رشتہ زندگی میں اور زندگی کے بعد بھی قائم رہے گا لہٰذا خدا کو ہر چیز پر بالا رکھو:

یٰۤاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ
بِالْقِسْطِ شُھَدَآءَ لِلّٰہِ وَلَوْ عَلٰۤی اَنْفُسِکُمْ
اَوِ الْوَالِدَیْنِ وَالْاَقْرَبِیْنَ ۚ اِنْ یَّکُنْ
غَنِیًّا اَوْ فَقِیْرًا فَاللّٰہُ اَوْلٰی بِھِمَا ۫ فَ
لَا تَتَّبِعُوا الْھَوٰۤی اَنْ تَعْدِلُوْا ۚ وَاِنْ
تَلْوٗۤا اَوْ تُعْرِضُوْا فَاِنَّ اللّٰہَ کَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرًا

۲۴ھ

اے ایمان والو! انصاف پر خوب قائم رہنے والے اللہ کے لئے (انصاف کی) گواہی دینے والے رہو، اگرچہ اپنی ہی ذات پر ہو یا کہ والدین اور دوسرے رشتہ داروں کے مقابلے میں ہو، وہ شخص امیر ہو یا غریب دونوں کے مقابلے میں اللہ زیادہ اولیٰ ہے، سو تم خواہشِ نفس کی اتباع مت کرنا کہ حق سے ہٹ جاؤ اور اگر تم کج بیانی کروگے یا پہلو تہی کروگے تو بے شک

اللہ تمہارے سب اعمال کی پوری خبر رکھتا ہے۔

نفع اندوزی کے لئے، وقت گزاری کے لئے، نقصان کی تلافی کے لئے، نشاط و مسرت حاصل کرنے کے لئے انسان شراب پیتا ہے، جوا کھیلتا ہے، بے شک یہ دونوں چیزیں فائدہ مند ہیں، لیکن ان کا نقصان فائدہ سے کئی گنا زیادہ ہے، اور وہ کام جس میں فائدہ کم ہو نقصان زیادہ اس قابل نہیں کہ کیا جائے۔

اکثر حالتوں میں انسان انتہا پسند ہوتا ہے، کنجوس ہوگا تو خود بھوکوں مر جائے گا مگر ایک پیسہ نہیں خرچ کرے گا، دریا دل ہوگا تو لکھ لُٹ بن جائے گا، جو آیا وہ گیا۔ نہ فکر امروز نہ غم فردا، داد و دہش کا مظاہرہ کرے گا تو اس طرح کہ غلط بخشی کا ریکارڈ قائم کر دے گا، بخشنے پر آئے گا تو جیب کی آخری پائی بھی دے دینے میں تامل نہیں کرے گا۔ یہ ساری صورتیں عدل یعنی اعتدال و اقتصاد کے منافی ہیں۔ خدا کی راہ میں یعنی دوسروں کی دستگیری پر وہی رقم صرف کرنی چاہئے جو اپنی ضروریات سے فاضل ہو، خیرات کرکے خود خیرات کا مستحق بن جانا غلط چیز ہے۔

یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَیْسِرِ ؕ قُلْ
فِیْھِمَآ اِثْمٌ کَبِیْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ ۫ وَ
اِثْمُھُمَآ اَکْبَرُ مِنْ نَّفْعِھِمَا ؕ وَیَسْئَلُوْنَکَ
مَاذَا یُنْفِقُوْنَ ۬ؕ قُلِ الْعَفْوَ ؕ کَذٰلِکَ
یُبَیِّنُ اللّٰہُ لَکُمُ الْاٰیٰتِ لَعَلَّکُمْ
تَتَفَکَّرُوْنَ ۙ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ ؕ
۲۵

لوگ آپ سے شراب اور قمار کی نسبت دریافت کرتے ہیں، آپ فرما دیجئے کہ ان دونوں میں گناہ کی بڑی بڑی باتیں بھی ہیں اور لوگوں کو فائدے بھی ہیں اور گناہ کی باتیں ان فائدوں سے زیادہ بڑھی ہوئی ہیں، اور لوگ آپ سے دریافت کرتے ہیں کہ کتنا خرچ کیا کریں آپ فرما دیجئے کہ جتنا فاضل ہو، اللہ اسی طرح احکام کو صاف صاف بیان کرتا ہے تاکہ تم دنیا اور آخرت کے معاملات میں سوچ لیا کرو۔

اسلام صلح وسلام کا مذہب ہے۔ امن وعافیت کا مذہب ہے۔ وہ انسانی اقدار کا محافظ اور نگہبان ہے، وہ انسانی جان کی قدر وقیمت کو گھٹاتا نہیں، بڑھاتا ہے، جو لوگ فتنہ وفساد برپا کرتے ہیں، ان سے قتال کی اجازت وہ بغیر کسی جھجک کے دیتا ہے۔ خواہ وہ حرمت والا مہینہ ہی کیوں نہ ہو؟ اس لئے کہ فتنہ قتل سے بھی بڑھ کر ہے۔

يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ ... فِيْهِ كَبِيْرٌ ط وَصَدٌّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَكُفْرٌ بِهٖ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ق وَاِخْرَاجُ اَهْلِهٖ مِنْهُ اَكْبَرُ عِنْدَ اللّٰهِ ج وَالْفِتْنَةُ اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ ط ٢٦

لوگ آپ سے شہر حرام میں قتال کرنے کے متعلق پوچھتے ہیں۔ آپ فرما دیجئے کہ اس مہینے میں خاص طور پر قتال کرنا جرم عظیم ہے اور اللہ کی راہ سے روک ٹوک کرنا اور اللہ کے ساتھ کفر کرنا اور مسجد حرام کے ساتھ اور جو لوگ مسجد حرام کے تھے ان کو اس سے خارج کر دینا جرم عظیم ہے اللہ کے نزدیک اور فتنہ پردازی کرنا قتل سے بدرجہا بہتر ہے۔

لیکن ہر حالت میں اساسی اور بنیادی طور پر ہمیشہ جو چیز پیش نظر رکھنی چاہیئے وہ یہ ہے کہ حق وصداقت اور عدل وراستی سے کسی حالت میں انحراف نہ ہو۔ خواہ وہ میدانِ قتال ہو یا مجلسِ احباب یا اپنا خاندان اور معاشرہ۔

وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ ۝ ٢٧

اور جس نے اس کے متعلق فیصلہ نہ کیا جو اللہ نے اتارا ہے تو ایسے ہی لوگ کافر ہیں۔

اور جو لوگ ان احکام وہدایات پر عمل پیرا ہوں وہ درحقیقت عملِ صالح

کے حامل ہیں اور وہ لوگ جو با ایمان اور نیکوکار رہوں ان کے لئے جنت یعنی رضائے الہی کے دروازے کھلے ہوئے ہیں۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَانَتْ لَهُمْ جَنّٰتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا خٰلِدِيْنَ فِيْهَا لَا يَبْغُوْنَ عَنْهَا حِوَلًا ۝

بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک کام کئے ان کی مہمانی کے لئے فردوس کے باغ ہوں گے جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے اور نہ وہ وہاں سے کہیں اور جانا چاہیں گے۔ ۲۸ھ

یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس زندگی سے جو عمل صالح کے بعد جنت کی صورت میں حاصل ہوگی، لوگ کیوں نہیں اُکتائیں گے؟ کیوں نہیں تبدیلی اور تغیر کی خواہش کریں گے۔

اس لئے کہ یہ چیز اعزاض دامانی کی انتہا ہے اور یہ غایت وصف ہے کیونکہ دُنیا میں انسان کتنی ہی منعمات کیوں نہ حاصل کر لے کسی درجہ و مرتبہ تک کیوں نہ پہنچ جائے اور آگے بڑھنے اور ترقی کرنے، مزید رفعت حاصل کرنے کی امنگ باقی رہتی ہے لیکن اب یہ صورت باقی نہیں رہے گی۔ ۲۹ھ

اب ہم احکام عموی سے متعلق ذیل میں چند احادیث نبوی پیش کرتے ہیں وصیت انسان کے وارثوں اور رشتہ داروں کا حق ہے، وصیت نہ ہونے کی صورت میں اکثر فتنے اٹھ کھڑے ہوتے ہیں جن کے باعث کئی خاندان تباہ و برباد ہو جاتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے وصیت لازم کی ہے۔ اور رسول اکرم ؐ نے بار بار اس کی تاکید کی ہے اس لئے کہ موت کا کوئی وقت

معین نہیں، انسان اس بھول میں نہ رہے کہ جب چاہوں گا لکھ لوں گا۔

حضرت ابن عمر کہتے ہیں کہ رسول اللہ نے فرمایا:

"اگر کسی مسلمان کے پاس کوئی قابلِ وصیت مال ہو تو اسے یہ حق نہیں کہ دو یا تین راتیں بھی ایسی گزار سے جن میں اس کی وصیت اس کے پاس لکھی ہوئی موجود نہ ہو۔"

۵۰

ہماری زندگی کا عام چلن یہ ہے کہ جب ہماری زبان نکتہ چینی کے فرائض ادا کرنے پر آمادہ ہوتی ہے تو پھر ہم مرے ہوؤں کا ذکر بھی احترام اور احتیاط کے ساتھ نہیں کرتے، بلکہ ان کی طرف سے چونکہ کسی مقاومت، تردید یا جواب باصواب کا اندیشہ نہیں ہوتا اس لئے زیادہ دیدہ دلیری کے ساتھ ان کے بارے میں جو چاہتے ہیں کہتے رہتے ہیں حالانکہ یہ حرکت شعارِ اسلام کے خلاف ہے۔ مرنے والے خدائی بارگاہ میں پہنچ چکے، اب وہ جانیں اور خدا، ہمیں ان کی عیب جوئی سے کیا مل جائے گا!

حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مُردوں کو بُرا نہ کہو، کیونکہ وہ جو کچھ کر چکے ہیں اس میں پہنچ چکے ہیں۔"

۵۱

اچھی جگہ حاصل کرنے کے لئے، امام کا خطبہ قریب سے سننے کے لئے، پہلی صف میں پہنچنے کے لئے دوسروں کو پھلانگنے، صفوں میں بے ترتیبی پیدا کرتے اور اگر ممکن ہو تو انھیں اٹھا کر خود ان کی جگہ بیٹھ جانے میں بعض لوگ کوئی مضائقہ نہیں سمجھتے۔ بلکہ اسے اپنا حق سمجھتے ہیں۔ حالانکہ اصولاً ایسا نہ کرنا چاہیے۔

ابن عمر کہتے ہیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا کہ "کوئی شخص ایسا نہ کرے کہ اپنے بھائی کو اس کی جگہ سے ہٹادے اور خود اس کی جگہ پر بیٹھ جائے۔"

عرض کیا گیا "کیا یہ بات جمعہ کے لئے مخصوص ہے ؟"
فرمایا : "نہیں ، جمعہ کے علاوہ اور نمازوں کا بھی یہی حال ہے "

(۳۲)

ذیل میں ایک حدیث پیش کی جاتی ہے جس سے عدل و احسان کے عمومی احکام پر جہاں روشنی پڑتی ہے وہاں کچھ خاص باتیں بھی نظر کے سامنے آجاتی ہیں حدیث یہ ہے :

"عبادہ بن صامت سے مروی ہے کہ آپؐ کے صحابہ کی ایک جماعت بیٹھی تھی ۔ آپؐ نے فرمایا "مجھ سے اس بات پر بیعت کرو کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو گے ، چوری نہ کرو گے ، زنا نہ کرو گے ، اپنی اولاد کو قتل نہ کرو گے ، نہ ایسا بہتان کسی پر باندھو گے جسے تم نے دیدہ و دانستہ گھڑ لیا ہو ، اور کسی اچھی بات میں خدا اور اس کے رسول کی نافرمانی نہ کرو گے ۔ پس جو کوئی تم میں سے اس عہد کو پورا کرے گا تو اس کا ثواب اللہ کے ذمے ہوگا ۔ اور جو کوئی اُن باتوں میں سے کسی میں مبتلا ہوا اور دُنیا میں اس نے سزا بھی پائی تو یہ سزا اُس کا کفارہ ہو جائیگی ۔ اور جو ان باتوں میں مبتلا ہوا اور اللہ اس کو دُنیا میں پوشیدہ رکھے تو وہ اللہ کے حوالے ہے ، چاہے معاف کرے چاہے سزا دے ۔ پس ہم سب لوگوں نے اس شرط پر بیعت کر لی تھی ۔

(۳۳)

اس حدیث شریف کے مطالعے سے عدل و احسان کے جو عمومی احکام سامنے آئے وہ تو یہ ہیں کہ شرک نہ کرنا چاہیئے ، چوری سے اجتناب کرنا چاہیئے ۔ زنا سے بچنا چاہیئے ، قتل اولاد کی معصیت سے گریز کرنا چاہیئے ، کسی پر بہتان نہ رکھنا چاہیئے اور :

"کسی اچھی بات میں" یعنی کسی امر معروف میں، خدا اور رسول کی نافرمانی نہیں کرنی چاہئے۔"

گویا خدا اور رسول ؐ کی معصیت کے لئے بھی معروف کی شرط ہے۔ جب خدا و رسول ؐ کے ساتھ یہ شرط خود خدا نے عائد کر دی ہے تو دُنیا کے دوسرے بادشاہوں فرماں رواؤں، آمروں اور سربراہانِ مملکت کو کبھی اس سے مستثنیٰ نہیں قرار دیا جا سکتا۔ گویا اطاعت کا جہاں تک تعلق ہے وہ صرف "امر معروف" میں ہے۔ اچھی بات میں ہے۔ اگر کوئی حاکم، کوئی فرماں روا، کوئی آمر، کوئی سربراہِ مملکت کوئی ایسا حکم دیتا ہے جو "معروف" نہیں ہے۔ اقدارِ اخلاقی و انسانی کے اعتبار سے اچھا نہیں ہے، مذہب کے بتائے ہوئے حدود کے خلاف ہے تو پھر اس کی اطاعت واجب نہیں رہتی۔

میں تو کہتا ہوں کہ اسلام کے من جانب اللہ ہونے کا اور آنحضرت ؐ کے رسول اللہ ہونے کا ایک بہت بڑا ثبوت یہ حدیث بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بار بار قرآن کریم میں امت کو اتباعِ رسول کی تلقین کی ہے۔ یہاں تک کہہ دیا ہے: وما ینطق عن الھویٰ ان ھو الاوحی یوحی۔ یہ حکم دیا ہے کہ رسول جو کچھ حکم دے اس کی تعمیل کرو، جس سے روکے باز آجاؤ۔ پھر ان عام احکام کی تخصیص و تحدید خود رسول ؐ کرتا ہے۔ اور صاف، واضح اور واشگاف الفاظ میں فرماتا ہے۔ ہاں میری اطاعت کرو لیکن صرف امر معروف میں۔ اور اس خود عائد کردہ شرط ہی پر اپنی اُمت سے بیعت لیتا ہے۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔

اسلام دینِ اخوت و مساوات ہے۔ وہ ہر انسان کا انسان کی حیثیت سے احترام کرتا ہے اور مسلمان کی تو جان و مال کا امین ہے کسی طرح سے بھی اسے گوارا نہیں کر سکتا کہ ایک مسلمان دوسرے مسلمان کے ساتھ وہ برتاؤ کرے جو حقیقی اخوت

اور مساوات کے جذبے سے خالی ہو۔ اور حقیقی اخوت و مساوات کی پہلی شرط یہ ہے کہ انسان دوسرے کے لئے بھی وہی چاہے اور پسند کرے جو اپنے لئے چاہتا اور پسند کرتا ہے۔

انسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا:

"تم میں سے کوئی ایمان دار نہ ہوگا یہاں تک کہ اپنے بھائی مسلمان کے لئے وہی نہ چاہے جو اپنے لئے چاہتا ہے" ۳۴ھ

انسانی معاشرہ میں حیا کو ایک خاص مقام حاصل ہے، حیا نام ہے اخلاقِ انسانی کے نکھار کا، جو شخص حیا سے محروم ہے، وہ بے حیا ہے اور بے حیا شائستگی اخلاق، اصولِ عامہ اور سوسائٹی کے ناموس کا دشمن ہوتا ہے، وہ ان سب چیزوں کو نہایت ڈھٹائی کے ساتھ پاؤں تلے روندتا رہتا ہے، لیکن جو بے حیا نہیں ہے جس کی آنکھوں میں شرم ہے جو سوسائٹی کے اصول، ضابطے اور آئین کا احترام کرتا ہے، وہ صاحبِ ایمان بھی ہے۔ ایمان صرف عبادت اور عقائد ہی پر مشتمل نہیں ہے اخلاقی اقدار پر بھی حاوی ہے۔

ابوہریرہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ایمان کی شاخیں ساٹھ سے زیادہ ہیں اور حیا بھی ایمان کی ایک شاخ ہے۔"
۳۵ھ

انسان کے اعمال کا انحصار درحقیقت نیت پر ہوتا ہے جیسی نیت ویسا پھل ذیل کی حدیث نبوی اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتی ہے:

حضرت عمرؓ آنحضرتؐ سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا:

"اعمال کا انحصار نیت پر ہے ہر شخص کو اس کی نیت کا پھل ملے گا جو شخص دنیا کے لئے ہجرت کرے گا وہ دنیا کو پالے گا، جو کسی عورت سے نکاح کے لئے ہجرت کرے گا

اس کی ہجرت اس ضمن میں شمار ہوگی، خدا کے ہاں آدمی کی ہجرت اسی کام کے لئے لکھی جاتی ہے جس کے پیش نظر اس نے ہجرت کی ہو۔" ۳۶

ماخذ

۱: سورہ مائدہ آیت ۸
۲: تفسیر خازن ج ۲ ۔ص ۱۹
۳: " " " " ۴۲
۴: معالم التنزیل (برحاشیہ خازن) ج ۲ ص ۲
۵: سورہ بقرہ آیت ۹
۶: " نحل " ۹۰
۷: " مائدہ " ۴۲
۸: " نساء " ۵۸
۹: " " " ۱۲
۱۰: " نور " ۲۲
۱۱: " بقرہ " ۲۳۸
۱۲: " نساء " ۱۱۲
۱۳: " آل عمران " ۱۳۳
۱۴: " شوریٰ " ۴۰
۱۵: " رحمٰن " ۶۰
۱۶: تفسیر خازن ج ۷، ص ۱۰
۱۷: " " " " ۱۱
۱۸: سورہ توبہ آیت ۲۰
۱۹: سورہ انعام آیت ۱۶۰
۲۰: " نساء " ۴
۲۱: " اعراف " ۵۶
۲۲: " عنکبوت " ۶۹
۲۳: " بقرہ " ۲۸۲
۲۴: " نساء " ۳۵
۲۵: " بقرہ " ۲۱۹
۲۶: " " " ۲۱۷
۲۷: " مائدہ " ۴۴
۲۸: " کہف " ۱۰۸
۲۹: تفسیر کشاف (زمخشری) ج ۲، ص ۵۰۷
۳۰: صحیح بخاری، کتاب الوصایا
۳۱: " کتاب الجنائز
۳۲: " کتاب الجمعہ
۳۳: " کتاب الایمان
۳۴: " "
۳۵: " باب کیف کان بداء الوحی
۳۶: " " " "

(۴)

عدل انبیاء کے ساتھ

قرآن مجید میں بعض انبیاء کے نام آئے ہیں اکثر کے نہیں آئے ہیں لیکن قرآن جن کا نام لیتا ہے اور جن کا نام نہیں لیتا ، سب کا بلا استثناء احترام کرتا ہے ۔ ان کی تعلیمات کو "ہدایت" "نور" اور اسی طرح کے پُرشکوہ الفاظ سے یاد کرتا ہے ۔ ان کے کردار و سیرت کے جمال و کمال کا ذکر کرتا ہے ۔ ان کے ایثار و قربانی ، فدیت اور دوسرے محاسن نہایت وضاحت اور صراحت کے ساتھ بیان کرتا ہے اور انھیں وہی منزلت دیتا ہے جس کے وہ مستحق ہیں ۔

عام طور پر پیروان رسل کا معمول اور اصول یہ رہا ہے کہ وہ اپنے نبی کے ساتھ تو پورا پورا احترام ملحوظ خاطر رکھتے ہیں لیکن دوسرے انبیاء کی ذات وصفات کا استخفاف کرتے ہیں بلکہ ان کی توہین تک کرتے ہیں اور انھیں اپنے نبی کے مقابلے میں ایک عامی کی سطح پر لا کھڑا کرتے ہیں ۔

لیکن اسلام اس اصول کا سخت مخالف ہے ، وہ جملہ انبیاء کا احترام کرتا ہے اور ان کی عزت و عظمت کے اعتراف میں ذرا تامل نہیں کرتا ۔

یہودی موسیٰؑ کی تکریم کرتے ہیں لیکن عیسیٰؑ کو ماننے سے صاف انکار کرتے ہیں عیسائی عیسیٰؑ کو خدا کا بیٹا مانتے ہیں لیکن محمدؐ کی رسالت کا اعتراف نہیں کرتے۔ یہودیوں اور عیسائیوں نے مسلمانوں کو جو ایذائیں پہنچائیں، اسلام کی راہ میں جو رکاوٹیں ڈالیں، داعیٔ اسلامؐ کے ساتھ جو سفاکانہ برتاؤ کیا، اسلام کو مٹانے کے لئے جس جس طرح سازشیں کیں، صلح کی اور اسے توڑا، دشمنانِ اسلام سے ساز باز کیا، مسلمانوں کے مابین رہ کر ان کی مخبری کی، ان کے حالات و کوائف سے دشمنوں کو مطلع کیا۔ یہ سب ایسے واقعات ہیں جن کی تردید ممکن نہیں۔ یہ تاریخی حقائق ہیں اور خود یہودی اور عیسائی مستشرقین اسے مانتے اور تسلیم کرتے آئے ہیں۔

لیکن ان تمام باتوں کے باوجود ان عہد شکنیوں، غداریوں اور بے وفائیوں کے باوجود اسلام نے نہ صرف اہلِ کتاب (یہودی اور عیسائی) کو مشرکین پر ترجیح دی، نہ صرف ان کا ذبیحہ جائز قرار دیا، نہ صرف اُن کے ساتھ کھانا پینا جائز ٹھہرایا نہ صرف اہلِ کتاب عورتوں کے ساتھ نکاح اور شادی کی اجازت دی بلکہ ہمیشہ صاف اور واشگاف الفاظ میں ان دشمنانِ اسلام یہودیوں اور عیسائیوں کی فتنہ جوئیوں اور فساد انگیزیوں کے باوجود ان کا احترام ملحوظ رکھا، انھیں سہولتیں اور آسائشیں دیں، ان کے ساتھ اچھا برتاؤ کیا، ان کے رہبان کی خدا ترسی اور خدا دوستی کی گواہی دی۔ ان کے معابد کے اعزاز میں اور بزرگانِ دین اور پیشوایانِ مذاہب کے احترام میں کوئی فرق نہیں آنے دیا۔ بلکہ ان کے نبیوں اور پیغمبروں کا ان سے زیادہ شان دار الفاظ میں ذکر کیا۔

اب ہم ذیل میں مختصر طور پر یہ بتانے کی کوشش کریں گے کہ انبیائے سلف کے بارے میں قرآن کیا کہتا ہے اور ان کے اجلال و اکرام سے متعلق سرکارِ دو عالمؐ

کا کیا طرز کار رہا ہے ۔

سب سے پہلے ہم حضرت ابراہیم علیہ السلام کو لیتے ہیں جو ابو الانبیاء ہیں ۔ قرآن صاف الفاظ میں ان کی نبوت اور صدیقیت کا اعتراف کرتا ہے ۔

وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ إِبْرَاهِيمَ ۚ إِنَّهُ كَانَ صِدِّيقًا نَّبِيًّا ۝ [1]

اور قرآن میں ابراہیمؑ کا ذکر بھی اے محمدؐ کہہ کہ وہ بڑے سچے نبی تھے ۔

اسمٰعیلؑ ابراہیمؑ کے صاحبزادے تھے اور یہ بھی مرتبۂ رسالت و نبوت پر فائز تھے ۔ قرآن نے اس حقیقت کو بھی بڑے شاندار الفاظ میں تسلیم کیا ہے :

وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ إِسْمَاعِيلَ ۚ إِنَّهُ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ وَكَانَ رَسُولًا نَّبِيًّا ۝ [2]

اور قرآن میں اسماعیل کا ذکر بھی کر کہ وہ وعدے کے سچے اور بھیجے ہوئے پیغمبر تھے ۔

ابراہیم و اسمٰعیل ہی کا نہیں آلِ ابراہیم یعنی ابراہیم کے خاندان کا ذکر بھی قرآن حکیم نے کیا ہے ۔ اور اس خاندان کو جو رفعت و منزلت عطا فرمائی تھی اس کا تذکرہ کیا ہے :

أَمْ يَحْسُدُونَ النَّاسَ عَلَىٰ مَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِن فَضْلِهِ ۖ فَقَدْ آتَيْنَا آلَ إِبْرَاهِيمَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَآتَيْنَاهُم مُّلْكًا عَظِيمًا ۝ [3]

کیا لوگوں سے اس بات پر حسد کرتے ہیں کہ اللہ نے اپنے فضل سے انھیں قرآن عطا فرمایا ۔ سو ہم نے ابراہیم کے خاندان کو کتاب بھی دی ، علم بھی دیا اور بڑی بھاری سلطنت بھی دی ۔

اسمٰعیل کے واقعۂ فدویت کا ذکر بھی قرآن نے بڑے جامع و مانع الفاظ میں کیا ہے :۔

وَفَدَيْنَاهُ بِذِبْحٍ عَظِيمٍ ۝ [4]

اور ہم نے ایک بڑا ذبیحہ اس کے عوض میں دیا ۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں خدائے سبحانہٗ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

سَلٰمٌ عَلٰٓی اِبْرٰهِیْمَ ۝ ﮥ ابراہیم پر سلام ہو

یہ چند بول ہیں لیکن ان میں کتنی مٹھاس ہے، ذرا تصوّر تو کیجئے "جس بندے" "ابراہیم پر سلام بھیجا جا رہا ہے اس کی عظمت و رفعت کا کیا عالم ہوگا، خدا کی جناب میں؟ یہ صرف ایک لفظ ہی نہیں اس جہادِ اکبر کی پوری تاریخ ہے جو ابراہیم علیہ السلام نے آذر کدے میں بیٹھ کر کیا تھا یہ خالقِ کائنات کی طرف سے اس بندے اور نبی کے لئے خراجِ تحسین ہے جو بظاہر بے سہارا تھا۔ بے سامان تھا، بے مایہ تھا، لیکن جس کا دل تبلیغِ حق کے جوش سے معمور تھا، جس نے وقت کی سب سے بڑی قوت سے ٹکر لی اور جس کے لئے آگ کے لپکتے ہوئے شعلے گلزار بن گئے۔ یہ وہی ہے جس نے ٹمٹماتے ہوئے تاروں کو دیکھا تھا اور انھیں معبود سمجھ لیا تھا، جس نے چاند کی بھینی روشنی میں ۔۔ سر جھکا دیا تھا، جس نے چمکتے ہوئے سورج پر نظر ڈالی تھی اور سرِ عقیدت خم کر دیا تھا، لیکن جب ستارے ڈوب گئے، چاند چھپ گیا اور سورج نے گوشۂ مغرب میں پناہ لی، تو اس نے فوراً ہی محسوس کر لیا تھا،

"نہیں، یہ زوال پذیر چیزیں کیسے خدا ہو سکتی ہیں۔ خدا تو وہ ہے جو کبھی زوال سے آشنا نہیں ہو سکتا، جس کی سلطانی بحر و بر پر، شجر و حجر پر، کوہ و دریا پر اور ــــ ان ستاروں پر، اس چاند پر، اس سورج پر، سب پر قائم ہے۔ ہاں وہی خدا ہے میں اس کے سامنے سر جھکاؤں گا، میں اسی کی پرستش کروں گا۔ اور یوں آن دیکھے خدا کے سامنے سر بسجود ہو گیا۔

یہ ہے ابراہیم خدا جس پر سلام بھیج رہا ہے:

سَلٰمٌ عَلٰٓی اِبْرٰھِیْمَ ٥

پھر خدا نے اپنے ایک اور شکرگزار بندے داؤد کا ذکر فرمایا ہے۔ بلکہ آل داؤد کا بھی اور اس خاندان کو شکرگزاری کی تلقین کی ہے:

اِعْمَلُوْٓا اٰلَ دَاوٗدَ شُکْرًا ؕ وَقَلِیْلٌ مِّنْ عِبَادِیَ الشَّکُوْرُ سہ

اے داؤد کی اولاد شکر کرو اور میرے بندے شکرگزار تھوڑے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں موسیٰ کا ذکر کیا ہے اور بتایا ہے کہ موسیٰ کی قوم کے ساتھ ہم نے کیا کیا احسانات کئے تھے، اسے عقیدۂ توحید کا پابند بنایا تھا، اُسے کیسی کیسی سربلندیاں عنایت فرمائی تھیں۔:

وَاٰتَیْنَا مُوْسَی الْکِتٰبَ وَجَعَلْنٰهُ هُدًی لِّبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اَلَّا تَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِیْ وَکِیْلًا ٥ ے

اور ہم نے موسیٰ کو کتاب دی اور اس (کتاب) کو بنی اسرائیل کے لئے ہدایت ٹھہرایا کہ تم میرے سوا کوئی کارساز نہ پکڑو۔

پھر موسیٰ کی عصیاں شعار اور نافرمان قوم کا تذکرہ کیا ہے کہ جب موسیٰ اپنے رب سے ہدایت نامہ لینے پہاڑ پر گئے تو یہ قوم خدائے واحد کے بجائے گوسالہ کو پوجنے لگی یعنی مشرک بن گئی۔ وہ آئے اور یہ منظر دیکھ کر سراپا غضب بن گئے:

وَلَمَّا سَکَتَ عَنْ مُّوْسَی الْغَضَبُ اَخَذَ الْاَلْوَاحَ ۚ وَفِیْ نُسْخَتِهَا هُدًی وَّرَحْمَةٌ لِّلَّذِیْنَ هُمْ لِرَبِّهِمْ یَرْهَبُوْنَ ٥ شہ

اور جب موسیٰ کا غصہ فرو ہوا تو اس نے تختیاں اٹھائیں اور ان تختیوں کی تحریر میں ہدایت باتیں مرقوم تھیں اور جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں ان کے لئے رحمت بھی تھی۔

اور یہ غصہ بجا بھی تھا!

خدا نے موسیٰ کو اور ساتھ ساتھ ان کے بھائی ہارون ؑ کو مرتبۂ نبوت پر سرفراز کیا تھا۔ ان دونوں بھائیوں کو حکمت دی تھی، علم عطا فرمایا تھا۔ انھوں نے خدا کے دیتے ہوئے اس عطیے یعنی علم و حکمت سے کبھی روگردانی نہیں کی تھی۔ بلکہ اسے دلیلِ راہ اور شمعِ طریقت بنائے رکھا تھا۔ اس حکمت اور علم کی روشنی میں اپنی گم کردہ راہ قوم کو صراطِ مستقیم پر گامزن کیا تھا۔ یہ دونوں بھائی نیک تھے، نیکوکار تھے، اور خدا کی بارگاہ سے نیکوں اور نیکوکاروں کو انعام ضرور عطا ہوتا ہے۔

اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا ۭ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ۝ — ہم نے ان کو حکمت اور علم عطا فرمایا اور ہم نیک لوگوں کو اس طرح ہی بدلہ دیا کرتے ہیں۔

۹

اور یہی نہیں کہ موسیٰ ؑ اور ہارون ؑ کو صرف "حکمت" عطا کی ہو، صرف "علم" بخشا ہو، ان کی نیکی اور نیکوکاری کے باعث ان پر اور بھی بہت سے احسانات کیے۔ طرح طرح سے انھیں نوازا اور سربلند کیا۔

وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلٰي مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ۝ — اور ہم نے موسیٰ و ہارون پر احسانات کیے۔

۱۰

وَاٰتَيْنٰهُمَا الْكِتٰبَ الْمُسْتَبِيْنَ ۝ — اور ان دونوں کو واضح کتاب دی۔

۱۱

اور یہ کتاب جو ہم نے ان دونوں کو دی، گو واضح تھی، صریح تھی، ہر چیز کا بیان اس میں موجود تھا۔ اور سب سے بڑی خصوصیت اس کی یہ تھی کہ یہ کتاب جو ہم نے نازل کی تھی موسیٰ و ہارون پہ، یہ مبنی برحق تھی۔

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ نَزَّلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ ۝ — یہ اس لئے ہے کہ اللہ نے کتاب (توریت) حق کے ساتھ اتاری۔

۱۲

اور حق بھی کیسا!

وہ حق جو سراسر ہدایت تھا، سراسر نور تھا۔

اِنَّا اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ فِيْهَا هُدًى وَّ نُوْرٌ ۱۳ — بیشک ہم نے توراۃ اتاری اس میں ہدایت اور نور ہے۔

اور جس نبی پر احسان کیا گیا ہو، جسے حکمت عطا کی گئی ہو، جسے علم دیا گیا ہو جو مورد لطف و کرم رہا ہو، جسے کتاب دی گئی ہو اور یہ کتاب واضح ہو، ہدایت ہو، نور ہو، کیا وہ خدا کی طرف سے "سلام کا سزاوار نہیں۔

ضرور ہے:

سَلٰمٌ عَلٰى مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ۱۴ — موسیٰ اور ہارون پر سلام ہو۔

اللہ تعالیٰ نے ایک اور نبی صادق (یوسفؑ) کا بھی ذکر فرمایا ہے:

حضرت یوسفؑ ایک بہت بڑے نبی حضرت یعقوبؑ کے فرزند ارجمند تھے۔ لیکن فرزند نبی ہونے کے باوجود ابتلا کے دور سے گزرے، بھائیوں نے ایک اندھے کنوئیں میں پھینک دیا۔ پھر وہاں سے نکالے گئے اور غلام بنا کر مصر میں بکے۔ یہاں عزیز مصر کے معتمد بنے، لیکن ایک اور بہت بڑے ابتلا سے گزرے، یعنی دامن حسن بچایا گیا۔ لیکن اس سے اپنے آپ کو بچالے گئے۔ پھر نذر زندان ہوئے، لیکن جیل کی سختیاں بھی راہ حق سے منحرف نہ کر سکیں۔ اور آخر میں اس صبر و استقامت کا صلہ بارگاہ الٰہی سے یہ عطا ہوا کہ جس شہر میں غلام بن کر پہنچے تھے جہاں اسیر زندان ہوئے تھے وہیں کی کارفرمائی اور سلطانی حصے میں آگئی۔ اور اس منصب بلند تک وہ اس لئے پہنچ گئے کہ موسیٰ و ہارون کی طرح انھیں بھی حکمت اور علم سے نوازا گیا تھا۔

اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا ؕ وَكَذٰلِكَ — ہم نے ان (یوسفؑ) کو حکمت اور علم عطا

نَجۡزِی الۡمُحۡسِنِیۡنَ ۝ فرمایا اور ہم نیک لوگوں کو اس طرح ہی بدلہ دیا کرتے ہیں۔ ۱۵ھ

اور اس عہدِ عروج میں وہ بھائی جو "برادرانِ یوسف" ثابت ہوئے تھے جب خود اپنے بھائی کے تختِ سلطانی کے نزدیک پہنچے تو اعترافِ جرم و خطا پر مجبور ہو گئے۔

قَالُوۡا تَاللّٰہِ لَقَدۡ اٰثَرَکَ اللّٰہُ عَلَیۡنَا وَ اِنۡ کُنَّا لَخٰطِـئِیۡنَ ۝ ۱۶ھ بولے اللہ کی قسم خدا نے تجھے برگزیدہ کیا اور بیشک ہم خطاوار تھے۔

لیکن سراپائے خلق و کرم بھائی نے ندامت اور پشیمانی کو محسوس کر لیا اور معاف کر دیا

قَالَ لَا تَثۡرِیۡبَ عَلَیۡکُمُ الۡیَوۡمَ یَغۡفِرُ اللّٰہُ لَکُمۡ وَ ہُوَ اَرۡحَمُ الرّٰحِمِیۡنَ ۝ ۱۷ھ کہا آج تم پر کوئی الزام نہیں خدا تمہیں معاف کرے اور وہ سب مہربانوں سے زیادہ مہربان ہے۔

قرآن نے جن انبیاء کا نام لیا ہے وہ سب مثالی کردار کے حامل تھے جنہوں نے اپنے کردار و سیرت سے دنیا کے بڑے بڑے طوفانوں کا مقابلہ کیا، قوم کی مخالفت، اہلِ خاندان کی مخالفت حتیٰ کہ اولادِ نافرمان یعنی "پسرِ نوح" کی مخالفت بھی برداشت کی مگر جبینِ استقامت پر بل نہ آیا۔

یہ نوح علیہ السلام تھے، خدائے رحمٰن و رحیم جن کا تعارف اس طرح کراتا ہے

وَ نَجَّیۡنٰہُ وَ اَہۡلَہٗ مِنَ الۡکَرۡبِ الۡعَظِیۡمِ ۝ ۱۸ھ اور ہم نے اس کو اور اس کے بال بچوں کو بڑی مصیبت سے نجات دی۔

یہی وہ نوح ہیں جو طوفانِ عالم آشوب میں اپنی کشتی پر چند بوسوں اور خدا پرستوں کو لے کر چڑھ گئے تھے۔ صرف یہ اپنے گنے چنے ساتھیوں کے ساتھ سلامت رہے باقی سارا عالم غرق آب ہو گیا پھر جب طوفان تھما تو خدا نے فرمایا؛

قِيلَ يٰنُوحُ اهْبِطْ بِسَلَامٍ مِّنَّا وَبَرَكَاتٍ عَلَيْكَ وَعَلٰى أُمَمٍ مِّمَّن مَّعَكَ ط

کہا گیا کہ اے نوحؑ اب ہماری طرف سے اپنے اوپر اور اپنے ساتھ کی امتوں پر سلام اور برکتیں لے کر زمین پر اتر)

۱۱ھ

کتنے بڑے ہولناک اور لرزہ خیز دور ابتلا سے نوحؑ گزرے تھے، بیٹےؑ کی نافرمانی اور جدائی، قوم کی سرکشی اور بغاوت، دوستوں، عزیزوں، ساتھیوں اور رشتہ داروں کی خودغرضی اور بے مہری اور پھر طوفانِ عالم آشوب، انہی کارناموں کی داد خدا ان الفاظ میں دیتا ہے:

سَلٰمٌ عَلٰى نُوحٍ فِي الْعَالَمِينَ ٥

نوح پر تمام جہانوں میں سلامتی ہو۔

۲۰ھ

پھر اسی طرح حضرت الیاسین علیہ السلام کا ذکر فرمایا ہے:

سَلَامٌ عَلٰى إِلْ يَاسِينَ

الیاسین پر سلام ہو۔

حضرت یحییٰ علیہ السلام کا ذکر بھی قرآن میں موجود ہے، جن کی سرکش، نافرمان عصیاں شعار اور خدا نا آشنا قوم نے ظلم و ستم، شقاوت و قساوت اور سفاکی و درندگی کا کوئی دقیقہ، دوسروں کا کیا ذکر اپنے نبی تک کے ساتھ فراموش نہیں کیا تھا

وَسَلَامٌ عَلَيْهِ يَوْمَ وُلِدَ وَيَوْمَ يَمُوتُ وَيَوْمَ يُبْعَثُ حَيًّا ٥

اور اس کو سلام پہنچے جس دن وہ پیدا ہوا اور جس دن مرا اور جس دن زندہ کرکے اٹھایا جائے گا۔

۲۱ھ

اس لئے کہ اس نبی کی زندگی، موت اور بعثتِ ثانیہ ہر چیز اپنے اندر ایک درس پنہاں رکھتی ہے

یہی خصوصیت عیسیٰ کی تھی۔ ان کی ولادت، زندگی، موت ہر چیز اپنے اندر بہت سے سامانِ عبرت کے پنہاں رکھتی ہے۔

یہی وہ عیسیٰ ہیں جن پر انجیل اتری، آسمانی کتاب، خدا کی کتاب، لیکن اس کتابِ مبین سے، اس ہدایت سے، اس نور سے اس امت نے فائدہ نہیں اٹھایا جس پر یہ بھیجی گئی تھی۔ اس نے اپنے نبی کو خدا کا بیٹا بنا لیا، فرشتوں کو خدا کی لڑکی قرار دیا۔ اور دوسری بہت سی فکری اور عملی گمراہیوں میں مبتلا ہو گئے۔ حالانکہ انہیں انجیل یعنی کتابِ الٰہی دی گئی تھی، چاہیے تھا کہ اس کے مطابق اپنی زندگی بناتے اور سنوارتے۔

وَلْيَحْكُمْ أَهْلُ الْإِنْجِيلِ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ فِيهِ

اور انجیل والوں کو چاہیے کہ اس کے مطابق فیصلہ کریں جو اللہ نے اس میں اتارا ہے۔ ۲۳ھ

اور یہ عیسیٰ اور یہ انجیل ان نام نہاد عیسائیوں سے کتنے دور جا پڑے ہیں۔

وَقَفَّيْنَا عَلَىٰ آثَارِهِمْ بِعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ مُصَدِّقًا لِمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرَاةِ وَآتَيْنَاهُ الْإِنْجِيلَ فِيهِ هُدًى وَنُورٌ وَمُصَدِّقًا لِمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرَاةِ وَهُدًى وَمَوْعِظَةً لِلْمُتَّقِينَ ۝

اور ان کے پیچھے ہم نے مریمؑ کے بیٹے عیسیٰؑ کو بھیجا تو تورات کی جو اس سے پہلے نازل ہوئی تھی تصدیق کرنے والا تھا اور اس کو ہم نے انجیل دی جس میں ہدایت اور نور ہے اور تورات کی جو اس سے پہلے نازل ہوئی ہے تصدیق کرتے اور پرہیزگاروں کے لئے ہدایت اور نصیحت ہے۔ ۲۴ھ

اللہ تعالیٰ نے صرف نبیوں اور پیغمبروں کے ذکر پر ہی اکتفا نہیں کیا ہے، بلکہ اہلِ کتاب کے شعور و بلوغ کو بھی جھنجوڑا ہے:

قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ هَلْ تَنْقِمُونَ

تو کہہ اے اہلِ کتاب (یہود) کیا تم نے

مِنَّا اِلَّآ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ
اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلُ
۲۵

ہم سے اس بات پر بیر باندھا ہے کہ
ہم خدا پر ایمان لائے اور ہم سے پہلے
نازل ہوا اس کو مانتے ہیں۔

اور جملہ انبیاء کی تصدیق فرمائی ہے اور ان کی راہ یابی کا اعلان فرمایا ہے۔

اور پھر جب قرآن نازل کیا تو محمدؐ کو بھی بتایا کہ تم سے پہلے جتنے انبیاء گزرے ہیں سب سچے تھے ان کی تعلیم راست اور بجا تھی اور خاص طور پر یہ یہود و نصاریٰ جو تمھارے راستے میں طرح طرح کی دشواریاں پیدا کرتے ہیں اور تمھیں صراطِ مستقیم سے گریزاں کرنے کی سعی کرتے ہیں، تمھارے خلاف سازشیں کرتے ہیں، تمھارے دشمنوں سے ساز باز کرتے ہیں، تمھارے خلاف سازشیں کرتے ہیں، تم سے عہد شکنی کرتے ہیں، جب مجبور ہوتے ہیں تو دوستی کا ہاتھ بڑھا دیتے ہیں، جب حالات ساز گار پاتے ہیں اس دوستی کے ہاتھ میں تلوار چمکنے لگتی ہے، یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے خدا کے کلام میں تحریف کی، جو کتابیں اُن پر نازل ہوئی تھیں انھیں بدل دیا۔ لیکن غیر محرّف توراۃ اور غیر محرف انجیل بلاشبہ اللہ کی بھیجی ہوئی کتابیں تھیں

كُلًّا هَدَيْنَا وَنُوْحًا هَدَيْنَا مِنْ قَبْلُ
وَمِنْ ذُرِّيَّتِهٖ دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ
وَاَيُّوْبَ وَيُوْسُفَ وَمُوْسٰى وَهٰرُوْنَ
وَكَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُحْسِنِيْنَ ۝
۲۶

ہر ایک کو ہم نے ہدایت کی اور پہلے زمانہ
میں ہم نے نوحؑ کو ہدایت کی اور ابراہیمؑ
کی اولاد میں سے داؤدؑ اور سلیمانؑ اور ایوبؑ
اور یوسفؑ اور موسیٰؑ اور ہارونؑ کو اور
اسی طرح ہم نیک کام کرنے والوں کو جزا
دیا کرتے ہیں۔

نَزَّلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا
لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَاَنْزَلَ التَّوْرٰىةَ

(اے نبی) اس نے تجھ پر دینِ حق کے ساتھ
کتاب اتاری جو اس (کتاب) کی تصدیق

وَالْاِنْجِیْلَ مِنْ قَبْلُ ھُدًی لِّلنَّاسِ وَاَنْزَلَ الْفُرْقَانَ ۞ ؎۲
کرتی ہے جو اس سے پہلے (اتری) ہے اور اس نے اس سے پہلے تورات اور انجیل اتاری جو لوگوں کے لئے ہدایت ہیں اور حق اور باطل میں فرق کرنے والا (قرآن) اتارا۔

اور اس کے بعد:

وَسَلٰمٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ ۞ ؎۳
اور (جملہ) پیغمبروں پر سلام ہو۔

انبیاء کے اجلال و اکرام کے سلسلے میں ہم نے مختصر طور پر ایک نظر قرآن کریم کی آیاتِ کریمہ پر ڈال لی، اب حدیثِ نبوی کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ اور یہ معلوم کرنے کی کوشش کریں گے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس سلسلے میں ارشادات کیا ہیں اور آپؐ کا عمل کیا رہا ہے؟

اس سلسلے میں سب سے پہلے جو حدیث ہم پیش کرنا چاہتے ہیں وہ نہایت وضاحت اور صراحت کے ساتھ آنحضرتؐ کا طرزِ عمل متعین کر دے گی۔

حضرت ابوہریرہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ دو آدمیوں نے باہم طمانچہ زنی کی، ان میں سے ایک مسلمان تھا دوسرا یہودی۔ مسلمان نے کہا قسم ہے اس کی جس نے محمدؐ کو تمام جہان کے لوگوں پر برگزیدہ کیا۔

یہودی نے کہا قسم ہے اس کی جس نے موسیٰ کو تمام دنیا کے لوگوں پر برگزیدہ کیا۔ اس پر مسلمان نے یہودی کے منہ پر طمانچہ کھینچ مارا۔ وہ یہودی آپؐ کے پاس گیا۔ اور اس مسلمان کے واقعے کا ذکر کیا۔ آپؐ نے پوچھا، اس نے تمام ماجرا بیان کر دیا۔ آپؐ نے فرمایا تم لوگ مجھے موسیٰؑ پر فضیلت نہ دو، کیونکہ قیامت کے دن سب لوگ بیہوش ہو جائیں گے اور ان کے ساتھ میں بھی بیہوش ہو جاؤں گا۔ سب سے پہلے مجھے ہوش آئے گا تو میں دیکھوں گا کہ موسیٰ عرش کا ایک پایہ پکڑے کھڑے ہیں۔ میں نہیں جانتا کہ

وہ بھی بیہوش ہوئے تھے اور مجھ سے پہلے ہوش میں آ گئے۔ یا وہ اُن لوگوں میں تھے جنھیں اللہ نے بے ہوش ہونے سے مستثنیٰ کر دیا۔

۲۹

اسی طرح ایک اور موقع پر

ابن عباس رضو رسول اللہ ص سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ص نے فرمایا:
کسی بندے کو یہ زیبا نہیں کہ وہ کہے میں (رسول اللہ) یونس بن متی سے بہتر ہوں اور آپ نے انھیں ان کے باپ کی طرف منسوب کیا

۳۰

حضرت عیسیٰ اور اپنا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:
حضرت عمر کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ کو فرماتے سنا کہ مجھے ایسا نہ بڑھاؤ جیسے نصاریٰ نے عیسیٰ ابن مریم کو بڑھایا، کیونکہ میں تو خدا کا بندہ ہوں بلکہ تم میرے بارے میں یہ کہو کہ یہ خدا کا بندہ اور اس کا رسول ص ہے۔

۳۱

ایک اور موقع پر اس سلسلے میں ارشاد فرمایا:
حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ص نے فرمایا: میں دنیا و آخرت میں دنیا و آخرت میں سب لوگوں سے زیادہ عیسیٰ ابن مریم کا دوست ہوں، تمام بنی آدم مثل علاتی بھائی کے ہیں، مائیں تو ان کی جُدا جُدا ہیں مگر دین سب کا ایک ہے۔

۳۲

حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہ السلام کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد ہوا:
ابوہریرہ سے روایت ہے کہ انھوں نے رسول اللہ ص کو یہ کہتے سنا کہ میری مثال اور (ان) لوگوں کی مثال بہ منزلہ اس شخص کے ہے جو آگ روشن کرے اور پروانے

اور کیڑے اس میں گرنے لگیں۔ پھر آپ نے فرمایا دو عورتیں تھیں جن کے ہمراہ دونوں کے بچے بھی تھے کہ بھیڑیا آیا اور وہ ان میں سے ایک بچے کو لے گیا جس پر اس کی پاس والی عورت نے کہا بھیڑیا تیرے بیٹے کو لے گیا۔ دوسری نے کہا کہ نہیں تیرے بیٹے کو لے گیا ہے۔ پس ان دونوں نے داؤدؑ کے سامنے محاکمہ کیا۔ داؤدؑ نے وہ بچہ بڑی عورت کو دلا دیا۔ مگر پھر وہ دونوں سلیمانؑ بن داؤدؑ کے پاس گئیں۔ سلیمانؑ نے کہا۔ چھری لاؤ میں اس بچے کو کاٹ کر تمھارے درمیان تقسیم کر دوں۔ چھوٹی عورت نے کہا۔ ایسا نہ کر خدا تم پر رحم کرے۔ یہ اسی کا بیٹا ہے۔ سلیمانؑ نے وہ بچہ چھوٹی عورت کو دلا دیا۔

۳۳

حضرت داؤدؑ کے ذکر میں ارشاد ہوا:

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص کہتے ہیں کہ رسول اللہؐ نے ایک مرتبہ مجھ سے فرمایا۔ اللہ کو تمام نمازوں سے زیادہ پسند داؤد کی سی نماز ہے اور تمام روزوں میں زیادہ پسند داؤد کا سا روزہ ہے۔ جو نصف شب سوتے تھے اور تہائی رات نماز پڑھتے تھے۔ اور پھر رات کے چھٹے حصے میں سو رہتے تھے ایک دن روزہ رکھتے تھے اور ایک دن نہ رکھتے تھے۔

۳۴

ایک اور موقع پر حضرت داؤد علیہ السلام کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

ابوہریرہ کہتے ہیں کہ رسول اللہؐ نے فرمایا: داؤد پر زبور کی تلاوت آسان کر دی گئی تھی۔ وہ اپنی سواریوں کی نسبت حکم دیتے تھے کہ ان پر زین رکھا جائے اور قبل اس کے کہ ان پر زین رکھا جائے قرآن پڑھ چکتے تھے۔ اور وہ سوائے اپنے ہاتھ کی کمائی کے کچھ نہ کھاتے تھے۔

۳۵

ایک اور نبی کا ذکر زبانِ رسالت پہ اس طرح آیا:

حضرت ابن مسعود کہتے ہیں کہ گویا میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ رہا ہوں کہ آپ نبیوں میں سے ایک نبی کا حال بیان کر رہے ہیں کہ انہیں ایک قوم نے یہاں تک مار کر خون آلودہ کر دیا مگر وہ اپنے چہرے سے خون پونچھتے جاتے تھے اور کہتے تھے کہ اے اللہ میری قوم کو بخش کیونکہ وہ نہیں جانتی

۵۳۶

غرض آیاتِ قرآنی اور احادیثِ نبوی کی چھان بین سے یہ بات پورے طور پر واضح ہو جاتی ہے کہ قرآن نے اور حدیث نے انبیاء کرام کے ساتھ پورا پورا عدل مرعی رکھا ہے۔ اسلام کی حقانیت کا یہ بھی ایک ثبوت ہے۔

ماخذ

۱: سورۂ مریم آیت ۴۱
۲: " " " ۵۴
۳: " نساء " ۵۴
۴: " صفت " ۱۰۴
۵: " " " ۱۰۹
۶: " سبا " ۱۳
۷: " بنی اسرائیل " ۴
۸: " اعراف " ۱۵۴
۹: " قصص " ۱۴
۱۰: " صفت " ۱۱۴
۱۱: سورۂ صفت آیت ۱۱۷
۱۲: " بقرہ " ۱۷۶
۱۳: " مائدہ " ۴۳
۱۴: " صفت " ۱۲۰
۱۵: " یوسف " ۱۲۲
۱۶: " " " ۹۱
۱۷: " " " ۹۲
۱۸: " صفت " ۷۶
۱۹: " ھود " ۴۸
۲۰: " صفت " ۷۹

۲۱: سورۂ مریم آیت ۱۵
۲۲: " " " ۳۳
۲۳: " مائدہ " ۴۲
۲۴: " " " ۴۶
۲۵: " " " ۵۹
۲۶: " الغافر " ۸۵
۲۷: " آل عمران " ۳
۲۸: " صٰفٰت " ۸۱

۲۹: صحیح بخاری کتاب فی الخصومات
۳۰: " " " بداء الخلق
۳۱: " " " "
۳۲: " " " "
۳۳: " " " "
۳۴: " " باب التہجد باللیل
۳۵: " " کتاب بدء الخلق
۳۶: " " " "

(۵)

عدل

عبادت میں

عبادت ہر مذہب کا جزوِ اعظم ہے۔ اگر عبادت نہیں تو مذہب بھی نہیں۔ اسلام کے سوا دُنیا کا کوئی مذہب ایسا نہیں ہے جس میں مذہبی اجارہ داری (Priesthood) موجود نہ ہو۔ یعنی ایک ایسا طبقہ موجود نہ ہو جو خالق اور مخلوق کے مابین واسطہ کا کام دیتا ہو، کوئی عبادت، کوئی قربانی، کوئی ریاضت کوئی مجاہدہ اس وقت تک قابلِ قبول نہیں جب تک "برہمن" "پادری" "فتلیس" "بھکشو" وغیرہم اس کی تصدیق نہ کر دیں۔ اور اگر اس واسطہ کو ترک کر کے کوئی شخص خدا سے براہِ راست رابطہ پیدا کرنا چاہتا ہے تو نہ اس کی عبادت مقبول ہے نہ ریاضت نہ قربانی نہ مجاہدہ۔

لیکن اسلام خدا اور بندے کے مابین کسی واسطہ کو تسلیم نہیں کرتا۔ ہر شخص نماز پڑھ بھی سکتا ہے پڑھا بھی سکتا ہے۔ قربانی کر بھی سکتا ہے اور دوسروں کی طرف سے یہ کام انجام بھی دے سکتا ہے۔ اس سلسلے میں کسی واسطہ کی ضرورت نہیں۔

اسلام میں اور دوسرے مذاہب میں ایک اور بھی بہت بڑا اور بنیادی فرق موجود ہے۔ اور جیسے جیسے دنیا ترقی اور عروج کے منازل طے کرتی جائے گی یہ فرق اور زیادہ واضح اور نمایاں ہوتا چلا جائے گا۔

دوسرے مذاہب میں مذہبی احکام بجائے خود بہت سخت ہیں۔ ان میں ذرا بھی لچک نہیں، نرمی نہیں، سہولت نہیں، گنجائش نہیں۔ اگر چوک ہو جائے، غلطی ہو جائے تو وہ یا تو ناقابلِ معافی ہے اور یا پھر اس سلسلے میں کفارۂ گناہ کے لئے ایسے متشددانہ احکام ملتے ہیں جو انسانی طاقت سے باہر ہیں۔

لیکن اسلام، انسان کو انسان سمجھتا ہے۔ اسے مشین نہیں سمجھتا وہ اس کی فطرت کی کمزوری سے واقف ہے۔ وہ جانتا ہے کہ انسان کی سرشت میں غلطی اور خطا کاری ہے۔ لہٰذا وہ غلطی، خطا کاری اور مجبوری کا پورا پورا لحاظ رکھتا ہے عبادت، قربانی اور شعائرِ مذہبی کی بجا آوری کے سلسلے میں انسان کی مجبوری اور کوتاہی کو نظر انداز نہیں کرتا۔

یہی وجہ ہے کہ اس نے خود ہی ان مجبوریوں اور کوتاہیوں کو پیشِ نظر رکھ کر زیادہ سے زیادہ رعایتیں اور سہولتیں عطا کر دی ہیں۔

- آدمی اگر سفر میں ہو تو قصر کر سکتا ہے یعنی فرض کی چار کی بجائے صرف دو رکعتیں۔ نوافل اور سنّت کا سوال نہیں۔
- بارش ہو رہی ہو یا کوئی اور مجبوری ہو تو مسجد میں آنا معاف۔
- سفر کی صورت میں جمع بین الصلوٰتین کی بھی اجازت دے دی۔ مثلاً ظہر کے ساتھ عصر کی اور مغرب کے ساتھ عشا کی نماز پڑھ لی جا سکتی ہے۔
- پانی موجود نہ ہو تو تیمّم کیا جا سکتا ہے۔ تیمّم وضو کے لئے بھی ہو سکتا ہے اور غسل کے لئے بھی۔ پانی موجود ہو لیکن صحت اجازت نہ دیتی ہو تو بھی وضو اور

غسل کے بجائے تیمم سے کام لیا جاسکتا ہے۔

• ۔ جن غلطیوں اور کوتاہیوں پر عزبار کو کھانا کھلانا، خیرات کرنا اور اسی طرح کی تعزیریں ہیں اُن میں بھی یہ سہولت دی گئی کہ اگر آدمی مفلس ہے تو خود کھالے یہی صدقہ بن جائے گا۔ اپنے بچوں کو کھلا دے، یہ بھی صدقہ کا کام دے گا۔

• ۔ مسح کی اجازت (بہ ضرورت مرحمت) فرمادی۔

• ۔ عبادت کے بارے میں کثرت کے بجائے مختصر۔ لیکن دائمی عبادت کو ترجیح دی۔

• ۔ امام، واعظ اور خطیب کے لئے یہ لازم قرار دیا کہ وہ نماز پڑھانے میں، وعظ کہنے میں تقریر کرنے میں اس بات کا خیال رکھے کہ حاضرین میں بوڑھے بھی ہیں بیمار اور معذور بھی۔ اور وہ لوگ بھی جنھیں پیٹ بھرنے کے لئے زیادہ محنت کرنی ہے، مزدوری کرنی ہے، کام کرنا ہے پس نماز اس طرح پڑھائی جائے وعظ اس طرح کہا جائے، خطبہ اس طرح دیا جائے کہ کسی کا دل نہ اکتانے پائے، کسی کو تکلیف نہ ہو۔

• ۔ یہ ساری سہولتیں اور رعایتیں اسلام نے از خود عطا فرمادی ہیں۔ قرآن کریم میں ان متعدد سہولتوں اور رعایتوں کا ذکر کیا گیا ہے جو خدا نے اپنے بندوں کو دی ہیں۔ ہم اس باب میں چند کا ذکر کریں گے۔

سب سے پہلے تو بھلائی اور نیکی کی طرف راغب کرنے کے لئے ارشاد فرمایا:

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ ثَوَابَ الدُّنْيَا	جو شخص دُنیا کا معاوضہ چاہتا ہو تو اللہ کے
فَعِنْدَ اللّٰهِ ثَوَابُ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ	پاس تو دنیا اور آخرت دونوں کا معاوضہ
وَكَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًا بَصِيْرًا ه ١	ہے اور اللہ بڑا سننے والا اور دیکھنے والا ہے

یہ عام اصول بیان کر چکنے کے بعد وہ سہولتیں بھی بیان فرمادیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو مرحمت فرمائی ہیں۔ مثلاً نمازِ قصر کے بارے میں ارشاد ہوا:

وَاِذَا ضَرَبْتُمْ فِی الْاَرْضِ فَلَیْسَ عَلَیْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوةِ ۖ اِنْ خِفْتُمْ اَنْ یَّفْتِنَكُمُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا ؕ اِنَّ الْكٰفِرِیْنَ كَانُوْا لَكُمْ عَدُوًّا مُّبِیْنًا ؀ [۱]

اور جب تم زمین میں سفر کرو سو تم کو اس میں کوئی گناہ نہ ہوگا کہ تم نماز کو کم کر دو کہ یہ اندیشہ ہو کہ تم کو کافر لوگ پریشان کریں گے۔ بلاشبہ کافر لوگ تمہارے صریح دشمن ہیں۔

اسی طرح روزہ کے بارے میں بھی صراحت اور وضاحت کے ساتھ بتادیا گیا کہ آدمی اگر بیمار ہو یا معذور یا بوڑھا ہو، ناچار ہو تو اس میں بھی فرض ہونے کے باوجود رعایت اور سہولت ممکن ہے۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَیْكُمُ الصِّیَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۙ اَیَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ ؕ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِیْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَیَّامٍ اُخَرَ ؕ وَعَلَى الَّذِیْنَ یُطِیْقُوْنَهٗ فِدْیَةٌ طَعَامُ مِسْكِیْنٍ ؕ فَمَنْ تَطَوَّعَ خَیْرًا فَهُوَ خَیْرٌ لَّهٗ ؕ وَاَنْ تَصُوْمُوْا خَیْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ؀ [۲]

اے ایمان والو تم پر روزہ فرض کیا گیا جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیا گیا تھا۔ اس توقع پر کہ تم متقی بن جاؤ۔ تھوڑے دنوں روزہ رکھ لیا کرو، پھر جو شخص تم میں بیمار ہو یا سفر میں ہو، تو دوسرے ایام کا شمار رکھنا۔ اور جو لوگ روزہ کی طاقت رکھتے ہوں ان کے ذمے فدیہ ہے کہ وہ ایک غریب کا کھانا ہے اور جو شخص خوشی سے خیر کرے تو یہ اس شخص کے لئے اور بھی بہتر ہے اور تمہارا روزہ رکھنا زیادہ بہتر ہے اگر تم خبر رکھتے ہو

پھر اس چیز کو ذرا آگے چل کر اور زیادہ شرح و بسط کے ساتھ بیان فرمادیا:

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًی لِّلنَّاسِ وَبَیِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰی وَالْفُرْقَانِ ج فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْیَصُمْهُ ط وَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَرِیْضًا اَوْ عَلٰی سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَیَّامٍ اُخَرَ ط یُرِیْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْیُسْرَ وَلَا یُرِیْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ ز وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰی مَا هَدٰىكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝

ماہ رمضان ہے جس میں قرآن مجید بھیجا گیا۔ جس کا وصف یہ ہے کہ لوگوں کے لئے ہدایت ہے اور واضح الدلالۃ ہے منجملہ اُن کتب کے جو کہ ہدایت ہیں، اور فیصلہ کرنے والی ہیں، سو جو شخص اس ماہ میں موجود ہو اس کو ضرور اس ماہ میں روزہ رکھنا چاہئے۔ اور جو شخص بیمار ہو یا سفر میں ہو تو دوسرے ایّام کا شمار رکھنا ہے، اللہ تعالیٰ کو تمہارے ساتھ آسانی کرنا منظور ہے اور تمہارے ساتھ دشواری منظور نہیں اور تاکہ تم لوگ شمار کی تکمیل کرلیا کرو اور تاکہ تم لوگ اللہ کی بزرگی بیان کیا کرو اس پر کہ تم کو طریقہ بتادیا۔

غرض اسلام نے عبادات تک میں انسان کی مجبوریوں اور معذوریوں تک کا پورا پورا خیال رکھا ہے اور امکانی حد تک اسے ہر طرح کی سہولت اور رعایت دی ہے۔

ان رعایتوں اور سہولتوں کے بعد بھی اگر کوئی شخص اپنے فرائض ادا نہیں کرتا عبادت سے جی چراتا ہے تو یہ اس کی کم نصیبی کی انتہا ہے اور پھر وہ کسی رعایت اور سہولت کا سزاوار نہیں۔

احادیث چونکہ قرآن کے اجمال کی تفصیل ہیں اس لئے اب ہم ذیل میں احادیث

سے استشہاد کرتے ہوئے بتائیں گے کہ عبادات کے معاملے میں بھی اسلام نے لوگوں کو کتنی سہولتیں مرحمت فرمائی ہیں :

حضرت عبداللہ ابن عمر رضؓ سے روایت ہے کہ جب ہم رسول اللہؐ سے سمع وطاعت کی بیعت کرتے تھے تو آپؐ فرماتے تھے جتنی تم میں استطاعت اور سکت ہو۔

۵۵

جوش میں آکر انسان عبادت شروع کرتا ہے تو نہ دن دیکھتا ہے نہ رات ہر وقت عبادت میں مصروف اور ریاضت میں منہمک ہے، لیکن جب جوش فرو ہوتا ہے تو آدمی محسوس کرتا ہے کہ جتنی عبادت اس نے اپنے معمولات میں داخل کر لی ہے اس پر ہمیشہ عمل نہیں کیا جاسکتا۔ پھر وہ پہلو بچانے لگتا ہے اور رفتہ رفتہ فرائض تک کی بجا آوری ٹال جاتا ہے۔ پہلے یہ حالت تھی کہ نوافل تک میں وہ انتہائی مستعد تھا۔ حالانکہ خدا کے ہاں وہ عبادت پسندیدہ ہے جو اگرچہ کم ہو لیکن دائمی ہو :

حضرت عائشہ رضؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہؐ سے سوال کیا گیا کہ اللہ کو کون سا عمل پسند ہے ؟ فرمایا عملِ دوام، اگرچہ قلیل ہی ہو ۔

۵۶

حقیقت یہ ہے کہ عبادت میں بھی میانہ روی اتنی ہی ضروری ہے جتنی معاملاتِ حیات میں آنحضرت صلعم کا ارشادِ گرامی

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسولِ خدا نے فرمایا:

تم میں سے کسی کے اعمال نجات نہ دیں گے، صحابہ نے عرض کیا، یا رسول اللہؐ اور نہ آپ کے ؟ فرمایا۔ ہاں نہ میرے عمل نجات دیں گے مگر یہ کہ اللہ مجھ پر رحم کرے

اور فرمایا "میانہ روی سے کام کرو اور اللہ سے قربت حاصل کرو اور میانہ روی اختیار رہو، منزلِ مقصود پر پہنچ جاؤ گے "

۵۷

قرآن کی تلاوت غذائے روح ہے ہر مسلمان کو کرنی چاہئے۔ قرآن شریعت اسلامیہ کا سب سے پہلا مصدر ہے۔ اس میں فلاحِ انسانی سے متعلق سب کچھ موجود ہے، نور ہے، ہدایت ہے، آئین ہے، قانون ہے، دستورِ حیات ہے نظمِ دین ہے۔ ضابطۂ اخلاق ہے، مجموعۂ اقدار ہے، اس میں عبرت ہے نصیحت ہے، گزری ہوئی ملتوں کا تذکرہ ہے، انبیائے سلف کا ذکر ہے۔ ظالم، جابر، فاسق اور سفاک قوتوں کے عبرت آموز واقعات ہیں، وہ ایک جہانِ معنیٰ ہے۔ اس میں کیا نہیں ہے، لیکن اگر تلاوت کرتے کرتے طبیعت ہٹ جائے تو پھر فوراً تلاوت بند کر دینی چاہئے۔ عبادت اور آدابِ عبادت کا تقاضا یہی ہے، ایسا کرنا گناہ نہیں، عینِ عبادت ہے، اس لئے کہ عبادت کا تعلق انشراحِ قلب سے ہے، وہ نہیں تو عبادت بھی نہیں۔

حضرت جندب بن عبداللہ رسول اللہؐ سے راوی ہیں کہ آپؐ نے فرمایا:
" قرآن پڑھے جایا کرو جب تک دل چاہتا رہے اور جب دل بردا شتہ ہو جاؤ تو چھوڑ دیا کرو۔"

۵۸

اسی طرح سفر میں اگر کوئی شخص روزہ رکھتا ہے تو یہ عزیمت ہے، نہیں رکھتا تو یہ رخصت ہے، صاحبِ عزیمت، صاحبِ رخصت پر زبانِ طعن دراز نہیں کر سکتا اور صاحبِ رخصت، صاحبِ عزیمت پر اعتراض کا حق نہیں رکھتا۔
حضرت انس بن مالک کہتے ہیں کہ ہم رسول اللہؐ کے ہمراہ سفر کیا کرتے تھے۔

تو روزہ رکھنے والا روزہ نہ رکھنے والے کو برا نہ سمجھتا تھا۔ اور نہ بے روزہ روزہ دار کو بُرا سمجھتا تھا۔

۹ے

منّت اور نذر کا ادا کرنا از روئے دین و شریعت ضروری اور لابدی ہے۔ لیکن اس منت اور نذر کا پورا کرنا جو انسانی طاقت سے باہر نہ ہو جس پر عمل کرنا، جسے پورا کرنا، ممکن اور آسان ہو، لیکن اگر صورت برعکس ہو تو اسلام کا فیصلہ یہ ہے کہ ایسی منّت اور نذر میں ترمیم بھی کی جا سکتی ہے یا ضرورت ہو تو اسے چھوڑا جا سکتا ہے اس لئے کہ خدا انسان کا دل دیکھتا ہے، اس کی مجبوریاں سمجھتا ہے مُنہ سے نکلے ہوئے الفاظ کی بنا پر، وہ انسان کو اتنا جکڑ نہیں سکتا۔ کہ وہ بے بس ہو جائے۔

عقبہ بن عامر سے مروی ہے کہ میری بہن نے یہ منّت مانی کہ پیدل بیت اللہ کا سفر کرے گی۔ اس نے رسول اللہ ؐ سے اس بارے میں دریافت کرنے کے لئے مجھ سے کہا۔ میں نے دریافت کیا تو آپ ؐ نے فرمایا کہ اُسے پیدل بھی چلنا چاہیئے اور سواری پر بھی۔

۱۰ے

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جو بات سب سے زیادہ مرغوب تھی وہ عمل دائم تھا حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ آنحضرت ؐ کو سب سے زیادہ پسندیدہ وہ عمل تھا جو دائمی ہو۔

۱۱ے

نماز میں قصر کی جو سہولت اللہ تعالیٰ نے مرحمت فرمائی ہے اس سے آپ بھی فائدہ اٹھاتے تھے۔ یہ شکر نعمت بھی تھا اور اسوۂ حسنہ بھی۔ شکر نعمت اپنے لئے، اسوۂ حسنہ امت کے لئے۔

حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ رسول اللہ ؐ حالتِ سفر میں نماز ظہر و عصر کو اور مغرب و عشا کو ملا کر پڑھ لیا کرتے تھے۔

۱۲ھ

جب اللہ تعالیٰ نے فرض نماز میں بقدر نصف کے تخفیف کر دی تو پھر نفل اور سنت پڑھنے کا سفر میں سوال ہی نہیں پیدا ہوتا:

حضرت ابن عمر فرماتے ہیں۔ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ بہت رہا ہوں۔ مگر میں نے آپ کو کبھی سفر میں نماز نوافل پڑھتے نہیں دیکھا۔ اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ رسول اللہ ؐ کا عمل تمھارے لئے اسوہ حسنہ ہے۔

۱۳ھ

اور یہ قصر کی سفر میں جو اجازت ہے اس میں کسی مدت کی تحدید نہیں۔ جب تک سفر اقامت سے نہ بدل جائے قصر جائز ہے، خواہ کتنی ہی مدت کیوں نہ اس طرح گزر جائے۔

حضرت عبداللہ ابن عباس سے مروی ہے کہ رسول اللہ ؐ نے ایک مرتبہ (سفر میں) انیس دن قیام فرمایا۔ اور برابر قصر کرتے رہے

۱۴ھ

انسانی ضروریات کا اسلام نے یہاں تک لحاظ رکھا ہے کہ اس ضرورت کو نماز تک پر مقدم رکھا ہے:

حضرت انس سے مروی ہے کہ رسول اللہ ؐ نے فرمایا "جب کھانا سامنے رکھ دیا جائے تو مغرب کی نماز پڑھنے سے پہلے کھالو اور کھانے میں عجلت نہ کرو۔"

۱۵ھ

نماز با جماعت کی اہمیت شرع میں بہت زیادہ ہے۔ مرض الموت تک

میں آپ ؐ نے حتی الامکان اسے ترک نہیں فرمایا۔ لیکن افرادِ انسانی کی مجبوریوں کو بھی ہمیشہ نگاہ میں رکھا۔

حضرت ابن عمر سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سردی یا مینہ کی شب میں بحالتِ سفر مؤذن کو حکم دیتے کہ اذان دے دے اور اس کے بعد پکار دے کہ لوگ اپنی اپنی فرودگاہ میں نماز پڑھ لیں۔

۱۶ء

رمضان کے مہینے میں عام طور پر لوگوں کا معمول یہ ہے کہ افطار میں تاخیر کرتے اور سحر میں تعجیل کرتے ہیں۔ حالانکہ افطار میں تعجیل اور سحر میں تاخیر روا ہے :

عبداللہ بن مسعود رسول اللہ ؐ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا :
"تم میں سے کسی کو بلال رضؓ کی اذان اس کی سحری سے باز نہ رکھے اس لئے کہ وہ رات کو اذان کہہ دیتے ہیں تاکہ تہجد پڑھنے والا فراغت کرلے اور سونے والے کو بیدار کر دے اور یہ نہیں ہے کہ کوئی شخص کہے صبح ہو گئی"

۱۷ء

بے شک نماز اپنے وقت پر پڑھنی چاہیئے۔ لیکن اگر کسی وجہ سے کچھ دیر ہو جائے تو بھی نماز مکمل ہو جاتی ہے۔

"ابوہریرہ کہتے ہیں کہ رسول خدا ؐ نے فرمایا جب تم میں سے کوئی شخص نماز عصر کا ایک سجدہ آفتاب کے غروب ہونے سے پہلے پالے تو اسے چاہیئے کہ اپنی نماز پوری کرلے"

۱۸ء

نماز کے پانچ اوقات مقرر ہیں اور وہ انہی اوقات میں پڑھنی چاہیئے لیکن سفر میں ظہر اور عصر، مغرب اور عشا ملا کر بھی پڑھی جا سکتی ہیں :

حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں سات دفعہ مغرب اور عشا اور آٹھ دفعہ ظہر و عصر کو ملا کر پڑھا ہے۔

۵۱۹

معذوروں کا آپؐ کس درجہ لحاظ فرماتے تھے، وہ اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے۔

محمود بن ربیع انصاری سے روایت ہے کہ عتبان بن مالک جو بدری تھے رسول اللہؐ کے پاس آئے اور عرض گزار ہوئے۔ یا رسول اللہؐ! میری بینائی خراب ہوگئی ہے، میں اپنی قوم کو نماز پڑھاتا ہوں، جس وقت مینہ برستا ہے تو وادی جو میرے اور ان کے درمیان ہے بہنے لگتی ہے۔ جس سے میں مسجد میں جا نہیں سکتا ہوں یا رسول اللہؐ میں چاہتا ہوں کہ آپ میرے یہاں تشریف لائیں اور میرے گھر میں نماز پڑھیں تاکہ میں اس مقام کو مصلےٰ بنالوں۔ راوی حدیث کہتے ہیں کہ رسول اللہؐ نے فرمایا: میں عنقریب انشاء اللہ ایسا کروں گا

عتبان کہتے ہیں کہ جب دوسرے روز دن چڑھ گیا تو رسول اللہؐ اور ابوبکر میرے ہاں تشریف لائے۔ رسول اللہؐ نے اندر آنے کی اجازت طلب کی، میں نے آپؐ کو اجازت دی۔ جس وقت آپ گھر میں داخل ہوئے تو بیٹھے بھی نہیں تھے کہ فرمایا: تم اپنے گھر میں کہاں چاہتے ہو کہ نماز پڑھوں۔ عتبان کہتے ہیں کہ میں نے ایک مقام کی طرف اشارہ کیا تو رسول اللہؐ وہاں کھڑے ہو گئے۔ اور تکبیر کہی اور ہم نے آپؐ کے پیچھے صف باندھی پس آپؐ نے نماز پڑھی۔ اس کے بعد سلام پھیر دیا۔

۵۲۱

نماز پڑھنے کے دوران میں اگر غلطی ہو جائے تو اس کی تصحیح سجدہ سہو سے ہو سکتی ہے اور یہ غلطی آپؐ سے بھی ہو جاتی تھی، آپؐ بھی سجدہ سہو کر لیتے تھے۔

اور غلطی کا اعتراف بھی :

عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ نبی صلعم نے نماز پڑھی ۔ ابراہیم راوی حدیث علقمہ سے اور وہ ابن مسعود سے روایت کرتے ہیں کہ مجھے یاد نہیں رہا کہ آپؐ نے نماز میں کچھ کم کر دیا تھا یا زیادہ ۔ جب آپؐ سلام پھیر چکے تو کہا گیا ۔ یا رسول اللہ کیا نماز میں کوئی نئی بات ہو گئی ؟ آپ نے فرمایا : وہ کیا ؟ لوگوں نے عرض کیا آپؐ نے اس قدر نماز پڑھی ہے ۔ اس پر آپؐ نے اپنے دونوں پاؤں سمیٹ لئے اور قبلہ رو ہو کر دو سجدے کئے ، بعد اس کے سلام پھیرا ، اور ہماری طرف منہ کر کے فرمایا : اگر نماز میں کوئی نیا حکم ہو جاتا تو میں تمھیں مطلع کر دیتا ۔ لیکن میں تمہاری طرح ایک بشر ہوں جس طرح تم بھولتے ہو میں بھی بھول جاتا ہوں لہٰذا جب میں بھول جاؤں تو مجھے یاد دلا دو ۔ اور جب تم میں کوئی اپنی نماز میں شک کرے تو اسے چاہئے کہ اپنے گمان غالب پر عمل کرے ۔ اور اسی پر نماز تمام کرے پھر سلام پھیر کر دو سجدے کر لے ۔

۵۲۲

اس صفائی کے ساتھ اپنے بشر ہونے کا اعتراف ، اپنے بھول جانے کا اعتراف کیا نبی صادق م کے سوا کسی اور سے بھی ممکن ہے ؟

سفر کے دوران میں نوافل وغیرہ کی حد تک یہ سہولت تک حاصل ہے کہ آدمی سواری (اونٹ ، گھوڑا ، خچر وغیرہ) پر بھی نماز پڑھ سکتا ہے ، خود آپؐ نے ایسا کیا ہے :

جابر بن عبد اللہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی سواری پر جس طرف وہ آپ م کو لے کر چلتی اسی طرف نماز پڑھتے ، اور جب فرض پڑھنے کا ارادہ کرتے تو اتر کر نماز پڑھتے اور قبلہ کی طرف منہ کر لیتے ۔ ۵۲۳

جوتے اگر پاک اور صاف ہوں، نجاست سے آلودہ نہ ہوں تو جوتے پہنے پہنے بھی نماز پڑھی جا سکتی ہے۔

حضرت انس سے پوچھا گیا، کیا نبی صلعم جوتیوں سمیت نماز پڑھ لیا کرتے تھے؟ انھوں نے کہا، ہاں۔

۲۴

اگر کوئی شخص ہر نماز کے ساتھ تازہ وضو کر لیتا ہے تو یہ اچھا ہے، لیکن اگر ایک ہی وضو سے کئی وقت کی نمازیں پڑھ لیتا ہے تو شرعاً کوئی قباحت نہیں ایسا کر سکتا ہے۔

سوید بن نعمان سے مروی ہے کہ فتح خیبر کے سال وہ بھی رسول اللہؐ کے ہمراہ گئے۔ جب خیبر کے قریب مقام صہبا میں پہنچے تو آپؐ نے عصر کی نماز پڑھی، پھر زادِ راہ طلب فرمایا تو صرف ستو لائے گئے۔ آپؐ نے انھیں گھولنے کا حکم دیا۔ چنانچہ رسول اللہؐ اور ہم سب نے کھایا۔ آپؐ مغرب کی نماز پڑھنے کھڑے ہو گئے۔ آپؐ نے صرف کلی فرمائی۔ اور ہم نے بھی کلی ہی کی، نیا وضو نہیں کیا۔

۲۵

وضو کرتے ہوئے اگر کوئی شخص ٹوپی یا عمامہ یا موزے اتار لے اور پاؤں وغیرہ اچھی طرح دھولے تو ٹھیک ہے، لیکن اگر پاؤں صاف ہوں اور آدمی موزوں پر مسح کرنا چاہے تو یہ بھی ہو سکتا ہے۔

عمر بن امیہ ضمری روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہؐ کو عمامہ پر اور دونوں موزوں پر مسح کرتے دیکھا ہے۔

۲۶

اسی مضمون کی ایک اور حدیث :

مغیرہ بن شعبہ روایت کرتے ہیں کہ میں ایک سفر میں رسول اللہؐ کے ہمراہ تھا، آپ رفع حاجت کے لئے تشریف لے گئے (جب واپس آئے) تو میں آپؐ کو وضو کرنے کے لئے پانی ڈالنے لگا۔ آپ وضو کرنے لگے آپؐ نے اپنے منہ اور ہاتھوں کو دھویا۔ اور سر کا مسح کیا اور موزوں پر مسح کیا (یعنی پاؤں نہیں دھوئے)

۲۷ھ

مسلمان آنحضرتؐ کے پند ونصیحت اور وعظ کو سرمایۂ سعادت سمجھتے تھے اور جو کچھ آپ فرماتے تھے گوشِ ہوش سے سنتے تھے۔ لیکن آپؐ فطرتِ انسانی کے رمز شناس تھے اس لئے ہمیشہ اس کا لحاظ رکھتے تھے کہ دوسرے اُکتا نہ جائیں :

ابن مسعود سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے ہمارے پریشان ہو جانے کے خیال سے وعظ ونصیحت کے لئے چند دن مقرر کر دیئے تھے۔

۲۸ھ

آں حضرتؐ کی نظر میں کثرتِ عبادت کی اتنی قیمت نہیں تھی، جتنی کم، لیکن مستقل عبادت کی تھی:۔

حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک دفعہ گھر میں تھے، اور اس وقت کوئی عورت بیٹھی ہوئی تھی۔ آپؐ نے پوچھا یہ کون ہیں؟ عائشہؓ نے جواب دیا یہ فلاں عورت ہے اور اس کی کثرتِ نماز کا حال بیان کرنے لگیں۔ آپؐ نے فرمایا ٹھہرو، اپنے ذمے بس اتنی عبادت رکھو جتنی سکت ہو، اس لئے کہ اللہ ثواب دینے سے نہیں تھکے گا، البتہ تم عبادت کرنے سے تھک

جاؤ گے، اور اللہ کے نزدیک محبوب تر کام وہ ہے جس پر آدمی مداومت کر سکے۔

۲۹ھ

آپؐ ہمیشہ اس بات کی نصیحت فرمایا کرتے تھے کہ دین کے امور انجام دینے میں سہولت اور نرمی اختیار کی جائے۔ تاکہ پابندی سے اس پر عمل ہو سکے سختی نہ اختیار کی جائے کہ پھر اس کا نباہنا دشوار ہو جائے۔

ابوہریرہ رسول اللہ صلعم سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا دین بہت آسان ہے اور احکام اسلام ہرگز سخت نہیں ہیں۔ اور جو کوئی دین میں نرمی کو ترک کرتا ہے تو دین اس پر غالب آجاتا ہے اس لئے تم لوگ میانہ روی اختیار کرو اور قریب بہ اعتدال رہو۔ اور صبح اور دوپہر کے بعد اور کچھ رات رہے عبادت کرو۔

۳۰ھ

یہی مفہوم ایک اور حدیث سے واضح تر ہو جاتا ہے:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ رسول اللہ جب لوگوں کو اعمال کا حکم دیتے تھے تو ایسے اعمال کا حکم دیتے جنھیں وہ ہمیشہ (پابندی سے) کر سکیں۔ چنانچہ ایک مرتبہ بعض صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہؐ ہم تو آپ کی طرح نہیں ہیں اللہ نے آپ کے تو اگلے پچھلے گناہ معاف کر دئے ہیں۔ اس پر آپ غضبناک ہو گئے حتیٰ کہ آپ کے چہرۂ مبارک پر غصے کا اثر ظاہر ہونے لگا۔ پھر آپ نے ارشاد فرمایا۔ تم سب سے زیادہ پرہیزگار اور تم سب سے زیادہ اللہ کا جاننے والا میں ہوں۔

۳۱ھ

ایسا بھی ہوتا ہے کہ آدمی عبادت میں مصروف ہے، نماز پڑھ رہا ہے۔ لیکن اونگھ گیا، نیند آگئی، اب آنکھوں پر پانی کے چھینٹے مارتا ہے اور پھر عبادت میں مصروف ہو جاتا ہے، حالانکہ چاہئے کہ سو رہے۔

حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا جب کوئی شخص نماز پڑھ رہا ہو اور اونگھ جائے تو چاہئے کہ لیٹ رہے یہاں تک کہ نیند جاتی رہے کیونکہ جب تم میں سے کوئی نیند کی حالت میں نماز پڑھے گا تو وہ نہیں جانتا کہ استغفار کرتا ہے یا اپنے آپ کو بد دعا دے رہا ہے۔

۳۲

نماز حضور قلب اور انشراح طبع اور نشاط خاطر کے ساتھ پڑھنی چاہئے۔ یہی عبادت کی روح ہے۔

حضرت انس کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ مسجد میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ ایک رسی دو ستونوں کے درمیان لٹک رہی ہے۔ آپ نے فرمایا یہ رسی کیسی ہے؟ لوگوں نے عرض کیا یہ رسی زینب کی ہے وہ تھک جاتی ہے تو اسی میں لٹک جاتی ہے۔ آپ نے فرمایا یہ ہرگز نہ چاہئے اسے کھول دو، نماز اسی وقت تک پڑھے جب تک نشاط خاطر قائم رہے۔ کوئی جب کھڑا کھڑا تھک جائے تو تو بیٹھ جانا چاہئے۔

۳۳

اور امام کے لئے تو خاص طور پر یہ لازم اور ضروری ہے کہ وہ مقتدیوں کی سہولت کا خیال رکھے اور نماز میں زیادہ طول نہ دے۔

جابر بن عبداللہ سے روایت ہے کہ معاذ بن جبل نبی صلعم کے ہمراہ نماز پڑھتے اس کے بعد گھر لوٹ کر جاتے تو اپنی قوم کی امامت کرتے۔ ایک مرتبہ انھوں نے

نماز پڑھاتے ہوئے سورہ بقر پڑھی تو ایک شخص چل دیا، اس پر معاذ کو صدمہ ہوا۔ یہ خبر نبی صلعم کو پہنچی تو آپ نے معاذ سے تین مرتبہ فرمایا: "فتّان، فتّان، فتّان" یا یہ فرمایا "فاتن، فاتن، فاتن (فتنہ گر)" اور آپ نے اس کو وسط مفصل کی دو سورتوں کو پڑھنے کا حکم دیا۔

۳۴

فتّان یعنی فتنہ گر کے الفاظ سے جو آپ نے تین مرتبہ ایک جلیل القدر صحابی کے بارے میں ارشاد فرمائے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ امت کی سہولت اور رعایت آپؐ کس درجہ ملحوظ خاطر رکھتے تھے۔

ایک مرتبہ ایسے ہی موقع پر آپؐ برہم ہوگئے۔

ابو مسعود انصاری سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا۔ یا رسول اللہ! مجھے ڈر ہے کہ نماز جماعت سے محروم رہ جایا کروں گا کیونکہ فلاں شخص طول طویل نماز پڑھایا کرتا ہے۔ ابو مسعود کہتے ہیں کہ میں نے نصیحت کرنے میں اس دن سے زیادہ کبھی نبی صلعم کو غصے میں نہیں دیکھا آپ نے فرمایا "اے لوگو تم دین سے دوسروں کو بیزار کرتے ہو، جو کوئی لوگوں کو نماز پڑھائے اسے چاہیے کہ ہر رکن کے ادا کرنے میں تخفیف کرے۔ کیونکہ مقتدیوں میں مریض بھی ہیں اور کمزور بھی۔ اور ضرورت والے بھی۔

۳۵

آپ ہمیشہ لوگوں کو یہی ہدایت فرمایا کرتے تھے کہ وہ دین کو لوگوں کے سامنے بھیانک طور پر نہ پیش کریں۔

انس سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا:

دین میں آسانی کرو اور سختی نہ کرو، لوگوں کو خوش خبری سناؤ اور ڈرا

ڈرا کر بیزار نہ کر دو

۳۶

اور خود آپؐ کا جہاں تک تعلق تھا آپؐ ہمیشہ اس پر عمل فرماتے تھے۔

عبداللہ بن عمرو بن عاص سے مروی ہے کہ رسول اللہؐ حجۃ الوداع میں منیٰ میں ٹھہر گئے کہ لوگ آپ سے مسائل پوچھ لیں۔ اتنے میں ایک شخص آیا اور کہنے لگا: غلطی ہو گئی قربانی کرنے سے پہلے میں نے سر منڈوا لیا ہے۔ آپؐ نے فرمایا کوئی حرج نہیں اب سہی۔ پھر ایک اور شخص آیا اور عرض گزار ہوا: میں نے بھولے سے رمی کرنے سے پہلے قربانی کر لی ہے۔ آپؐ نے فرمایا تو کیا ہوا اب رمی کر لے۔

عبداللہ بن عمر کا بیان ہے کہ اس روز آپ سے جس چیز کی بابت پوچھا گیا خواہ مقدم کر دی گئی ہو یا مؤخر آپ نے یہی فرمایا: اب بھی کچھ حرج نہیں۔

۳۷

بلکہ آپؐ نے تو ایسا بھی کیا ہے کہ لوگوں کو کبھی کبھی مسجد میں کھیل کود سے منع نہیں فرمایا:

حضرت عائشہ کہتی ہیں۔ میں نے ایک دن رسول اللہؐ کو اپنے حجرے کے دروازے پر دیکھا حبش کے لوگ مسجد میں کھیل رہے تھے۔ میں ان کے کھیل کو دیکھ رہی تھی۔ ایک روایت ہے کہ وہ اپنے تنکوں سے کھیل رہے تھے۔

۳۸

عبادت مذہب کا اہم ترین حصہ ہے جس کے بغیر مذہب بے معنیٰ ہے۔ جس کی بجا آوری مذہبیت کی دلیل ہے۔ لیکن اسلام نے اسے بھی اعتدال و اقتصاد کے دائرہ سے باہر نہیں نکلنے دیا ہے۔ اس سے بڑھ کر "الدین یسر" کا ثبوت کیا ہو سکتا ہے۔

ماخذ

۱: سورۂ نساء آیت ۱۳۴
۲: " " " ۱۰۱
۳: " بقرہ " ۱۸۴
۴: " " " ۱۸۵
۵: صحیح بخاری کتاب الرقاق
۶: " " کتاب الاستئذان
۷: " " " "
۸: " " فضائل القرآن
۹: " " الصوم
۱۰: " " باب جزاء الصید ونحوہا
۱۱: " " باب تہجد باللیل
۱۲: " " باب تقصیر الصلوٰۃ
۱۳: " " " "
۱۴: " " " "
۱۵: " " باب بدء الاذان
۱۶: " " " "
۱۷: " " " "
۱۸: " " کتاب الصلوٰۃ
۱۹: " " " "
۲۰: صحیح بخاری کتاب الصلوٰۃ
۲۱: " " " "
۲۲: " " " "
۲۳: " " " "
۲۴: " " " "
۲۵: " " کتاب الوضو
۲۶: " " " "
۲۷: " " " "
۲۸: " " کتاب العلم
۲۹: " " کتاب الایمان
۳۰: " " " "
۳۱: " " " "
۳۲: " " کتاب الوضو
۳۳: " " کتاب التہجد باللیل
۳۴: " " " بدء الاذان
۳۵: " " کتاب العلم
۳۶: " " " "
۳۷: " " " "
۳۸: " " کتاب الصلوٰۃ

(۶)

عدل و احسان

خود اپنی ذات کے ساتھ

وہ شخص سوسائٹی کا ایک اچھا فرد کس طرح بن سکتا ہے جو خود اچھا نہ ہو؟ اگر کوئی شخص اپنے ساتھ انصاف نہیں کر سکتا تو دوسروں کے ساتھ بھی عدل و قسط اور اعتدال و اقتصاد کا رویہ نہیں برت سکتا۔ خیرات گھر سے شروع ہوتی ہے سوسائٹی کے مفاسد کی اصلاح وہی کر سکتا ہے جو اپنی اصلاح کا فریضہ انجام دے چکا ہو۔ دوسروں کو بھلائی اور نیکی کے راستے پر گامزن ہونے کی دعوت وہی دے سکتا ہے جو خود بھی راہِ صواب کا رہرو ہو۔ دوسرے الفاظ میں یوں سمجھنا چاہیے کہ انسان جب تک خود اپنی ذات کے ساتھ عدل و احسان کا برتاؤ نہیں کرتا کسی اور کے ساتھ بھی نہ پورے طور پر عدل کر سکتا ہے نہ صحیح طور پر احسان!

چنانچہ اسلام نے بار بار اس چیز پر زور دیا کہ ایک مسلمان کو کبھی اور کسی حالت میں جادۂ اعتدال سے منحرف نہ ہونا چاہیے۔ جتنا زیادہ اپنے ساتھ وہ عدل و احسان کرے گا، اتنا ہی زیادہ دوسروں کے ساتھ بھی عدل و احسان کرنے کا سزاوار ہوگا۔

اللہ کے نزدیک اس سے زیادہ ناپسندیدہ بات کوئی نہیں ہو سکتی کہ انسان کرے کچھ اور کہے کچھ۔ کیونکہ قول و عمل کی عدم مطابقت انسان کو سبک کر دیتی ہے۔ پھر وہ نہ اپنے کام کا رہتا ہے نہ دوسرے کے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا:

كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ○ ؎۱

اللہ کے نزدیک بڑی بیزاری ہے کہ تم وہ بات کہو جو کرتے نہیں۔

پھر اسی مفہوم کو زیادہ زوردار پیرایہ میں ایک اور موقع پر بیان فرمایا:

اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَاَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ○ ؎۲

کیا تم لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے ہو اور اپنی جانوں کو بھلا دیتے ہو، حالانکہ تم کتاب پڑھتے ہو، کیا تم سمجھتے نہیں۔

وہ لوگ جو اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں جن کا شمار ایمان والوں میں ہوتا ہے انھیں یہ بات ہرگز زیب نہیں دیتی کہ کہیں کچھ اور کریں کچھ:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ○ ؎۳

مسلمانو! تم وہ بات کیوں کہتے ہو جو تم کرتے نہیں۔

وہ لوگ جو دکھاوے کے لیے نماز پڑھتے ہیں، یا نیکی اور بھلائی کا کام کرتے ہیں، نہ ان کی نماز مقبول ہے نہ کوئی دوسرا عمل، اللہ تعالیٰ نے صاف الفاظ میں ایسے لوگوں کے بارے میں فرمایا ہے:

فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ ○ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ ○ الَّذِيْنَ هُمْ يُرَآءُوْنَ ○ ؎۴

سو ان نمازیوں پر حیف ہے، جو اپنی نماز سے بے خبر ہیں وہ جو لوگوں کو دکھاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ اُن لوگوں کو بھی ناپسند کرتا ہے جو لوگوں کی واہ واہ حاصل کرنے

کے لئے اپنا مال خرچ کرتے ہیں، دکھاوے کے لئے سیم و زر کی تھیلیاں کھول دیتے ہیں اور خراجِ تحسین حاصل کر کے خوش ہوتے ہیں کہ انھوں نے بہت بڑا کارنامہ انجام دیا ہے۔ لیکن ان کے اس عمل میں خلوص نہیں ہوتا، ان کا یہ اقدام جذبۂ ایمانی کا تابع نہیں ہوتا۔ وہ اس لئے جود و سخا کا مظاہرہ نہیں کرتے کہ یہ چیز اللہ کو پسند ہے اور آخرت میں اس کا اجر ملے گا۔ ان کے اس عمل کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ لوگ ان کی دریا دلی اور فیاضی کے گُن گائیں۔ ایسے ہی لوگوں کے بارے میں قرآن کہتا ہے:

وَالَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ رِئَآءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَنْ يَّكُنِ الشَّيْطٰنُ لَهٗ قَرِيْنًا فَسَآءَ قَرِيْنًا ۝

اور وہ جو اپنے اموال لوگوں کو دکھانے کے لئے خرچ کرتے ہیں اور وہ اللہ پر ایمان نہیں رکھتے۔ اور نہ آخرت کے دن پر۔ اور جس کا ساتھی شیطان ہوا، اس کا بُرا ساتھی ہوا۔

۵

ایسے لوگوں کی بھی کمی نہیں جو صدقہ کرتے ہیں، خیرات کرتے ہیں، محتاجوں اور ضرورت مندوں کی حاجت روائی کرتے ہیں، لیکن جن کی مدد کرتے ہیں ان پر طنز و تعریض کے تیر بھی پھینکتے ہیں۔ احسان جتا کر ان کا دل بھی دُکھاتے ہیں۔ ایک طرف اُن کے کام آتے ہیں دوسری طرف اپنے طرزِ عمل سے اُن کے ٹوٹے ہوئے دل کو اور زیادہ توڑ دیتے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں صدقہ دے کر، خیرات کر کے، کسی کی حاجت روائی اور مشکل کشائی کرنے کے بعد انھیں حق ہے کہ وہ اسے اپنا غلام بنا لیں۔ اب اسے حق نہیں کہ اس کے سامنے لب کشائی کر سکیں، اس کی کسی بات سے اختلاف کر سکیں آزادیٔ فکر و عمل کا مظاہرہ کر سکیں۔ جو لوگ ایسے ذہنی تحفظات کے ساتھ صدقہ دیتے اور خیرات کرتے ہیں وہ اپنا روپیہ ضائع کرتے ہیں، اس لئے کہ اُن کا یہ عمل رائگاں جائے گا۔ انفاق کرنے والوں کے لئے اللہ تعالیٰ نے جو اجر رکھا ہے جو بشارتیں

دی ہیں، جن انعامات کا وعدہ کیا ہے اُن سے یہ محروم رہ جائیں گے ۔ خدا کی جناب میں وہی عمل پسندیدہ قرار پاتا ہے جو خدا کے لئے ہو ۔ نمود و نمائش سے خالی ہو ۔

يَاأَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقَاتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْأَذَىٰ كَالَّذِيْ يُنْفِقُ مَالَهٗ رِئَاءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ۖ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَيْهِ تُرَابٌ فَأَصَابَهٗ وَابِلٌ فَتَرَكَهٗ صَلْدًا ۖ لَا يَقْدِرُوْنَ عَلَىٰ شَيْءٍ مِّمَّا كَسَبُوْا ۗ

مومنو! احسان جتا کر اور ایذا دے کر اپنی خیرات کو رائیگاں نہ کرو، جیسے وہ اپنے مال لوگوں کے دکھلانے کو خرچ کرتا ہے اور خدا پر اور آخری دن پر ایمان نہیں رکھتا سو اس کی مثال ایک پتھر کی مانند ہے جس پر کچھ مٹی پڑی ہو، پھر اس پر موسلا دھار پانی برسے پانی برسے اور وہ اس کو صاف کر دے (یہ اہل ریا) اپنی کمائی پر کچھ اختیار نہیں رکھتے ۔ ۵۶

انسان کو خدا نے اس زمین پر اپنا خلیفہ بنا کر بھیجا ہے ۔ لہٰذا وہ گراں بار ذمہ داریوں کا حامل ہے ۔ انسان اس وقت تک نیکی کے درجے پر نہیں پہنچ سکتا جب تک اللہ کی راہ میں بے جھجک اپنی محبوب چیز خرچ کرنے پر تیار نہ ہو جائے ۔ اور انسان کو سب سے زیادہ محبوب و مرغوب اور مطلوب و مقصود جو چیز ہے وہ دولت ہے، پس ضروری ہے کہ اپنی یہ متاعِ عزیز بے دھڑک خدا کے راستے میں صرف کرنے پر انسان تیار ہو جائے، خدا خود کہتا ہے :

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ۗ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَيْءٍ فَإِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ۝

تم نیکی کو ہرگز نہیں پہنچو گے جب تک اس میں سے خرچ نہ کرو جس سے تم محبت رکھتے ہو اور جو شے تم (راہِ خدا میں) خرچ کروگے اللہ اس کو جانتا ہے ۔ ۵۷

ابن عباس کہتے ہیں کہ "بر" سے مراد جنت ہے، ایک قول کے مطابق تقویٰ مراد

ہے، ایک اور قول سے طاعت ثابت ہے، ایک قول سے ثواب مراد ہے۔
مطلب یہ کہ اللہ تعالیٰ کی جنت اور ثواب کے تم اس وقت تک مستحق نہ ہو گے
جب تک اپنی متاعِ محبوب خدا کی راہ میں خرچ نہ کرو۔

"بر" کی اصل فعل خیر میں توسیع ہے۔ کہتے ہیں برالعبد ربہ یعنی غلام نے
اپنے آقا کی خوب طاعت کی۔

چنانچہ اللہ کی طرف سے "بر" کے معنی ثواب کے ہیں۔ اور بندے کی طرف سے
طاعت کے یہ لفظ صدق اور حسنِ خلق کے معنیٰ میں بھی استعمال ہوتا ہے۔

عبداللہ بن مسعود کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ صدق
"بر" کی طرف رہنمائی کرتا ہے اور بر جنت کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ اور فجور جہنم کی طرف
اور کذب فجور کی طرف رہنمائی کرتا ہے

بندہ جب سچ بولتا ہے تو خدا کے ہاں اس کا نام صدیقوں میں لکھ دیا جاتا ہے
جب جھوٹ بولتا ہے جھوٹوں کے رجسٹر میں درج کر لیا جاتا ہے۔

نواس بن سمعان کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بر کے
معنی پوچھے۔ آپؐ نے فرمایا۔ بر نام ہے حسن خلق کا اور اثم وہ ہے جو تیرے دل
میں کھٹک پیدا کرے۔ اور تو اسے برا سمجھے کہ لوگ تیرے بارے میں اس سے
واقف ہوں۔

راہِ خدا میں متاعِ عزیز خرچ کرنے سے مراد یہ ہے کہ جو مال تمھارے اموال
میں سب سے اچھا ہو اور خود تمھیں زیادہ مرغوب ہو۔

ایک قول یہ ہے کہ خدا کی راہ میں وہ مال خرچ کرو جس کے تم خود زیادہ محتاج
ہو۔

اور یہ جو فرمایا ہے کہ جو مال تم راہِ خدا میں خرچ کرو گے اللہ اس کو خوب جانتا

ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جو چیز تم نے خدا کی راہ میں دی ہے یا تو وہ طیب تھی اور اُسے تم بہت عزیز رکھتے تھے یا وہ خبیث تھی اور تم اسے ناپسند کرتے تھے۔ پس اس میں سے جو چیز (طیب یا خبیث۔ مرغوب یا مکروہ) بھی تم دو گے خدا ویسا ہی تمہیں اجر دے گا۔ ـه

لیکن جو لوگ اللہ کی راہ میں مال خرچ کرتے ہچکچاتے ہیں وہ درحقیقت اپنا نقصان کرتے ہیں۔ راہِ خدا میں خرچ کرنے کا جو اجر و ثواب ہے اس سے اپنے آپ کو محروم کر دیتے ہیں، تھوڑے پیسے بچا کر بہت بڑی دولت سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں نفع عاجل پر جو بہت کم ہے نفع آجل کو جو بہت زیادہ ہے قربان کر دیتے ہیں، اور اس طرح ٹوٹے میں رہتے ہیں۔ ایسے ہی لوگوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

هَا اَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ تُدْعَوْنَ لِتُنْفِقُوْا	خبردار رہو! تم وہ لوگ ہو کہ بلائے جاتے
فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ فَمِنْكُمْ مَّنْ یَّبْخَلُ	ہو کہ اللہ کی راہ میں خرچ کرو سو کوئی تم میں
وَمَنْ یَّبْخَلْ فَاِنَّمَا یَبْخَلُ عَنْ نَّفْسِهٖ ؕ	سے وہ ہے جو بخل کرتا ہے اور جو بخل کرتا
۹	ہے وہ اپنی ہی جان سے بخل کرتا ہے۔

اور جب وہ وقت آئے گا کہ انسان کے ہاتھ میں نامۂ اعمال ہوگا، جب نہ دوست کام آئیں گے نہ عزیز، نہ دوست نہ ثروت، اس وقت معلوم ہوگا کہ ایک ایک پائی کر کے محتاجوں اور ضرورت مندوں کو ٹھکرا کے راہِ خدا میں خرچ کرنے سے گریز کر کے، دوسروں کے حقوق پہ چھاپہ مار کے اور خود تکلیف و اذیت جھیل کر جو دولتِ فراواں جمع کی تھی وہ بہرحال کام نہ آئی۔ اب وہ ہے اور عذابِ جہنم، جس سے مفر کی کوئی صورت نہیں، دولت آج بیکار ہے:

وَمَا یُغْنِیْ عَنْهُ مَالُهٗۤ اِذَا تَرَدّٰىؕ	اور اس کا مال کچھ کام نہ آئے گا جب وہ

(دوزخ میں) اوندھا پڑے گا۔ [10]

بیشک اللہ تعالیٰ بخل سے منع کرتا ہے، انفاق کی ترغیب دیتا ہے لیکن اسراف اور تبذیر کی اجازت بھی نہیں دیتا، بلکہ نہایت تُند الفاظ میں اس فعل نامرغوب کا ارتکاب کرنے والوں کو زجر و توبیخ کرتا ہے۔ فرماتا ہے:

إِنَّ الْمُبَذِّرِينَ كَانُوا إِخْوَانَ الشَّيَاطِينِ وَكَانَ الشَّيْطَانُ لِرَبِّهِ كَفُورًا ۝

بے شک فضول خرچ شیطانوں کے بھائی ہیں اور شیطان اپنے رب کا ناشکر ہے۔ [11]

تبذیر سے مراد غیر ضروری امور میں اندھا دھند خرچ کرنا اور بصورت اسراف صرف کرنا ہے۔ عہدِ جاہلیت میں فخر و نازش کے طور پر فضول خرچی کی جاتی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اُسے ناجائز قرار دیا۔ اور صرف وہ جائز قرار دیا جو مفید اور نافع ہو۔

مجاہد کہتے ہیں:

اگر ایک پیسہ بھی راہِ باطل میں خرچ کیا جاتا ہے تو یہ تبذیر ہے، بلکہ نیک کام میں بھی فضول خرچی معیوب ہے۔ عبد اللہ بن عمر سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سعد کے پاس سے گزرے، وہ وضو کر رہے تھے۔ آپؐ نے فرمایا:

سعد یہ فضول خرچی۔؟

سعد نے عرض کیا:

یا رسول اللہ! وضو میں پانی بہانا بھی فضول خرچی ہے!

آپؐ نے فرمایا:

ہاں کیوں نہیں، خواہ تم نہر جاری ہی سے وضو کیوں نہ کر رہے ہو! [12]

اخوان الشیاطین سے مراد یہ ہے کہ ایسے لوگ انتہائی شریر ہیں یعنی حد درجہ قابلِ مذمت۔ کیونکہ شیطان سے زیادہ معمورہ شرارت اور کون ہو سکتا ہے؟ — یقیناً

یقیناً کوئی نہیں ۔

بخل نہ کرکے ، اسراف سے دُور رہ کر ، راہِ خدا میں خرچ کرنے کے بعد بھی انسان اعتدال اور اقتصاد کی زندگی بسر کر سکتا ہے ۔ انسان کے پاس مال و دولت ہو اور وہ نیک کاموں پر خرچ نہ کرے ، اپنے ابنائے جنس کے کام نہ آئے تو یہ معیوب اور حد درجہ قابلِ ملامت چیز ہے ، لیکن یہ بات بھی اتنی ہی سزاوار ملامت ہے کہ انسان اس طرح اندھا دھند خرچ کرنے پر اتر آئے کہ خود ہی غریب اور مفلس ہو کر دوسروں کا محتاج اور دستِ نگر بن جائے ، کل تک وہ عزیزوں کی امداد و اعانت کرتا تھا آج دستِ گدائی پھیلا کر دوسروں سے امداد و اعانت کا طالب ہو ۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے :

وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا مَّحْسُوْرًا ○ [۱۳]

اور اپنا ہاتھ گردن سے بالکل بندھا ہُوا نہ رکھ اور بالکل اسے کھول بھی نہ دے کہ کہ بیٹھا پچھتایا کرے اور لوگوں کی ملامت سُنے

پھر ایک دوسرے موقع پر فرمایا ہے :

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّكُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ○ [۱۴]

اے بنی آدم ہر نماز کے وقت اپنی زینت (لباس) لے لیا کرو اور کھاؤ پیو ۔ اور فضول خرچی نہ کرو کہ وہ فضول خرچوں کو پسند نہیں کرتا ۔

ایک اور موقع پر بہت زیادہ صفائی اور وضاحت کے ساتھ اسراف اور انفاق کے درمیان حدِ فاصل بھی قائم کر دی ہے :

وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا ○

اور وہ لوگ کہ جب وہ خرچ کرتے ہیں تو نہ بیجا اڑاتے ہیں اور نہ تنگی کرتے ہیں اور اس

۱۵ے کے درمیان معتدل گزران کرتے ہیں۔

اور یہ سب کچھ بتا چکنے کے بعد یہ بھی بتا دیا کہ تمھاری روزی پاک اور طیب ہونی چاہئے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُلُوا مِن طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ ۝ مسلمانو! ستھری چیزوں میں سے جو ہم نے تمھیں دی ہیں کھاؤ۔ ۱۶ے

صفحاتِ بالا میں جو آیات پیش کی گئی ہیں اُن سے یہ بات بہت اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ بنیادی اور اساسی چیز یہ ہے کہ انسان خود اپنے ساتھ بھی انصاف اور احسان کا رویہ اختیار کرے تبھی وہ اچھا انسان بن سکتا ہے اور سوسائٹی کا ایک بہترین فرد ثابت ہو سکتا ہے۔

اب ہم اسی سلسلے میں چند احادیث بھی پیش کریں گے:

انسان پر جب عبادت کا جوش طاری ہوتا ہے تو عام طور پر زیادہ عرصے تک قائم نہیں رہتا، پھر وہ اصل فرض سے بھی پہلو تہی کرنے لگتا ہے۔ یہ خود اپنے ساتھ بے انصافی ہے۔ پس اپنے ساتھ انصاف ہی اعتدال ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

انس بن مالک سے روایت ہے انھوں نے کہا نبی صلعم کی ازواج کے گھر تین لوگ آئے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کے متعلق پوچھ رہے تھے۔ جب انھیں اس بات سے خبردار کیا گیا تو معلوم ہوا کہ جیسے انھوں نے اس عبادت کو کم جانا۔ پھر کہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلے میں ہم کہاں ہوں گے۔ اللہ نے ان کے تو تمام آنے والے اور گزرے ہوئے گناہ بخش دئے۔ پھر اُن میں سے ایک نے کہا: میں تو ہمیشہ رات بھر نمازیں پڑھتا ہوں۔ دوسرے نے کہا میں ہمیشہ روزے رکھتا ہوں اور افطار نہیں کرتا، تیسرے نے کہا میں عورتوں سے علیحدہ رہتا ہوں۔

کبھی شادی نہ کروں گا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع ہوئی تو آپؐ نے اللہ کی حمد و ثنا کی اور فرمایا:

ان لوگوں کا کیا حال ہے جنھوں نے ایسا ایسا کہا۔ مگر دیں اتنا کہہ سکتا ہوں کہ) تم میں سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا اور پرہیزکرنے والا میں ہوں، لیکن میں روزے رکھتا ہوں، افطار کرتا ہوں، نماز پڑھتا ہوں، سوتا ہوں اور عورتوں سے شادی کرتا ہوں پس جو شخص میرے طریقے سے انحراف کرے وہ مجھ سے نہیں ہے

اسے بخاری وغیرہ نے روایت کیا ہے۔

۱۷ؔ

کوئی اگر چاہے تو بڑی آسانی سے اپنا بھلا کرسکتا ہے کیونکہ ہر اچھائی صدقہ ہے اور موجب اجر ہے۔

حضرت جابر بن عبداللہ رسول اللہؐ سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا:

ہر معروف چیز صدقہ ہے۔

۱۸ؔ

اپنی طاقت اور قوت سے زیادہ عبادت کرنا اپنے اوپر ظلم کرنا ہے:

حضرت عمرو بن عاص سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے مجھ سے فرمایا:

واقعی تم مسلسل روزے اور ساری رات تہجد پڑھتے ہو؟ میں نے عرض کیا جی ہاں فرمایا اس طرح تو آنکھیں دھنس جائیں گی اور بدن تھک جائے گا صوم ابد کا شمار روزے میں ہے ہی نہیں۔

۱۹ؔ

انسان پر جس طرح دوسروں کا حق ہے اسی طرح خود اپنا حق بھی ہے جس

طرح دوسروں کے حقوق پورے کرنے چاہئیں اپنا حق بھی ادا کرنا چاہیئے:

حضرت عبداللہ بن عمر کہتے ہیں کہ آنحضرت ؐ نے کہا: مجھے بتایا گیا ہے کہ تم قائم اللیل اور صائم النہار ہو۔ میں نے عرض کیا۔ جی میں یہ کرتا ہوں۔ فرمایا جب تم یہ کرتے ہو تو تمھاری آنکھ بوجھل ہو جاتی ہے تمھارا نفس تھک جاتا ہے تمھارے نفس کا تم پر حق ہے، تمھارے اہل کا تم پر حق ہے، پس روزہ رکھو اور افطار کرو، رات کو عبادت کرو اور سوؤ بھی۔

۵۷۰

کسی کے کام آنا، کسی کی دستگیری کرنا، کسی کی مصیبت دُور کرنا، کسی خطاکار اور گنہ گار کی پردہ پوشی کرنا، جتنی اس کے ساتھ نیکی ہے اتنا ہی اپنے اوپر احسان ہے:

حضرت ابن عمر سے روایت ہے کہ رسول اللہ ؐ نے فرمایا:

مسلمان مسلمان کا بھائی ہے لہٰذا وہ اس پر ظلم نہ کرے اور اسے رسوا نہ کرے جو شخص اپنے بھائی کی حاجت روائی کرتا ہے اور جو شخص کسی مسلمان کی مصیبت دور کرتا ہے اللہ تعالیٰ مصائبِ قیامت میں سے اس کی مصیبت دُور کرتا ہے اور جو شخص کسی مسلمان کا عیب چھپاتا ہے تو قیامت کے دن اللہ اس کا عیب چھپاتا ہے

۵۷۱

بے شک مجبوری کی حالت میں دستِ سوال دراز کرنا جائز ہے لیکن حتی الامکان سعی اس کی کرنی چاہیئے کہ آدمی خود کما کر کھائے:

حضرت مقدام روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ؐ نے فرمایا: کوئی شخص اپنے ہاتھ کی کمائی سے اچھا کھانا نہیں کھاتا۔ حضرت داؤد علیہ السلام بھی اپنے ہاتھ سے روزی کما کر (کھانا) کھایا کرتے تھے۔

۵۷۲

اسی سلسلے میں ایک اور حدیث :

حضرت حکیم بن حزام کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے رسول اللہ سے کچھ مانگا۔ آپؐ نے دے دیا، پھر مانگا پھر آپؐ نے دے دیا۔ پھر فرمایا: اے حکیم یہ مال ایک میٹھی سبزی ہے جو شخص اسے بغیر طمع کے لیتا ہے اسے اس میں برکت دی جاتی ہے اور جو شخص اسے طمع کے ساتھ لیتا ہے اسے برکت نہیں دی جاتی۔ اور اس کی مثال اس شخص کی ہے جو کھائے اور سیر نہ ہو اور اوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے بہتر ہے۔

حکیم کہتے ہیں: میں نے عرض کیا یا رسول اللہؐ! قسم ہے اس ذات کی جس نے آپؐ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے۔ میں آپ کے بعد کسی سے کچھ نہ لوں گا یہاں تک کہ دُنیا سے رخصت ہو جاؤں۔

حضرت ابوبکر نے حکیم کو وظیفہ کے لئے بُلایا مگر انھوں نے اسے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ پھر حضرت عمر نے انھیں دینا چاہا مگر حکیم نے پھر انکار کر دیا۔ حضرت عمر نے فرمایا مسلمانوں تمھیں گواہ کرتا ہوں کہ میں نے حکیم کو ان کا حق پیش کیا مگر وہ مالِ غنیمت سے اپنا حق لینے سے انکار کرتے ہیں۔

غرض حکیم نے آنحضرتؐ کے بعد کسی سے کچھ نہ لیا یہاں تک، کہ ان کی وفات ہو گئی۔

۲۳

مسلمان خود اپنے شر سے کس طرح بچ سکتا ہے، یعنی اپنے ساتھ کس طرح عدل و احسان کر سکتا ہے:۔

ابوہریرہ سے روایت ہے کہ انھوں نے کہا رسول اللہؐ نے فرمایا:

"بدگمانی سے خبردار رہو، کیونکہ بے شک بدگمانی سب سے زیادہ جھوٹی بات

ہے، کھوج نہ لگاؤ، عیب جوئی نہ کرو، باہم حسد نہ کرو، نہ بغض وعداوت کرو، اور اے اللہ کے بندو! بھائی بھائی بن کر رہو، جیسا کہ تمھیں اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے۔ مسلمان مسلمان کے لئے بھائی ہے۔ وہ اس پر ظلم نہیں کرتا۔ اسے چھوڑتا نہیں نہ اس کی تحقیر کرتا ہے، اس لئے کہ یہ بات آدمی کے شر کے لئے کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو حقیر جانے، ہر مسلمان پر دوسرے مسلمان کا مال، خون اور آبرو حرام ہے، بیشک اللہ تمھارے بدن اور صورت کی طرف نظر نہیں کرتا، لیکن وہ تمھارے دل اور عمل پر نظر کرتا ہے" تقویٰ، (پرہیزگاری) یہاں ہے" اور آپ اپنے سینے کی طرف اشارہ فرماتے تھے۔

۲۵ھ

ماخذ

۱: سورہ صفت آیت ۳
۲: سورہ بقر " ۴۴
۳: " صفت " ۲
۴: " ماعون " ۴-۵-۶
۵: " نساء " ۳۸
۶: " بقر " ۲۶۴
۷: " آل عمران " ۹۱
۸: تفسیر خازن ج ۱۔ ص ۲۱۷-۲۱۸
۹: سورہ محمد آیت ۳۸
۱۰: " لیل " ۱۱
۱۱: سورہ بنی اسرائیل آیت ۲۷
۱۲: تفسیر کشاف (زمخشری) ج ۲، ۱۲۱
۱۳: سورہ بنی اسرائیل آیت ۳۲
۱۴: " اعراف " ۳۱
۱۵: " فرقان " ۶۷
۱۶: " بقر " ۴۲
۱۷: صحیح بخاری کتاب النکاح
۱۸: " " " الادب
۱۹: " " " تہجد باللیل
۲۰: " " " "

۲۱: صحیح بخاری کتاب الادب   ۲۳: صحیح بخاری کتاب الادب

۲۲: " " "   ۲۴: " " "

---

(۷)

عدل واحسان

ذاتی اور قومی دشمن کے ساتھ!

انسان کے لئے سب سے نازک اور کٹھن گھڑی وہ ہوتی ہے جب دشمن اس کے قابو میں آجاتا ہے۔ اور صورتِ حالات تبدیل ہو جاتی ہے۔ یہ وہ دشمن ہے جس نے اُسے نقصان پہنچایا تھا۔ اذیت دی تھی، اس کی رسوائی اور بدنامی کا موجب بنا تھا۔ ذہنی اور قلبی کوفت کا سامان فراہم کیا تھا، آبرو کا اور جان کا گاہک تھا۔ اور اب خود اس کی جان خطرے میں ہے۔ یہ مجبور اور بے کس بنا اس شخص کے سامنے کھڑا ہے جس کے یہ در پئے آزار تھا۔ ظاہر ہے یہ اپنے لئے رحم کی توقع نہیں کر سکتا۔ ظاہر ہے اس کے ساتھ رحم کا برتاؤ نہیں کیا جا سکتا۔

دشمن ذاتی بھی ہوتا ہے اور قومی بھی۔ دونوں کے خلاف جذبۂ انتقام اس کے قابو میں آجانے کے بعد متحرک ہوتا ہے اور جی چاہتا ہے اس کا قلع قمع کر دیا جائے۔ پھر کبھی اُسے پنپنے اور سر اٹھانے کا موقع نہ دیا جائے۔ اس کی کمر توڑ دی جائے اور اُسے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے بے بس، مفلوج اور معطل کر دیا جائے۔

عام طور پر دشمنوں کے ساتھ یہی برتاؤ روا رکھا جاتا ہے بلکہ اسی سلوک کا مزاوار قرار دیا جاتا ہے۔

لیکن اسلام اس باب میں کیا کہتا ہے؟

خدائے رحمٰن و رحیم کا اس سلسلے میں کیا فرمان ہے؟

دشمن خواہ ذاتی ہو یا قومی ہرگز اس کے ساتھ کسی طرح کی زیادتی نہیں کی جا سکتی۔ بلکہ اس کے ساتھ رحم و احسان کا برتاؤ کیا جائے تو یہ اور زیادہ مستحسن اور موجب اجرِ جزیل ہے۔ اس معاملہ کی اہمیت کا زیادہ سے زیادہ احساس کرانے کے لئے اللہ تعالیٰ اپنے نبی کریم ؐ کو اور اس ذاتِ گرامی کے واسطے سے امتِ مسلمہ کو حکم دیتا ہے:

اِدْفَعْ بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِیْ
بَیْنَکَ وَبَیْنَهٗ عَدَاوَةٌ کَاَنَّهٗ
وَلِیٌّ حَمِیْمٌ ۝ وَمَا یُلَقّٰھَآ اِلَّا الَّذِیْنَ
صَبَرُوْا وَمَا یُلَقّٰھَآ اِلَّا ذُوْحَظٍّ عَظِیْمٍ ۝ ل

(بدی کو) اس خصلت سے جو بہت اچھی ہے دفع کر، پھر دیکھ کہ وہ شخص جس کو تجھ سے عداوت ہے یکایک ایسا ہو جائیگا کہ گویا وہ رشتہ دار دوست ہے۔ اور یہ بات انہی لوگوں کو نصیب ہوتی ہے جو بڑے مستقل ہیں اور یہ بات اسی کو نصیب ہوتی ہے جو بڑا صاحب نصیب ہو۔

اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے ابنِ عباس کہتے ہیں کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے غصّہ کی حالت میں صبر کا، جہل کے مقابلے میں حلم کا اور ایذا رسانی کے جواب میں عفو کا حکم دیا ہے

اور یہ جو فرمایا ہے کہ اس حسنِ سلوک کے بعد وہ دشمن یکایک ایسا بن جائے گا جیسے وہ رشتہ دار اور دوست ہے، تو اس سے مراد یہ ہے کہ نہایت گہرا اور سچا دوست بن جائے گا۔

اور اس ارشاد کا کہ "یہ بات انہی لوگوں کو نصیب ہوتی ہے جو (صبر کرنے میں) بڑے مستقل ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ مکارہ کا تحمل کرنے، شدائد کا حلم سے مقابلہ کرنے غصہ پی جانے اور انتقام کا جذبہ ترک کر دینے والے لوگ ہی اس نعمت سے بہرہ ور ہوتے ہیں۔

اور "یہ بات انہی کو حاصل ہوتی ہے!" یعنی برائی کا جواب بھلائی سے دینے کی خصلت!"

حظ عظیم سے مراد ہے خیر اور ثواب۔ پس جو ایسا کریں گے ان پر جنت واجب ہو جائے گی۔ ؎۱

أُذِنَ لِلَّذِينَ يُقَاتَلُونَ بِأَنَّهُمْ	ان مسلمانوں کو جن سے (اہل مکہ) لڑتے ہیں
ظُلِمُوا وَإِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ نَصْرِهِمْ	جہاد کی اجازت دی گئی ہے اس لئے کہ ان
لَقَدِيرٌ ؕ ؎۲	پر ظلم ہوا اور اللہ ان کی مدد پر قادر ہے۔

قتادہ کا قول ہے کہ حظ عظیم سے مراد جنت ہے۔ ؎۳

بلاشبہ جائز حدود کے اندر دشمن سے مقابلہ کرنے، اس کا زور توڑنے اور اسے سزا دینے کی اسلام نے اجازت دی ہے۔ اس لئے ظالم کے مقابلے میں سینہ سپر ہو جانا انسان کا حق ہے اور اس جائز اور واجب حق سے دستبردار ہونے پر اُسے کوئی بھی مجبور نہیں کر سکتا۔ لیکن اس حق کے استعمال کرنے میں بھی کچھ شروط و حدود ہیں جن کی پابندی لازمی ہے۔ مثلاً سب سے پہلی نہایت اہم اور بنیادی شرط یہ ہے کہ خود سے پہل نہ کی جائے۔ دشمن کی زیادتی کا جواب بیشک دیا جائے اور مُنہ توڑ دیا جائے لیکن اس وقت جب وہ زیادتی کرے۔ خود ہمیں زیادتی کرنے کا قطعاً حق نہیں جیسا کہ ارشاد ہوا:

أُذِنَ لِلَّذِينَ يُقَاتَلُونَ بِأَنَّهُمْ	اُن مسلمانوں کو جن سے (اہل مکہ) لڑتے
ظُلِمُوا وَإِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ نَصْرِهِمْ لَقَدِيرٌ	ہیں جہاد کی اجازت دی گئی ہے۔ اس لئے

۴ه کہ اُن پر ظلم ہوا۔ اور اللہ ان کی مدد پر قادر ہے

ایک موقع پر قرآن مجید میں مظلوموں کو ظالموں سے بدلا لینے کا اختیار دیا گیا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَالَّذِيْنَ إِذَآ أَصَابَهُمُ الْبَغْيُ هُمْ يَنْتَصِرُوْنَ ۝ ۵ه

اور ان کے لئے جب ان پر زیادتی ہوتی ہے تو وہ بدلا لیتے ہیں۔

اس لئے کہ اگر ظالموں کا ظلم سہہ لیا جائے، مقاومت اور مزاحمت نہ کی جائے تو پھر نہ اللہ کا نام لیا جاسکتا ہے، نہ وہ مقامات سلامت رہ سکتے ہیں جن میں خدا کی عبادت کی جاتی ہے۔ لہٰذا اس طرح کے ظلم کا مقابلہ کرنا اور اُسے دفع کرنا بہت ضروری ہے، کیونکہ اس ظلم کی بنیاد یہ ہے کہ بغیر کسی حق کے یعنی بغیر کسی جائز وجہ کے اللہ کا نام لینے والوں اور اس کی عبادت کرنے والوں کو ستایا گیا ہے:

اَلَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ اِلَّآ اَنْ يَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ۭ وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسٰجِدُ يُذْكَرُ فِيْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيْرًا ۭ وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ ۭ ۶ه

یہ وہ ہیں کہ صرف اتنا کہنے پر کہ ہمارا رب اللہ ہے ناحق اپنے گھروں سے نکالے گئے اور اگر ان لوگوں کو ایک سے ایک کو دفع نہ کرے تو (عیسائی فقیروں کے) تکیے اور گرجے اور (یہود کے) عبادت خانے اور (مسلمانوں) کی مسجدیں جہاں اللہ کا کثرت سے نام لیا جاتا ہے ضرور ڈھائی جائیں اور اللہ اسے ضرور مدد دے گا جو اللہ کو مدد دیتا ہے۔

یہ آیت ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے جو بہ ارادہ ہجرت نکلے مگر مشرکین مکہ نے ان کا راستہ روک لیا۔

بغیر حق: بغیر کسی جائز سبب کے۔

اس سے مراد یہ ہے کہ ان کا یہ اقدام توحید پرستوں کے خلاف ظلم تھا کہ یہ عقیدہ اقرار و تمکین کا موجب ہے نہ کہ اخراج کا ۔

سے

اس جگہ یہ بات خاص طور پر قابل ذکر ہے کہ بغیر حق کے یعنی بغیر کسی جائز وجہ کے اللہ کا نام لینے والے جن مظلوموں کا ذکر کیا گیا ہے ان میں صرف مسلمان ہی نہیں ہیں بلکہ وہ لوگ بھی ہیں جو گو مسلمان نہ ہوں لیکن اللہ کو مانتے ہوں ۔ جہاں مساجد کا ذکر فرمایا ہے وہیں جوگی فقیروں کے تکیوں اور گرجوں اور یہود کے عبادت خانوں کا ذکر بھی فرمادیا ہے ۔ یہ رواداری اور وسعت قلب کی انتہا ہے ۔ اور بلاشبہ اس خصوصیت میں اسلام بالکل منفرد ہے ۔ اس کا کوئی حریف نہیں ۔

تو وہ لوگ جو اللہ کا نام لینے والوں کو ستاتے اور عبادت گاہوں کو برباد کرنے پر تلے رہتے ہیں یقیناً اس کے مستحق ہیں کہ انھیں ترکی بہ ترکی جواب دیا جائے ۔ چنانچہ ارشاد فرمایا :

وَلَمَنِ انْتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمِهٖ فَاُولٰٓئِكَ مَا عَلَيْهِمْ مِّنْ سَبِيْلٍ ۝ ۵ھ

اور جو کوئی ظلم سہنے کے بعد بدلہ لے گا تو ان پر کوئی راہ (ملامت) نہیں ۔

دشمن کے ساتھ عدل و احسان اور رحم و کرم کی انتہا ہے کہ وہ لوگ جنھوں نے حدیبیہ کے موقع پر مسلمانوں کو اس کی اجازت بھی نہیں دی تھی کہ حرم کعبہ میں داخل ہو کر خدا کے سامنے سر جھکا سکیں ۔ کتنے ظالم اور کتنے سفاک ہوں گے یہ لوگ ، کیا قابو میں آجانے کے بعد سزاوار عدل و احسان ہو سکتے تھے ؟

اسلام کا جواب اثبات میں ہے ۔

وہ نہایت صاف اور واضح الفاظ میں فرماتا ہے کہ جن لوگوں نے تمھیں مسجد حرام میں جانے سے روکا ان کے ساتھ بھی اعتدا یعنی زیادتی نہ کرو ، نہ ان کے خلاف اپنے

دل میں کسی طرح کی کپٹ اور عداوت رکھو

وَلَا یَجْرِمَنَّکُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ اَنْ صَدُّوْ
کُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اَنْ تَعْتَدُوْا
وَتَعَاوَنُوْا عَلَی الْبِرِّ وَالتَّقْوٰی وَلَا
تَعَاوَنُوْا عَلَی الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ
وَاتَّقُوا اللّٰہَ ط

اور لوگوں کی عداوت اس بنا پر کہ انھوں نے
تم کو مسجد حرام سے روکا تھیں اس بات پر
آمادہ نہ کرے کہ تم زیادتی کرو اور تم نیکی اور
پرہیزگاری کے کاموں میں ایک دوسرے کی
مدد کرو اور گناہ اور زیادتی میں مدد نہ کرو اور
اللہ سے ڈرو۔

ھ۹

اس آیہ کریمہ میں،

اعتداء سے مراد انتقام ہے۔

اور یہ جو فرمایا ہے کہ "بِرّ" (نیکی) اور تقویٰ (پرہیزگاری) کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کرو۔ تو یہاں بِرّ سے مراد عفو اور تقویٰ سے مراد اغضاء ہے۔

اور یہ جو ارشاد ہوا کہ اثم (گناہ) اور "عدوان" (زیادتی) میں ایک دوسرے کی مدد نہ کرو، تو یہاں اثم سے مراد ہے انتقام اور عدوان سے مراد ہے تشفی۔

مندرجہ بالا آیہ کریمہ میں بِرّ اور تقویٰ نیز اثم اور عدوان کے عام معنی ہی مراد ہیں، لیکن اس موقع پر ان کا خاص پہلو یہ ہے کہ عفو و انتصار پر زور دینا مقصود ہے۔

خلہ

بدترین دشمن کے مقابلے میں بھی اللہ تعالیٰ اعتداء یعنی زیادتی کی اجازت نہیں دیتا۔

جہاں وہ دشمن سے پوری سرگرمی کے ساتھ مقابلہ کرنے کا حکم دیتا ہے۔

وَقَاتِلُوْھُمْ حَتّٰی لَا تَکُوْنَ فِتْنَۃٌ
وَّیَکُوْنَ الدِّیْنُ لِلّٰہِ ط فَاِنْ

اور ان سے لڑائی کرو یہاں تک کہ فساد دور
ہو جائے اور دین خالص اللہ ہی کا ہو جائے

فَاِنِ انْتَهَوْا فَلَا عُدْوَانَ اِلَّا عَلَى الظّٰلِمِیْنَ ؁ — پس اگر وہ لوگ (کفر سے) باز آجائیں تو بے انصافی کرنے والوں کے سوا سختی کسی پر نہ کی جائے۔

وہاں وہ واشگاف الفاظ میں اعتداء یعنی زیادتی سے منع کرتا ہے۔ اور یہ بھی فرماتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو جو زیادتی کے مرتکب ہوتے ہوں دوست نہیں رکھتا۔

وَقَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا ط اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ ؁ — جو تم سے لڑائی کرتے ہیں تم بھی اللہ کی راہ میں اُن سے لڑائی کرو اور زیادتی نہ کرو بے شک اللہ زیادتی کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔

اللہ تعالیٰ صرف اسی پر اکتفا نہیں کرتا کہ اعتدار کو ناپسند کرتا اور معتدین کو دوست نہ رکھتا ہو بلکہ یہ بھی فرماتا ہے کہ گو برائی کا بدلا برائی سے دیا تا روا نہیں لیکن اگر برائی کا بدلا برائی سے دینا ہی ہے تو ذرا بھی تجاوز نہ کیا جائے، یعنی دشمن نے جتنی تکلیف اور اذیت پہنچائی ہے اسے بھی زیادہ سے زیادہ اتنی ہی اذیت و تکلیف پہنچائی جا سکتی ہے یہ تو ہوئی اصولی بات، لیکن اگر کوئی صاحب دل معاف کر دے صلح کرلے تو یہ ایسا کارنامہ ہوگا جس کا اجر خدا نے اپنے ذمے واجب کرلیا ہے اور جس کام کا اجر خدائے بزرگ و برتر نے اپنے اوپر واجب کرلیا ہو اس کی اہمیت اور عظمت کا اندازہ کرنا کچھ مشکل نہیں۔ یہ خوش خبری دیتے دیتے کہ معاف کرنے اور صلح کرنے والے کو ہم ضرور اجر دیں گے۔ ایک مرتبہ پھر صراحت اور وضاحت کے ساتھ تاکید کر دی کہ خبردار تمہارا دامن ظلم و اعتدار سے آلودہ نہ ہونا چاہیے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ ظالموں اور زیادتی کرنے والوں کو سخت ناپسند کرتا ہے:

وَجَزٰٓؤُا سَیِّئَۃٍ سَیِّئَۃٌ مِّثْلُھَا فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُہٗ عَلَی اللّٰہِ اِنَّہٗ لَا یُحِبُّ الظّٰلِمِیْنَ ○ سلہ

اور بدی کا بدلا اسی کی مانند بدی ہے۔ پھر جس نے معاف کیا اور صلح کی تو اس کا اجر اللہ پر ہے بیشک وہ ظالموں کو پسند نہیں کرتا

میدانِ جنگ میں جب دشمن سامنے ہوتا ہے، اپنی فتح روزِ روشن کی طرح صاف اور نمایاں نظر آنے لگتی ہے۔ دشمن کی شکست یقینی بن جاتی ہے اور وہ دستِ صلح دراز کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ تو غالب مغلوب کے ساتھ یا تو صلح پر تیار نہیں ہوتا یا پھر وہ صلح ویسی ہوتی ہے جس کے نتیجے میں دوسری جنگ عظیم کے بعد منٹگمری اور آئزن ہاورکو جرمنی میں اور میکارتھر کو جاپان میں داخل ہوتے دنیا نے دیکھا تھا، اور کون کہہ سکتا ہے کہ صلح بدترین شکست سے بدتر نہیں تھی۔ لیکن اسلام حوصلہ ہارے ہوئے دشمن کے ساتھ بھی عدل و احسان کا برتاؤ کرتا ہے۔ اور اگر وہ صلح کرنا چاہے تو صلح کر لینے کا حکم دیتا ہے۔ اور اگر دشمن لڑتا ہوا میدانِ جنگ میں شکست کھا جائے تو بھی اس کے ساتھ نہ صرف کسی طرح کی زیادتی روا نہیں رکھتا بلکہ اس کے ساتھ وہ سلوک کرتا ہے جو ایک شریف انسان کو شریف کے ساتھ کرنا چاہیے۔

پہلی صورت میں یعنی جب دشمن کا حوصلہ ٹوٹ جائے اسے اپنی شکست کا یقین نظر آنے لگے۔ صلح کا جھنڈا لہرانے پر وہ اپنے تئیں مجبور پائے، اسلام حکم دیتا ہے کہ صلح کر لو۔ دشمن کی کمزوری سے ناجائز فائدہ اٹھا کر اسے زندہ درگور کرنے کی کوشش نہ کرو۔ کہ یہی تقاضائے شرافت اور اصولِ انسانیت ہے۔

وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَھَا وَتَوَکَّلْ عَلَی اللّٰہِ اِنَّہٗ ھُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ○ ۳لہ

اور اگر وہ صلح کی طرف جھکیں تو تو بھی اس کی طرف جھک اور اللہ پر بھروسہ رکھو بے شک وہی سننے والا اور جاننے والا ہے۔

دوسری صورت میں، یعنی جب دشمن میدانِ جنگ میں ڈٹا ہو، کلّہ بہ کلّہ مقابلہ کر رہا ہو تو بیشک اس کے ساتھ رعایت کرنے کی ضرورت نہیں، تلوار کا جواب تلوار سے، نیزے کا نیزے سے اور خنجر کا جواب خنجر سے قطعًا دینا چاہیے لیکن جب دشمن شکست کھا جائے۔ ہتھیار ڈال دینے پر مجبور ہو جائے تو دشمن کی استدعائے صلح کے بغیر اسلام اپنے سپاہیوں کو صلح کر لینے کا حکم دیتا ہے۔

فَإِذَا لَقِيتُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا فَضَرْبَ
الرِّقَابِ ط حَتَّىٰ إِذَا أَثْخَنتُمُوهُمْ
فَشُدُّوا الْوَثَاقَ فَإِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَإِمَّا
فِدَاءً حَتَّىٰ تَضَعَ الْحَرْبُ أَوْزَارَهَا
ذَٰلِكَ ط وَلَوْ يَشَاءُ اللَّهُ لَانتَصَرَ
مِنْهُمْ وَلَٰكِن لِّيَبْلُوَ بَعْضَكُم بِبَعْضٍ ط
وَالَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ فَلَن
يُضِلَّ أَعْمَالَهُمْ ٥

[illegible]

پھر جب تم کافروں کے مقابل ہو تو گردنوں کا مارنا ہے۔ یہاں تک کہ جب تم مار دھاڑ کر چکو تو (ان کی) قید کو مضبوط کر دو پھر اس کے بعد یا احسان رکھ کر چھوڑ دینا ہے یا فدیہ لے کر، یہاں تک کہ لڑائی اپنے ہتھیار (نیچے) رکھ دے۔ یہ حکم ہے۔ اور اگر اللہ چاہے تو اُن سے بدلہ لے لے، لیکن وہ چاہتا ہے کہ تم میں سے بعض کو بعض کے ذریعے سے آزمائے اور جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے گئے وہ ان کے اعمال اکارت نہیں کرے گا۔

اس سے ثابت ہوا کہ جو لوگ میدانِ جنگ میں گرفتار ہوں، ان کے ساتھ اب صرف ایک ہی سلوک کیا جا سکتا ہے۔ یا تو فدیہ لے کر جو گویا انفرادی تاوانِ جنگ کی ایک صورت ہے انھیں رہا کر دیا جائے یا ازراہِ احسان و کرم انھیں چھوڑ دیا جائے ان دو صورتوں کے علاوہ کوئی تیسری صورت نہیں ہے۔ انھیں غلام نہیں بنایا جا سکتا۔ ان کی آزادی نہیں سلب کی جا سکتی۔ انھیں غلاموں سے بدتر زندگی بسر کرنے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا۔

اسلام نے یہ حکم آج سے چودہ سو سال پہلے دیا تھا۔ اور آج سے چودہ سو سال پہلے اور اس کے بعد بھی بہت دنوں تک دُنیا کا یہ دستور رہا کہ جنگی قیدی یا تو موت کے گھاٹ اتار دیئے جاتے تھے۔ بچّے، بوڑھے، جوان، مرد، عورت، ضعیف، بیمار کسی کی تمیز و تفریق نہیں تھی اور یا پھر انھیں غلام بنا دیا جاتا اور وہ ننگِ انسانیت مظالم کے ہدف بن جاتے۔

لیکن آج دُنیا کا کیا حال ہے؟

آج چودہ سو سال گزر جانے کے بعد دُنیا کا رویّہ شکست خوردہ دشمن کے ساتھ کیا ہے؟ کیا آج بھی دشمن کے ساتھ عدل، رواداری، وسعتِ قلب اور انسانیت کا وہی برتاؤ کیا جاتا ہے جس کا حکم چودہ سو برس پہلے دُنیا کے سب سے بڑے انسان نے دیا تھا؟

پہلی جنگِ عظیم کو ختم ہوئے تقریباً چالیس سال کی مدت گزری ہے دوسری عالمگیر جنگ کو اختتام پذیر ہوئے کم و بیش پندرہ سال کی مدت گزر چکی ہے۔

دوران جنگ میں دشمنوں نے ایک دوسرے کے ساتھ شقاوت، سفاکی اور بربریت کا جو مظاہرہ کیا اُسے فراموش کر کے ذرا یہ دیکھیے کہ معاہدۂ صلح کر لینے کے بعد شکست خوردہ دشمن کے ساتھ فاتح حریف نے کیا برتاؤ کیا؟

فرانس کو اپنی میگنولائن پر حد درجہ اعتماد تھا۔ یہ ایک ایسا ناقابلِ تسخیر مورچہ تھا جسے دُنیا کی کوئی طاقت درہم برہم نہیں کر سکتی تھی۔ لیکن جرمن فوجیں میگنولائن کو کتراتی ہوئی سرزمین فرانس میں داخل ہو گئیں۔ پیرس نے ہتھیار ڈال دیئے۔ فرانس پر جرمن کا پرچم لہرانے لگا۔ مارشل پیتان جیسا جنگجو اور سورما جس نے پہلی جنگِ عظیم میں ناقابلِ فراموش کارنامے انجام دیئے تھے جرمنوں کا آلۂ کار بن گیا لیکن اس کے باوجود مفتوح فرانس پر کوئی ظلم ایسا نہ تھا جو نہ توڑا گیا ہو۔

اتحادی فوجیں ہٹلر کے جرمنی میں داخل ہوئیں، جرمنی نے شکست مان لی تھی لیکن اس کے باوجود ایک عرصۂ دراز تک برلن اور جرمنی کے دوسرے شہر میدانِ جنگ کا نمونہ بنے رہے۔ سڑکیں کھود ڈالی گئیں، عمارتیں توڑ ڈالی گئیں، کارخانوں میں آگ لگا دی گئی۔ جہاز ڈبو دیئے گئے۔ بڑی بڑی دیو پیکر مشینیں بھٹی میں ڈال کر پگھلا دی گئیں۔ صلح ہو جانے کے باوجود، شکست تسلیم کر لینے کے باوجود ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر وہ لوگ پکڑے گئے، جن پر الزام تھا کہ اس جنگ کے برپا کرنے میں انھوں نے حصہ لیا ہے، انھیں پھانسی پر لٹکایا گیا۔ گولی سے اڑایا گیا، عمر قید کی سزائیں دی گئیں۔ جیل کی تنگ و تاریک کوٹھڑیوں میں واپس نہ آنے کے لئے ڈھکیل دیا گیا۔ اگر جرمنی نے صلح نہ کی ہوتی اور ہتھیار نہ ڈالے ہوتے تو اس کا انجام اس سے برا اور کیا ہوتا؟

اٹلی نے روم کو کھلا شہر قرار دے دیا، اس کی فوجیں رضاکارانہ طور پر ہر محاذ پر ہزاروں کی تعداد میں گرفتار ہونے لگیں۔ اٹلی نے اپنے یارِ غار جرمنی کو دھوکا دیا اس کی پیٹھ میں چھرا گھونپا اور اپنے دروازے اتحادی فوجوں کے لئے کھول دیئے صرف یہی نہیں کیا بلکہ مسولینی کو جو ان کا محبوب زعیم تھا کتے کی موت مارا، اپنے بادشاہ کو جو ایک بے بس آلۂ کار تھا تاج و تخت سے محروم کر دیا۔ بلکہ تاج و تخت کو توڑ پھوڑ کر پھینک دیا۔ لیکن بجا طور پر اٹلی والے اتحادیوں سے مخاطب ہو کر کہہ سکتے تھے۔

کیا وہ نمرود کی خدائی تھی
بندگی میں مرا بھلا نہ ہوا؟

مفتوح اور شکست خوردہ اٹلی کے ساتھ وہی سلوک مرعی رکھا گیا جو دوسرے دشمنوں کے ساتھ رکھا گیا تھا۔

جاپان پر انسانیت دوست امریکہ نے جنگ کے دوران میں ایٹم بم گرا کر ہیروشیما اور ناگاساکی کو مع اس کی ہزارہا آبادی کے خاکستر کر دیا تھا۔ لیکن جنگ کے بعد صلح کے بعد شکست خوردہ جاپان میں ایٹم بم سے بھی کہیں بڑا، بہت زیادہ مہلک اور حد درجہ تباہ کن بم جنرل میکارتھر کی صورت میں پہنچا، اس نے پورے جاپان کو لرزہ بر اندام کر دیا۔ اس کی رعونت، نخوت اور استبداد نے وہاں کے اقدارِ اخلاقی اور نظامِ اقتصادی کو غیر متوازن کر دیا۔ وہاں کی عورتیں اور لڑکیاں بے آبروئی اور رسوائی کے اس دور سے گزریں جس کا تصور آج پندرہ سال کے بعد بھی لرزہ خیز اور روح فرسا ہے۔

کتنا بڑا فرق ہے چودہ سو برس پہلے کے اسلامی اصولِ جنگ میں اور تہذیبِ جدید کے انسانیت نواز آئینِ حرب میں۔

اب ہم اس موضوع پر احادیث کی روشنی میں گفتگو کریں گے۔

ہمارا رسول ؐ تو حکم دیتا ہے کہ قیدی کو آزاد کر دو:

ابوموسیٰ اشعری سے روایت ہے، انھوں نے کہا: رسول اللہؐ نے فرمایا:
"بھوکے کو کھانا کھلاؤ، مریض کی عیادت کرو اور قیدی کو آزاد کرو" ۱۵ھ

قیدی سے مراد جنگی قیدی یعنی کافر و مشرک ہیں۔

جنگی قیدیوں کے بارے میں جو ظاہر ہے جنگی قیدی ہی تھے آنحضرت صلعم کا رویہ اس طرح کا تھا:

حضرت عبداللہ بن عمر کہتے ہیں کہ رسول اللہؐ نے خالد بن ولید کو بنی خزیمہ کی طرف روانہ کیا تو خالد نے انھیں اسلام کی طرف بلایا۔ انھوں نے اسلمنا کہنا اچھا نہ

جانا، بلکہ صبانا صبانا کہنے لگے جس پر خالد انھیں مارنے لگے اور بعض کو قید کر کے ہم میں سے ہر ایک کو ایک ایک قیدی دے دیا۔ پھر ایک دن خالد نے حکم دیا کہ ہر شخص اپنے اپنے قیدی کو مار ڈالے (عبداللہ کہتے ہیں) میں نے کہا بخدا میں تو اپنے قیدی کو ہرگز نہ ماروں گا۔ اور نہ کوئی میرا ساتھی اپنے قیدی کو مارے گا جب رسول اللہ صلعم کے پاس آئے اور آپ سے یہ قصہ بیان کیا تو آپ نے اپنا ہاتھ اٹھا کر فرمایا: "اے اللہ! میں خالد کے فعل سے بری ہوں" (یہ کلام) دوبار فرمایا۔

۱۶ ؎

اسی طرح کا ایک اور واقعہ:

اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہمیں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے حرقہ کی طرف بھیجا۔ صبح صبح ان لوگوں پر دھاوا کر کے ہم نے انھیں بھگا دیا۔ پھر ہم مع ایک انصاری کے کفار کے ایک آدمی سے ملے تو ہم نے اسے گھیر لیا۔ جس پر اس نے کہا لا الٰہ الا اللہ۔ انصاری تو رک گیا اور میں نے اُسے نیزہ مار دیا۔ پس جب ہم مدینہ میں آئے اور رسول اللہ کو یہ خبر پہنچی تو آپ نے کہا۔ اسامہ کیا تو نے اسے لا الٰہ الا اللہ کہنے کے بعد مار ڈالا؟ میں نے عرض کیا وہ تو پناہ کے واسطے کہہ رہا تھا مگر آپ بار بار یہی فرماتے رہے۔ یہاں تک کہ میں نے خواہش کی کہ کاش! میں اس سے پہلے اسلام نہ لایا ہوتا! ۱۷ ؎

یہ ندامت کی انتہا ہے۔

ایک اور ایسا ہی واقعہ:

حضرت مسور بن مخرمہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جب قبیلۂ ہوازن کے لوگ مسلمان ہو کر آئے تو آپ کھڑے ہو گئے۔ انھوں نے آپ سے درخواست کی کہ آپ ان کے مال اور ان کے قیدی واپس کر دیں۔ رسول اللہ صلعم نے

فرمایا: مجھے وہ بات پسند ہے جو سچی ہو۔ پس تم لوگ ایک بات اختیار کر لو، قیدیوں کو واپس لے لو یا مال کو اور میں نے تو (تمھارے انتظار میں) مال غنیمت کی تقسیم بھی مؤخر کر دی (مگر تم اس وقت تک نہ آئے۔ اور بلاشبہ رسول اللہؐ نے دس دن سے زیادہ اُن کا انتظار کیا تھا جبکہ آپ طائف سے لوٹے تھے۔ پھر جب انھیں معلوم ہو گیا کہ رسول خدا صلعم انھیں ایک ہی چیز واپس کریں گے تو انھوں نے کہا ہم اپنے قیدی واپس لیں گے۔ رسول اللہؐ مسلمانوں کے سامنے کھڑے ہو گئے اور اللہ کی حمد کرنے کے بعد فرمایا: 'تمھارے یہ بھائی ہمارے پاس توبہ کر کے آئے ہیں۔ اور میں یہ مناسب سمجھتا ہوں کہ ان کے قیدی ان کو واپس دے دوں، لہٰذا جو شخص تم میں سے تبرکاً ایسا کرے وہ دے دے۔ اور جو شخص تم میں سے یہ چاہے کہ وہ اپنے حصے پر قائم رہے یہاں تک کہ ہم سب سے پہلے اُسے معاوضہ دے دیں تو وہ اس شرط پر دے دے، لوگوں نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ بلا معاوضہ ہم اسے منظور کرتے ہیں رسول اللہؐ نے فرمایا، میں نہیں جانتا کہ تم میں سے کس نے منظور کیا اور کس نے نامنظور لہٰذا تم لوگ واپس جاؤ اور تمھارے سردار تمھارا پیغام میرے پاس لائیں۔ چنانچہ سب لوگ لوٹ گئے اور اُن سے ان کے سرداروں نے گفتگو کی، پھر وہ رسول اللہ کے پاس آئے۔ اور آپؐ سے بیان کیا کہ وہ لوگ بخوشی منظور کرتے ہیں۔

علم

ہمیشہ آپ مالِ غنیمت سے زیادہ جس چیز پر زور دیتے تھے وہ تھی ہدایت:

"حضرت سہل بن سعد سے روایت ہے کہ انھوں نے رسول اللہؐ کو خیبر کے دن یہ کہتے سنا کہ آپ میں جھنڈا اس شخص کو دوں گا جس کے ہاتھ پر فتح ہو گی"۔ پس اس پر صحابہ (اس) امید میں کھڑے ہو گئے کہ ان میں سے جھنڈا کس کو ملتا ہے؟ چنانچہ دوسرے دن ہر شخص یہی امید کرتا رہا کہ جھنڈا مجھے عطا ہو گا؟ مگر آپ نے فرمایا علیؓ

کہاں ہیں؟ کسی نے کہا ان کی آنکھوں میں درد ہے۔ آپؐ نے حکم دیا تو وہ آپ کے سامنے بلائے گئے۔ آپؐ نے ان کی آنکھوں میں لعاب (دہن) لگا دیا جس سے وہ فوراً اچھے ہو گئے گویا ان کو کچھ شکایت ہی نہ تھی۔ پھر حضرت علیؓ نے کہا۔ ہم ان کافروں سے جنگ کریں گے حتیٰ کہ وہ ہماری مثل ہو جائیں۔ آپ نے فرمایا آہستگی کرو، جب تم میدان میں جاؤ تو پہلے انھیں اسلام کی دعوت دینا اور جو ان پر فرض ہے اس سے ان کو آگاہ کرنا۔ سو قسم ہے خدا کی تمھاری وجہ سے ایک شخص بھی ہدایت پا جائے تو وہ تمھارے لئے سُرخ اونٹوں سے بھی بہتر ہے۔

۱۹

ماٰخذ:

۱: سورۂ حم سجدہ آیت ۳۴
۲: تفسیر خازن ج ۶ ص ۹۴
۳: معالم التنزیل، ص ۹۴
۴: سورۂ حج آیت ۳۹
۵: " شوریٰ " ۳۹
۶: " حج " ۴۰
۷: تفسیر کشاف (زمخشری) ج ۳ ص ۱۲۰
۸: سورۂ حج آیت ۴۱
۹: " مائدہ " ۲
۱۰: تفسیر کشاف (زمخشری) ج ۱ ص ۲۰۳
۱۱: سورۂ بقر آیت ۱۹۳
۱۲: " شوریٰ " ۴۰
۱۳: " انفال " ۶۱
۱۴: " محمد " ۴
۱۵: صحیح بخاری باب اطعام الطعام
۱۶: " کتاب الجہاد
۱۷: " " "
۱۸: " کتاب الوکالۃ
۱۹: صحیح بخاری کتاب المغازی

---

(۸)

عدل و احسان

مشرکوں اور کافروں کے ساتھ

اسلام کفر و شرک کے خلاف ایک مستقل اعلانِ جنگ ہے۔ وہ اس لئے آیا ہے کہ کفر کو ختم کر دے اور شرک کو مٹا دے۔ وہ انسان اور خالق کا ٹوٹا ہوا رشتہ جوڑنے کے لئے ظہور پذیر ہوا۔ اسلام سے پہلے دنیا دو کیمپوں میں بٹی ہوئی تھی کافر اور مشرک۔ کافر وہ تھے جنھوں نے ادیان و صحفِ سابقہ کو مسخ کر دیا، وہ اپنی اس روش پر ذرا بھی نادم نہ تھے۔ اگر کوئی ان کی غلطی اور غلط روی واضح کرتا تو وہ اس کی جان کے گاہک ہو جاتے حق کے ماننے سے انکار کرتے تھے اسی لئے کافر کہلائے۔ مشرک وہ تھے جنھوں نے خدا کو چھوڑ کر خدا کے بنائے ہوئے مظاہر مناظر اور خشت و سنگ، شجر و حجر، بحر و بر کی پرستش شروع کر دی تھی۔ انھوں نے خود اپنے ہاتھ سے بُت بنائے اور ان کے سامنے سر جھکا لیا۔ انھوں نے خود صنم تراشی کی اور ان کے سامنے سربسجود ہو گئے۔

اسلام کافروں اور مشرکوں دونوں کے لئے حق کا پیام لے کر آیا، کافروں

نے اپنے ادیان وصحف میں جو تبدیلیاں کر دی تھیں اس نے ان کی نشان دہی کی اور بتایا کہ تمھارے مذہب کا عطر اور جوہر میرے پاس ہے مشرکوں کو اس نے دعوت دی کہ اصنام کی اور مظاہر کی اور مناظر کی پرستش چھوڑ دو، اسے پوجو جس نے یہ کائنات پیدا کی ہے، جو تمھیں عالمِ وجود میں لایا ہے جس کے اذن کے بغیر ذرّہ تک اپنی جگہ سے جنبش نہیں کر سکتا۔ یہ جھلملاتے ہوئے تارے جنھیں تم پوجتے ہو اسی کے بنائے ہوئے ہیں، یہ چمکتا ہوا چاند جس کے سامنے تم سر جھکاتے ہو اسی نے پیدا کیا ہے۔ یہ دہکتا ہوا سورج جس کو تم نے اپنا معبود بنالیا ہے اسی کی قدرتِ کاملہ کا ثبوت ہے۔ یہ پتھر اور مٹی کے کھلونے جنھیں گھر میں اور مندر میں رکھ کر تم یہ سمجھتے ہو کہ دیدارِ خداوندی سے شادکام ہو گئے اسی کی پیدا کی ہوئی مٹی اور پتھر کے بے حقیقت ٹکڑے ہیں، ان سب کو چھوڑ دو اور اس خدائے واحد کی پرستش کرو جو فاطر السموات و الارض ہے۔

اسلام کی یہ دعوت کافروں اور مشرکوں کے لئے ایک چیلنج تھی۔ جس راستے پر صدیوں سے وہ چل رہے تھے، جو راستہ آباو اجداد سے وراثت میں انھیں ملا تھا، جس راستے کے وہ خوگر اور عادی ہو چکے تھے اسے چھوڑنا آسان نہ تھا۔ اُسے چھوڑنے کے معنی یہ تھے کہ اس سوسائٹی کو چھوڑ دیں جس میں ان کی نشوونما ہوئی تھی۔ اس قوم سے ترک تعلق کر لیں جس میں وہ پروان چڑھے تھے۔ اس خاندان سے منہ موڑ لیں جہاں شعور و بلوغ کی منزلیں انھوں نے طے کی تھیں۔ ان ماں باپ بھائی بہن، بیوی اور بیٹی سے رشتہ منقطع کر لیں جنھیں وہ جان سے زیادہ عزیز رکھتے تھے۔ اس سرداری اس مشیخت اس عزت اور عظمت سے ہاتھ دھولیں جو ذاتی یا خاندانی طور پر انھیں حاصل تھی۔ اور ظاہر ہے اس کے لئے وہ کسی قیمت پر تیار نہیں ہو سکتے تھے۔ توحید کا ہر نعرہ ان کے دل پر گھونسہ بن کے

لگتا تھا۔ اسلام کی ہر دعوت انھیں اپنے لئے پیامِ موت نظر آتی تھی۔ داعیٔ اسلام کی ہر پکار میں وہ اپنی تباہی و بربادی کا سامان دیکھتے تھے۔ وہ اسلام کے دشمن تھے، داعیٔ اسلام کے دشمن تھے، دعوتِ اسلام کے دشمن تھے اور خود اسلام بھی ان کا دوست نہ تھا۔ اس لئے کہ وہ ان سے ان کی ہر محبوب چیز چھین لینا چاہتا تھا۔

گویا جس آن اسلام کی دعوت کا آغاز ہوا اسی لمحے میں اسلام اور کفر و شرک کے مابین جنگ کا آغاز ہو گیا۔ یہ ناقابلِ مفاہمت جنگ تھی، اس میں سمجھوتہ کا کوئی سوال ہی نہیں تھا۔ لازمی طور پر یہ جنگ اس لئے لڑی جا رہی تھی کہ دو میں سے کسی ایک کو ختم ہو جانا چاہئے۔ بیک وقت دونوں کے زندہ رہنے کا کوئی امکان نہیں۔

لیکن اسلام نے یہ جنگ کس طرح لڑی؟ تاریخِ مذاہب کا یہ نہایت عظیم المرتبت اور ناقابلِ فراموش باب ہے۔

دنیا کی تاریخ ہمارے سامنے ہے۔ ہمیں معلوم ہے کہ ایک مذہب نے دوسرے مذہب کو ختم کرنے کے لئے ظلم و ستم کا کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا۔ یہودیوں نے عیسائیوں پر جو مظالم توڑے، انھیں کون نہیں جانتا، بت پرستوں نے عیسائیوں کو جس طرح تباہ و برباد کیا تاریخ کا ہر طالب علم اس سے واقف ہے اور پھر یہی بت پرست جب عیسائی بنے تو انھوں نے نوک سنگین نئے مذہب کو فروغ دیا۔ اور پرانے مذہب کو تلوار سے ذبح کر ڈالا۔

اسلام کفر و شرک کا استیصال کرنے آیا تھا لیکن جبر و جور کے ذریعے نہیں افہام و تفہیم کے ذریعے۔ اس نے صاف الفاظ میں اعلان کر دیا:

لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ قَدْ تَّبَيَّنَ	دین میں کوئی زبردستی نہیں، گمراہی سے
الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ ج فَمَنْ يَّكْفُرْ	ہدایت الگ ظاہر ہو چکی ہے۔ پس جو
بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْ بِاللّٰهِ فَقَدِ	جھوٹے معبودوں کو نہ مانے اور اللہ پر ایمان

اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰی ج لَا انْفِصَامَ لَهَا ط وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ○ لائے تو اس نے مضبوط رسی پکڑلی جو ٹوٹنے والی نہیں۔ اور وہ سب کچھ سنتا ہے اور جانتا ہے۔ ؂

اسلام نے اور زیادہ صاف اور واضح الفاظ میں اپنے رسول ؐ کی زبان سے اعلان کرا دیا:

وَلَا اَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدْتُّمْ ○ وَلَا اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَا اَعْبُدُ ○ لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ ○ اور نہ میں اس کی پرستش کروں گا جس کی تم پرستش کرتے ہو اور نہ تم اس کی پرستش کروگے جس کی میں پرستش کرتا ہوں۔ تم کو تمہارا دین اور مجھ کو میرا دین۔ ؂

اس نے یہ بھی بتا دیا کہ اگر کوئی شخص راہِ ہدایت قبول کرتا ہے تو اپنے لئے، نہیں قبول کرتا تو خود ہی گھاٹے میں رہے گا۔ اسلام کی دعوت دینے والا ان کا پاسبان تو نہیں ہے کہ زبردستی راہِ اسلام پر انھیں گامزن کردے:

فَمَنْ اَبْصَرَ فَلِنَفْسِهٖ ج وَمَنْ عَمِيَ فَعَلَيْهَا ط وَمَا اَنَا عَلَيْكُمْ بِحَفِيْظٍ ○ پھر جو دیکھے تو اپنے لئے اور اندھا ہو جائے تو اس کا نقصان اس کی جان پر ہے اور میں تم لوگوں کا محافظ تو نہیں ہوں۔ ؂

اسلام کی دعوت کا جب کوئی نتیجہ نہ نکلتا، کافر اور مشرک اپنی وضع پر قائم رہتے تو قدرۃً داعیٔ اسلام ؐ کو اس سے صدمہ پہنچتا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی دل دہی کرتے ہوئے فرمایا: تمہارا کام یہ ہے کہ لوگوں کو راہِ حق کی طرف بلاتے رہو۔ ان کے خواہشات کی پیروی نہ کرو، اپنے ایمان پر قائم رہو اور ان سے صاف الفاظ میں کہہ دو ہم اپنے اعمال کے ذمہ دار ہیں تم اپنے اعمال کے پھر جھگڑا کیسا؟ آخر ہم سب خدا کے پاس لوٹ کر جائیں گے اور وہاں معلوم ہو جائے گا کہ حق پر کون تھا اور باطل پر کون!

فَلِذٰلِكَ فَادْعُ ۚ وَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ ۚ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ ۚ وَقُلْ اٰمَنْتُ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنْ كِتٰبٍ ۚ وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَيْنَكُمْ ۖ اَللّٰهُ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ ۖ لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ۖ لَا حُجَّةَ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ ۖ اَللّٰهُ يَجْمَعُ بَيْنَنَا ۚ وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ۝

تو تو اسی کی طرف بلاتا رہ اور جیسا تجھے حکم دیا گیا ہے اس پر قائم رہ اور ان کی خواہشوں پر نہ چل اور کہہ دے جو کتاب خدا نے اتاری ہے میرا تو اس پر ایمان ہے اور مجھ کو حکم ملا ہے کہ تمہارے درمیان انصاف کروں۔ اللہ ہی ہمارا پروردگار ہے اور تمہارا پروردگار ہے ہمارے اعمال ہمارے لئے اور تمہارے اعمال تمہارے لئے ہم میں اور تم میں کوئی جھگڑا نہیں۔ اللہ ہی ہم کو جمع کرے گا اور اسی کی طرف جانا ہے۔

نہ صرف کافروں اور مشرکوں کے ساتھ کسی طرح کے جبر و جور کی اجازت نہیں بلکہ معبودانِ باطل کو برا بھلا کہنے کی بھی اجازت نہیں۔ قرآن کا حکم ہے:

وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًاۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۗ

اور تم مسلمان ان کے معبودوں کو جن کو وہ خدا کے سوا پکارتے ہیں برا نہ کہو کہ وہ سرکشی سے بے سمجھے اللہ کو برا کہیں گے۔

مشرکوں کے مقابلے میں اہلِ کتاب کو اللہ تعالیٰ ترجیح دیتا ہے اس لئے کہ کافروں کی گمراہی مشرکوں سے بہرحال کم ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوا:

وَلَا تُجَادِلُوْٓا اَهْلَ الْكِتٰبِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ

اور اہلِ کتاب کے ساتھ شائستہ طریقے سے ہی مباحثہ کیا کرو۔

صرف یہی نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مشرکوں کے مقابلے میں کافروں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے کی تلقین کی ہو۔ بلکہ اور بھی کئی طریقوں سے ان کا پلہ مشرکین پر بھاری رکھا ہے

یہاں تک کہ اُن کا ذبیحہ بھی جائز قرار دیا ہے، حالانکہ ذبیحہ کے معاملے میں اسلام کے احکام و ہدایات کافی سخت ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

اَلْیَوْمَ اُحِلَّ لَکُمُ الطَّیِّبٰتُ ؕ وَ
طَعَامُ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ حِلٌّ
لَّکُمْ وَطَعَامُکُمْ حِلٌّ لَّهُمْ ؗ ۵

آج تمہارے لئے پاکیزہ چیزیں حلال کی گئیں اور جن کو کتاب دی گئی ہے اُن کا کھانا تمہارے لئے حلال ہے۔ اور تمہارا ان کے لئے۔

صرف یہی نہیں کہ اہلِ کتاب کا ذبیحہ جائز قرار دیا ہو، بلکہ کتابیہ عورتوں کو پاکدامن بھی قرار دیا ہے اور مسلمانوں کو ان سے نکاح کی اجازت بھی دے دی ہے:

وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الْمُؤْمِنٰتِ
وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ
مِنْ قَبْلِکُمْ ۝ ۵

اور مسلمان پاکدامن عورتیں اور اُن میں سے پاک دامن عورتیں جن کو تم سے پہلے کتاب دی گئی ہے (نکاح کیلئے روا ہیں)

لیکن انسانی حقوق اور مراعات کا جہاں تک تعلق ہے مشرکین کو بھی محروم نہیں رکھا ہے اور صاف الفاظ میں فرما دیا ہے کہ اگر مشرکین تم سے عہد نبھانا چاہتے ہیں تم پر زیادتی نہیں کرتے، تمہارے خلاف دشمنوں کا ساتھ نہیں دیتے تو ان کے ساتھ تمہیں بھی عہد و میثاق کا خیال رکھنا چاہیے:

اِلَّا الَّذِیْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِکِیْنَ
ثُمَّ لَمْ یَنْقُصُوْکُمْ شَیْئًا وَّلَمْ یُظَاهِرُوْا
عَلَیْکُمْ اَحَدًا فَاَتِمُّوْۤا اِلَیْهِمْ عَهْدَ
هُمْ اِلٰی مُدَّتِهِمْ ۝

مگر جن مشرکوں سے تم نے عہد کیا پھر انھوں نے (اپنا عہد نباہنے میں) تم سے کچھ کوتاہی نہیں کی، تو اُن سے اُن کی مدت مقررہ تک ان کا عہد پورا کرو۔

مشرکین نے اسلام کی دعوت ناکام بنانے کے لئے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا عقائد کے لحاظ سے بھی اُن کی پستی انتہا کو پہنچی ہوئی تھی۔ لیکن اس کے باوجود اسلام نے

ان کے ساتھ بھی پابندیٔ عہد کو لازمی قرار دیا ہے ۔ گو انھیں وہ حد درجہ ناپسند کرتا ہے :۔

كَيْفَ يَكُوْنُ لِلْمُشْرِكِيْنَ عَهْدٌ عِنْدَ اللّٰهِ وَعِنْدَ رَسُوْلِهٖٓ اِلَّا الَّذِيْنَ عَاهَدْتُّمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ فَمَا اسْتَقَامُوْا لَكُمْ فَاسْتَقِيْمُوْا لَهُمْ ۝

سلہ

مشرکین کے لئے اللہ کے نزدیک اور اس کے رسول کے نزدیک عہد کس طرح ہو سکتا ہے مگر جن کے ساتھ تم نے مسجد الحرام کے پاس عہد کیا ہے ، وہ جب تک تمھارے ساتھ اپنے عہد پر قائم رہیں تم بھی ان کے ساتھ (اپنے عہد پر) قائم رہو ۔

بلکہ ایک قدم اور آگے بڑھ کر یہ تک کہتا ہے کہ جنھوں نے تم سے مقاتلہ نہ کیا ہو ، تمھیں تمھارے گھروں سے نہ نکالا ہو ، ان کے ساتھ بیشک تم اچھا سلوک کر سکتے ہو ، اور ضرور تمھیں ان کے ساتھ منصفانہ برتاؤ کرنا چاہیئے ، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں کو دوست اور عزیز رکھتا ہے :

لَا يَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْٓا اِلَيْهِمْ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ۝

للہ

خدا تمھیں ان لوگوں کے بارے میں جو تم سے دین میں نہیں لڑے اور تم کو تمھارے گھروں سے نہیں نکالا گیا اس بات سے نہیں روکتا کہ ان سے نیک سلوک کرو اور ان سے منصفانہ برتاؤ کرو ، کچھ شک نہیں کہ خدا انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے ۔

البتہ اگر قابلِ وثوق ذرائع سے یہ پتہ چل جائے کہ دشمن خیانت کرنے والا ہے یعنی عہد و میثاق کو توڑنے کی تیاریاں کر رہا ہے تو تم بھی ترکی بہ ترکی جواب دے

سکتے ہو لیکن برابر سے، زیادتی کے ساتھ نہیں۔

وَاِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِيَانَةً فَانْبِذْ اِلَيْهِمْ عَلٰى سَوَاءٍ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْخَائِنِيْنَ ٥

اور تجھے کسی قوم کی طرف سے خیانت کا اندیشہ ہو تو برابری کی حالت میں ان کی طرف ان کے عہد کو پھینک دے۔ بیشک اللہ خیانت کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا

۱۲

کافروں اور مشرکوں پر پیش دستی کی اسلام اجازت نہیں دیتا۔ وہ ان سے مقابلہ کرنے کی اسی وقت اجازت دیتا ہے جب وہ خود پہل کریں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ وَاَخْرِجُوْهُمْ وَالْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ ج وَلَا تُقَاتِلُوْهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتّٰى يُقَاتِلُوْكُمْ فِيْهِ ج فَاِنْ قٰتَلُوْكُمْ فَاقْتُلُوْهُمْ ط كَذٰلِكَ جَزَاءُ الْكٰفِرِيْنَ ٥

اور ان کو جہاں پاؤ قتل کرو اور جہاں سے انھوں نے تم کو نکالا ہے تم ان کو نکالو اور فتنہ قتل سے بھی زیادہ سخت ہے اور ان سے مسجد الحرام کے پاس نہ لڑو۔ جب تک وہ تم سے اس میں نہ لڑیں۔ پھر اگر وہ تم سے لڑیں تو انھیں قتل کرو یہی قاتلوں کی سزا ہے

۱۳

لیکن جنگ وپیکار کی اس اجازت کے باوجود اسلام نے یہ پابندی بھی عائد کی ہے کہ اگر دشمن صلح کرنا چاہے تو اس سے صلح کر لو، لڑائی اسی وقت تک ہے جب تک وہ آمادۂ جنگ ہے، دشمنی اسی وقت تک ہے جب تک وہ درپئے آزار ہے۔ لیکن اگر وہ ہتھیار ڈال دیتا ہے یا اپنی غلطی محسوس کر لیتا ہے یا اپنے آپ کو ناچار اور بے بس پاتا ہے اور صلح کر کے اپنی جان و مال بچا لے جانا چاہتا ہے تو پھر تمھاری سختی کو نرمی سے بدل جانا چاہئے، تم بھی اپنی تلوار میان میں کر لو، اور

درخواستِ صلح بے تامل قبول کرلو۔ کہ یہی تقاضائے انسانیت اور شیوۂ شرافت ہے:

اِلَّا الَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ اِلٰى قَوْمٍ
بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ
اَوْ جَآءُوْكُمْ حَصِرَتْ صُدُوْرُهُمْ
اَنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ اَوْ يُقَاتِلُوْا
قَوْمَهُمْ ۭ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَسَلَّطَهُمْ
عَلَيْكُمْ فَلَقٰتَلُوْكُمْ ۚ فَاِنِ اعْتَزَلُوْ
كُمْ فَلَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ وَاَلْقَوْا
اِلَيْكُمُ السَّلَمَ ۙ فَمَا جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ
عَلَيْهِمْ سَبِيْلًا ○

مگر وہ لوگ جو ان لوگوں سے جاملیں کہ تمھارے
اور ان کے درمیان عہد تھا یا وہ تمھارے
پاس ایسی صورت سے آئیں کہ ان کے دل
اس بات سے تنگ ہوں کہ وہ تم سے لڑیں
یا اپنی قوم سے لڑیں مگر اللہ چاہتا تو ان کو تم
پر غالب کر دیتا پھر وہ ضرور تم سے لڑتے سو
اگر وہ تم سے کنارہ کش رہیں اور تم سے نہ لڑیں
اور تمھاری طرف صلح کا پیغام بھیجیں تو اللہ نے
تم کو ان پر الزام کی راہ نہیں دی ۔

۱۴ھ

ہم اپنی روزمرہ کی زندگی میں دیکھتے ہیں کہ فکر و نظر کا اختلاف جو ایک فطری اور قدرتی چیز ہے ہم میں سے اکثر کے لئے ناقابلِ برداشت بن جاتا ہے ۔ آزادیٔ رائے اور دیانتِ فکر کا حق ہم صرف اپنے لئے محفوظ رکھتے ہیں ۔ دوسروں کو اس سے فائدہ اٹھانے کا موقع نہیں دیتے ۔ یہ انتہا پسندی اس وقت اور زیادہ نمایاں ہوجاتی ہے جب ہم کسی مشکوک شخص کو دعویٰ اسلام کرتے دیکھتے ہیں اور بے تامل فیصلہ کر دیتے ہیں کہ اس کا یہ دعویٰ غلط ہے ۔ اور اس فیصلے کے بعد ظاہر ہے اس کا خون حلال ہوجاتا ہے اسلام اس روش کو قطعاً ناپسند کرتا ہے :

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰٓى اِلَيْكُمُ السَّلٰمَ
لَسْتَ مُؤْمِنًا ۚ ۱۵ھ

اور ایسے شخص کو جو تمھیں سلام کرے یہ
نہ کہہ دیا کرو کہ تو مسلمان نہیں ہے ۔

اس جگہ سلام کے معنی تحیۃ کے ہیں۔ یعنی اگر کسی شخص نے پناہ یا نجات حاصل کرنے کے لئے تمھیں تحیۃ کہی ہے تو اسے نشانۂ شمشیر مت بناؤ، بلکہ اسے ہلاک کرنے سے باز آجاؤ۔ اور جو کچھ وہ کہہ رہا ہے اسے مان لو۔

ایک روایت یہ ہے کہ سلام کرنے سے مراد اسلام قبول کرنا ہے، اگر کوئی شخص محض ظاہری طور پر بھی دعوائے اسلام کرے کلمۂ شہادت پڑھے اور السلام کہے تو اسے جھٹلاؤ مت نہ یہ کہو کہ تو مسلمان نہیں ہے۔

چنانچہ علماء کی رائے ہے کہ اگر اہل غزا کسی شہر یا قصبہ کے لوگوں کو (ظاہری طور پر بھی) شعائر اسلام پائیں تو واجب ہے کہ ان سے درگزر کریں۔ اور ان پر کسی طرح کی غارت گری نہ کریں۔ جیسا کہ عصام المزنی سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم جب کوئی جیش یا سریہ بھیجتے تھے تو فرماتے تھے:

"اگر تمھیں کوئی مسجد نظر آئے یا تم مؤذن کو اذان دیتے ہوئے سنو تو خبردار کسی کو قتل نہ کرنا"

اس حدیث کی تخریج ابوداؤد اور ترمذی نے کی ہے۔

آگے چل کر اللہ نے بتایا ہے:

فعند اللہ مغانم کثیرۃ

یعنی اللہ تعالیٰ کے پاس مغانم کثیرہ ہیں۔

وہ تمھیں دنیاوی مال غنیمت سے یہ مغانم کثیرہ دے کر بے نیاز کرسکتا ہے لہٰذا جو اسلام کا اظہار کرے اور اسلام کے دامن میں پناہ لینا چاہے اسے قتل مت کرو۔

مذکورہ آیت کے معنی بعض مفسرین نے یہ بھی بتائے ہیں کہ "مغانم کثیرہ" کے معنی ثواب کثیرہ کے ہیں۔ اس ثواب کثیرہ سے وہ شخص بہرہ ور ہوگا جو قتل سے اپنا دامن بچائیگا۔

پھر آگے چل کر اللہ تعالیٰ نے اسی سلسلے میں ارشاد فرمایا ہے :

کذالک کنتم من قبل

یعنی پہلے تم بھی اسی طرح تھے ۔

مطلب یہ کہ جس طرح یہ شخص جس کے تم در پے قتل ہو، تمھیں سلام کہتا یعنی تمھارے سامنے اظہار اسلام کرتا ہے ۔ اور تم اس سے کہتے ہو :

" نہیں تو مومن نہیں ہے "

اور یہ کہہ کر اسے قتل کر دیتے ہو، سو تمھارا بھی یہی حال رہ چکا ہے۔ جب تک اللہ نے اپنے دینِ اسلام کو سربلند نہیں کیا تھا۔ تم بھی اپنے دین کو چھپاتے تھے جیسے یہ شخص جسے تم نے قتل کیا ہے چھپاتا تھا، کیونکہ اسے اپنی قوم سے ڈر تھا کہ وہ اعلان کے بعد در پے آزار ہو جائے گی ۔

ایک قول یہ ہے کہ کذالک کنتم کا مطلب یہ ہے کہ تم بھی اسی طرح سے اپنی قوم سے امان حاصل کیا کرتے تھے ۔ لہٰذا اب اگر کوئی اور شخص ایسا ہی کہتا ہے تو اس کی تحقیر مت کرو ۔ نہ اسے قتل کرو ۔

ایک قول یہ ہے کہ پہلے تم بھی اسی طرح مشرکین میں سے تھے، پھر اللہ نے تم پر احسان کیا ۔ راہِ ہدایت دکھائی اور تم نے اسلام قبول کر لیا ۔ لہٰذا اگر کوئی شخص تمھارے سامنے اقرار اسلام کرتا ہے اسے ہرگز مت قتل کرو ۔

ایک قول یہ بھی ہے کہ خدا نے تم پر احسان کیا کہ اختفاء کے بعد تمھیں اعلان اسلام کی توفیق دی ۔ ۵۱۲

" اس آیہ کریمہ کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص تمھارے سامنے اسلام کا اقرار کرے مالِ غنیمت کے لالچ میں اس سے یہ نہ کہو کہ نہیں تو مسلمان نہیں ہے، یہ نہ بھولو کہ

اس جگہ سلام کے معنی تحیۃ کے ہیں ۔ یعنی اگر کسی شخص نے پناہ یا نجات حاصل کرنے کے لئے تمہیں تحیۃ کہی ہے تو اسے نشانۂ شمشیر مت بناؤ، بلکہ اسے ہلاک کرنے سے باز آجاؤ ۔ اور جو کچھ وہ کہہ رہا ہے اسے مان لو ۔

ایک روایت یہ ہے کہ سلام کرنے سے مراد اسلام قبول کرنا ہے، اگر کوئی شخص محض ظاہری طور پر بھی دعوائے اسلام کرے کلمۂ شہادت پڑھے اور السلام کہے تو اسے جھٹلاؤ مت نہ یہ کہو کر تو مسلمان نہیں ہے ۔

چنانچہ علماء کی رائے ہے کہ اگر اہل غزا کسی شہر یا قصبہ کے لوگوں کو (ظاہری طور پر بھی) شعائر اسلام پر پائیں تو واجب ہے کہ ان سے درگزر کریں ۔ اور ان پر کسی طرح کی غارت گری نہ کریں ۔ جیسا کہ عصام المزنی سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم جب کوئی جیش یا سریہ بھیجتے تھے تو فرماتے تھے :

"اگر تمہیں کوئی مسجد نظر آئے یا تم مؤذن کو اذان دیتے ہوئے سنو تو خبردار کسی کو قتل نہ کرنا"

اس حدیث کی تخریج ابوداؤد اور ترمذی نے کی ہے ۔

آگے چل کر اللہ نے بتایا ہے :

فعند اللہ مغانم کثیرۃ

یعنی اللہ تعالیٰ کے پاس مغانم کثیرہ ہیں ۔

وہ تمہیں دنیاوی مال غنیمت سے یہ مغانم کثیرہ دے کر بے نیاز کرسکتا ہے لہٰذا جو اسلام کا اظہار کرے اور اسلام کے دامن میں پناہ لینا چاہے اسے قتل مت کرو ۔

مذکورہ آیت کے معنی بعض مفسرین نے یہ بھی بتائے ہیں کہ "مغانم کثیرہ" کے معنیٰ ثواب کثیرہ کے ہیں ۔ اس ثواب کثیرہ سے وہ شخص بہرہ ور ہوگا جو قتل سے اپنا دامن بچائیگا ۔

پھر آگے چل کر اللہ تعالیٰ نے اسی سلسلے میں ارشاد فرمایا ہے :

كذالك كنتم من قبل

یعنی پہلے تم بھی اسی طرح تھے ۔

مطلب یہ کہ جس طرح یہ شخص جس کے تم در پے قتل ہو، تمھیں سلام کہتا یعنی تمھارے سامنے اظہار اسلام کرتا ہے ۔ اور تم اس سے کہتے ہو :

" نہیں تو مومن نہیں ہے "

اور یہ کہہ کر اسے قتل کر دیتے ہو، سو تمھارا بھی یہی حال رہ چکا ہے جب تک اللہ نے اپنے دینِ اسلام کو سربلند نہیں کیا تھا۔ تم بھی اپنے دین کو چھپاتے تھے جیسے یہ شخص جسے تم نے قتل کیا ہے چھپاتا تھا، کیونکہ اسے اپنی قوم سے ڈر تھا کہ وہ اعلان کے بعد در پے آزار ہو جائے گی ۔

ایک قول یہ ہے کہ كذالك كنتم کا مطلب یہ ہے کہ تم بھی اسی طرح سے اپنی قوم سے امان حاصل کیا کرتے تھے ۔ لہٰذا اب اگر کوئی اور شخص ایسا ہی کہتا ہے تو اس کی تحقیر مت کرو۔ نہ اسے قتل کرو ۔

ایک قول یہ ہے کہ پہلے تم بھی اسی طرح مشرکین میں سے تھے، پھر اللہ نے تم پر احسان کیا۔ راہِ ہدایت دکھائی اور تم نے اسلام قبول کر لیا ۔ لہٰذا اگر کوئی شخص تمھارے سامنے اقرار اسلام کرتا ہے اسے ہرگز مت قتل کرو ۔

ایک قول یہ بھی ہے کہ خدا نے تم پر احسان کیا کہ اختفار کے بعد تمھیں اعلانِ اسلام کی توفیق دی ۔ ۵۱۲

" اس آیہ کریمہ کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص تمھارے سامنے اسلام کا اقرار کرے مالِ غنیمت کے لالچ میں اس سے یہ نہ کہو کہ نہیں تو مسلمان نہیں ہے ، یہ نہ بھولو کہ

خدا کے پاس غنائم کثیرہ موجود ہیں اور دنیا کے متاع و منافع کی کیفیت تو یہ ہے کہ انھیں قرار و ثبات نہیں۔

سعید بن جبیر کہتے ہیں کہ: پہلے تم بھی مشرکین سے اسی طرح اپنا ایمان چھپایا کرتے تھے۔ پھر اللہ نے ازراہِ احسان تمھیں اظہارِ اسلام کا حوصلہ دیا۔ وہ وقت نہ بھولو۔

قتادہ کا قول ہے کہ:

اس سے پہلے تم بھی تو گمراہ تھے۔ پھر اللہ نے راہِ ہدایت دکھا کر تم پر احسان کیا:

۱۷ھ

ضروری ہے کہ اب احادیثِ صحیحہ کی روشنی میں بھی اس موضوع پر ایک نظر ڈال لی جائے۔

کافروں اور مشرکوں کے ساتھ بھی آپؐ کی شفقت و رافت کا کیا عالم تھا؟ اس کا اندازہ ذیل کے واقعے سے ہوگا:

حضرت عبداللہ بن عمر رسول اللہؐ سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا:

"جس نے کسی معاہد کو قتل کیا وہ جنّت کی خوشبو بھی نہیں سونگھ سکے گا اور جنّت کی خوشبو چالیس برس کی مسافت سے سنگھائی دیتی ہے۔

۱۸ھ

ایک اور اسوۂ حسنہ:

حضرت مقداد بن عمر کندی سے جو حلیف بنی زہرہ تھے اور بدر میں رسول اللہؐ کے ہمراہ تھے سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہؐ سے عرض کیا کہ اگر میں کسی کافر سے لڑوں اور ہم آپس میں لڑیں کہ وہ میرا ایک ہاتھ تلوار سے اڑا دے۔ پھر مجھ سے (ڈر

کر) ایک درخت کی پناہ لے اور کہے میں خدا پر اسلام لایا۔ تو اسے اس قول کے بعد ماروں یا نہ ماروں ؟ آپ نے فرمایا اسے مت مارو۔ میں نے عرض کیا یارسول اللہؐ ! اس نے میرا ایک ہاتھ کاٹ دیا اور پھر اس کے کاٹنے کے بعد یہ کہا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا۔ اسے ہرگز نہ مارو۔ اگر تو نے اسے مار دیا تو وہ تیری جگہ شمار ہوگا جیسا تو اس کے مارنے سے پہلے تھا۔

۱۹؎

کافروں اور مشرکوں کی بربادی بھی آپ کو گوارا نہ تھی۔

حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ میں نے آپؐ سے پوچھا کہ آپؐ پر یوم احد سے سخت دن بھی کبھی آیا ہے ؟ فرمایا تمھاری قوم کے ہاتھوں سب سے زیادہ سخت ایذا میں نے یوم عقبہ کے موقع پر اس دن اٹھائی ہے جب میں نے اپنے آپ کو ابن عبدیالیل بن عبدکلال کے آگے پیش کیا۔ اس نے میری بات کا کوئی جواب نہ دیا۔ میں وہاں سے رنجیدہ ہوکر لوٹا۔ ابھی مجھے افاقہ بھی نہ ہوا تھا کہ میں قرب ثعالب میں پہنچ گیا، میں نے وہاں سر رکھ دیا۔ اتنے میں ایک ابر کا ٹکڑا مجھ پر سایہ فگن ہوگیا۔ میں نے نگاہ اٹھا کر دیکھا تو جبرئیل موجود تھے۔ انھوں نے مجھے آواز دی کہ آپؐ کی قوم کی باتیں اور ان کا جواب اللہ نے سن لیا۔ اور آپؐ کے پاس ملک الجبال (فرشتۂ کوہ) کو بھیجا ہے کہ آپؐ جو کچھ اس کو ان ظالموں کے بارے میں حکم فرمائیں وہ اسے بجالائے، پھر خود ملک الجبال نے آواز دی اور مجھے سلام کرکے کہا کہ اللہ نے آپؐ کی قوم کی باتیں سن لی ہیں۔ میں ملک الجبال ہوں جسے اللہ نے آپؐ کی خدمت میں بھیجا ہے تاکہ آپؐ مجھے کوئی حکم دیں، بتائیے آپ کیا چاہتے ہیں ؟ اگر آپ پسند کریں تو میں مکہ کی دونوں پہاڑیوں (جبل ابوقبیس اور جبل احد) سے ان کو کچل دوں ؟ حضورؐ نے جواب میں فرمایا۔ مجھے یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں کے صلب سے ایسے لوگوں کو پیدا فرمائے گا جو صرف اللہ کی

عبادت کریں اور کسی شے کو اس کا شریک نہ کریں۔

۲۰ھ

کافروں کے ساتھ بھی اقدارِ انسانی کا پورا لحاظ آپؐ فرماتے تھے۔

"حضرت اسماء بنت ابی بکر فرماتی ہیں کہ میری ماں میرے پاس مع اپنے والد کے آئیں، حالانکہ وہ مشرکہ تھیں۔ یہ اس زمانہ کا واقعہ ہے کہ جب قریش سے (ترکِ مقاتلہ کا) معاہدہ تھا۔ پس میں نے رسول اللہؐ سے فتویٰ پوچھا۔ میں نے کہا میری ماں میرے پاس آئی ہیں کیا میں ان کے ساتھ کچھ سلوک کروں آپؐ نے فرمایا:

ہاں اپنی ماں کے ساتھ (اچھا) سلوک کر۔

۲۱ھ

عورت خواہ کافر ہو یا مشرک اس کا قتل آپؐ پسند نہیں فرماتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ میں نے ایک غزوہ میں ایک عورت کو مقتول پایا۔ پس رسول اللہؐ نے عورتوں اور بچوں کے قتل کو (میدانِ جنگ میں) منع فرمایا۔

۲۲ھ

ماخذ:

۱:	سورۂ بقرہ	آیت ۲۵۶	۶:	سورۂ عنکبوت	آیت ۱۴۲
۲:	" کافرون	" ۴-۵	۷:	" مائدہ	" ۵
۳:	" انعام	" ۱۰۵	۸:	" "	" ۵
۴:	" شوریٰ	" ۱۵	۹:	" توبہ	" ۴
۵:	" انعام	" ۱۰۹	۱۰:	" "	" ۷

۱۱: سورۂ ممتحنہ آیت ۸
۱۲: " انفال " ۵۸
۱۳: " بقرہ " ۹۱
۱۴: " نساء " ۹۰
۱۵: " " " ۹۴
۱۶: تفسیر خازن ج ۱، ص ۴۸۲
۱۷: معالم التنزیل (بغوی)
۱۸: صحیح بخاری باب فضل الجہاد
۱۹: " " "
۲۰: " " کتاب بدء الخلق
۲۱: " " کتاب العلم
۲۲: " " کتاب المغازی

(۹)

عدل و احسان منافقوں اور مرتدوں کے ساتھ

کسی جماعت میں ایسے لوگوں کا وجود حد درجہ خطرناک سمجھا جاتا ہے جو اس میں مخصوص مقاصد کے ماتحت شریک ہوں اور جماعت میں شریک ہو کر دوسرے مخلصین میں بد دلی پیدا کرنے کے موجب بنیں، یہ لوگ ایک سوچی سمجھی اسکیم کے ماتحت اپنے پروگرام پر عمل کرتے ہیں۔ کچھ وہ ہوتے ہیں جو جماعت میں شریک ہو کر اس سے الگ ہو جاتے ہیں اور اس طرح شرکائے جماعت میں یہ تاثر پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ اگر جماعت میں کوئی خاص کوتاہی یا خرابی نہ ہوتی تو یہ لوگ شریک ہونے کے بعد پھر کیوں واپس ہوتے؟ اصطلاح میں انھیں مرتد کہتے ہیں۔ دوسرے وہ لوگ ہوتے ہیں جو جماعت سے الگ تو نہیں ہوتے اس میں شریک رہتے ہیں، لیکن قدم قدم پر نکتہ چینیاں، مزاحمت مخالفانہ پروپیگنڈا اور جماعت کے مخلصین میں کم حوصلگی اور بد دلی پیدا کرنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں، یہی لوگ منافق کہلاتے ہیں۔

اسلام کو مرتدین اور منافقین دونوں سے سابقہ پڑا۔ لیکن چونکہ وہ دینِ حق تھا

اسے اپنی صداقت پر اعتماد اور اپنے پیروؤں اور متبعین کے اخلاص پر بھروسہ تھا اس لیے اس نے نہ مرتدین کے ساتھ وہ سلوک کیا جو میدانِ جنگ سے بھاگنے والے سپاہی کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ نہ منافقین کے ساتھ وہ برتاؤ کیا جو جاسوسوں کے ساتھ روا رکھا جاتا ہے۔ اس نے دونوں کو ان کے حال پر چھوڑ دیا۔ ان کے لیے کوئی دنیاوی سزا تجویز نہیں کی۔ البتہ انھیں یہ بتا دیا کہ ان کی یہ روش خود ہی ان کے لیے مضر ہے۔ اور جب ہر شخص کے ہاتھ میں اس کا نامۂ اعمال ہوگا تو وہ محسوس کریں گے کہ انھوں نے مسلمانوں کو اور اسلام کو تو کوئی خاص نقصان نہیں پہنچایا، لیکن خود کہیں کے نہ رہے۔

قرآنِ مجید میں کئی مقام پر مرتدین کا ذکر آیا ہے جہاں ان کے ننگِ انسانیت حرکات پر اظہارِ ملامت کیا گیا وہاں یہ بھی بتا دیا گیا کہ آخرت میں ان کے ساتھ وہی سلوک کیا جائے گا جس کے وہ مستحق ہیں۔ باقی دنیا میں ان کے افعالِ شنیعہ سے درگزر کرو۔ انھیں بھی اسی طرح معاف کر دو جس طرح دوسرے قابو یافتہ دشمنوں کو معاف کرنے کی تمھیں ہدایت کی گئی ہے۔

وَدَّ كَثِيرٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَوْ يَرُدُّونَكُم مِّن بَعْدِ إِيمَانِكُمْ كُفَّارًا حَسَدًا مِّنْ عِندِ أَنفُسِهِم مِّن بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ ۖ فَاعْفُوا وَاصْفَحُوا حَتَّىٰ يَأْتِيَ اللَّهُ بِأَمْرِهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝ [1]

اور اہلِ کتاب (یہود) میں سے بہتیرے باوجود اس کے کہ ان پر حق ظاہر ہو چکا ہے، یہ چاہتے ہیں کہ تم کو تمھارے ایمان لانے کے بعد کافر کر ڈالیں محض حسد کی وجہ سے جو ان کے دلوں میں جوش مارتی ہے، سو تم معاف کرو اور درگزر کرو یہاں تک کہ اللہ اپنا حکم بھیج دے۔ اللہ بیشک ہر چیز پر قادر ہے۔

ایک اور آیت میں اور زیادہ بسط و تفصیل کے ساتھ کافروں اور مرتدوں کی ذہنیت

اور مقاصد مشئومہ پر روشنی ڈالی گئی ہے اور بتایا گیا ہے کہ یہ کافر ہمیشہ تم سے برسرِ جنگ رہتے ہیں، ان کی کوشش یہ ہے کہ تم اسلام سے منحرف ہو جاؤ اور اپنا دین چھوڑ دو، لیکن جو شخص اپنے دین سے پھر جائے تو اس نے جتنے کچھ کام بھی کئے ہیں جن کا دنیا میں کچھ صلا یا آخرت میں کچھ اجر مل سکتا ہے وہ سب اکارت جائیں گے ۔ یہ لوگ جہنم میں ڈال دیئے جائیں گے ۔ اور ہمیشہ وہیں رہیں گے :

وَلَا يَزَالُوْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ حَتّٰى يَرُدُّوْكُمْ عَنْ دِيْنِكُمْ اِنِ اسْتَطَاعُوْا ط وَمَنْ يَّرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ فَاُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ج وَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ج هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝ ع٢

اور یہ کفار تم سے ہمیشہ جنگ رکھیں گے ۔ اس غرض سے کہ اگر قابو پا دیں تو تم کو تمھارے دین سے پھیر دیں اور جو شخص تم میں سے اپنے دین سے پھر جاوے تو ایسے لوگوں کے اعمال دنیا اور آخرت میں سب غارت ہو جاتے ہیں اور ایسے لوگ دوزخی ہوتے ہیں یہ لوگ دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے ۔

ایک اور موقع پر مرتدین کا ذکر کرتے ہوئے اور مسلمانوں کو تسکین دیتے ہوئے فرمایا ہے کہ جو شخص دینِ اسلام قبول کر چکنے کے بعد پھر اس سے منحرف ہو جاتا ہے تو وہ ایسا شوق سے کرے، اللہ تعالیٰ اس کے بدلے میں ایسے لوگوں کو حلقۂ اسلام میں داخل کر دے گا جو اس دین کو جان و دل سے عزیز رکھیں گے مسلمانوں کے لئے سراپا نیاز اور کافروں کے لئے سخت ہوں گے ۔ اللہ کے راستے میں جہاد کریں گے، لومۃ لائم کی پروا نہیں کریں گے :

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَسَوْفَ يَاْتِى اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗٓ اَذِلَّةٍ

اے ایمان والو، جو شخص تم میں اپنے دین سے پھر جائے تو اللہ تعالیٰ بہت جلد ایسی قوم کو پیدا کر دے گا جن سے اللہ کو محبت ہوگی

عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ
يُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا
يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَائِمٍ ذٰلِكَ
فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاءُ
وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۝

۳ہ

اور ان کو اللہ سے محبت ہوگی مہربان ہوں گے وہ مسلمانوں پر اور تیز ہوں گے کافروں پر، جہاد کرتے ہوں گے اللہ کی راہ میں اور وہ لوگ کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کا اندیشہ نہ کریں گے۔ یہ اللہ کا فضل ہے جس کو چاہے عطا کردے اور اللہ بڑی وسعت والا بڑا علم والا ہے۔

اسی طرح منافقین کے بارے میں بھی اللہ تعالیٰ نے گو کوئی دنیاوی سزا تجویز نہیں کی ہے لیکن صاف طور پر بتا دیا ہے کہ ان کی فریب کاری درحقیقت خود فریبی ہے:

اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَ
هُوَ خَادِعُهُمْ وَاِذَا قَامُوْا اِلَى
الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى يُرَاءُوْنَ
النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ اِلَّا
قَلِيْلًا ۝

۴ہ

بلاشبہ منافق لوگ چال بازی کرتے ہیں اللہ سے، حالانکہ اللہ اس چال کی سزا ان کو دینے والے ہیں اور جب نماز کو کھڑے ہوتے ہیں تو بہت ہی کاہلی کے ساتھ کھڑے ہوتے ہیں صرف آدمیوں کو دکھلاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کا ذکر بھی نہیں کرتے مگر بہت ہی مختصر۔

منافقین نے اپنے طور پر یہ تہیہ کر لیا تھا کہ وہ اسلام کو پنپنے نہیں دیں گے اور مسلمانوں کے دوست بن کر زیادہ سے زیادہ نقصان پہنچائیں گے۔ یہ نماز سے جی چراتے تھے، جہاد سے کتراتے تھے۔ احکامِ الٰہی کے ماننے سے گریز کرتے تھے یہودیوں اور عیسائیوں سے ساز باز رکھتے تھے مشرکوں کی جاسوسی اور مخبری

تک کے فرائض انجام دیتے تھے، کوئی نازک گھڑی آتی تو انھیں خوف زدہ اور مرعوب کرنے کی سعی کرتے تھے۔ کوئی خوشی کا موقع ہوتا تو اس میں بھی کوئی پہلو غم اور پریشانی کا نکال لیتے تھے۔ ان لوگوں کی نفسیات و ذہنیت اور سرشت و جبلّت کا خاکہ قرآن نے ان الفاظ میں کھینچا ہے:

إِذَا جَاءَكَ الْمُنَافِقُونَ قَالُوا نَشْهَدُ إِنَّكَ لَرَسُولُ اللَّهِ ط وَاللَّهُ يَعْلَمُ إِنَّكَ لَرَسُولُهُ ط وَاللَّهُ يَشْهَدُ إِنَّ الْمُنَافِقِينَ لَكَاذِبُونَ ۝ اتَّخَذُوا أَيْمَانَهُمْ جُنَّةً فَصَدُّوا عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ ط إِنَّهُمْ سَاءَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ آمَنُوا ثُمَّ كَفَرُوا فَطُبِعَ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُونَ ۝ وَإِذَا رَأَيْتَهُمْ تُعْجِبُكَ أَجْسَامُهُمْ ط وَإِنْ يَقُولُوا تَسْمَعْ لِقَوْلِهِمْ ط كَأَنَّهُمْ خُشُبٌ مُسَنَّدَةٌ ط يَحْسَبُونَ كُلَّ صَيْحَةٍ عَلَيْهِمْ ط هُمُ الْعَدُوُّ فَاحْذَرْهُمْ ط قَاتَلَهُمُ اللَّهُ أَنَّىٰ يُؤْفَكُونَ ۝ وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا يَسْتَغْفِرْ لَكُمْ رَسُولُ اللَّهِ لَوَّوْا رُءُوسَهُمْ وَرَأَيْتَهُمْ يَصُدُّونَ وَهُمْ مُسْتَكْبِرُونَ ۝ سَوَاءٌ

جب آپ کے پاس یہ منافقین آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ بیشک آپ اللہ کے رسول ہیں۔ اور یہ تو اللہ کو معلوم ہے کہ آپ اللہ کے رسول ہیں اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ یہ منافقین جھوٹے ہیں۔ ان لوگوں نے اپنی قسموں کو سپر بنا رکھا ہے پھر یہ لوگ اللہ کی راہ سے رُکتے ہیں۔ بیشک اُن کے یہ اعمال بہت ہی بُرے ہیں یہ اس سبب سے ہے کہ یہ لوگ ایمان لے آئے، پھر کافر ہو گئے، سو اُن کے دلوں پر مہر کر دی گئی۔ تو یہ نہیں سمجھتے۔ اور جب آپ ان کو دیکھیں تو ان کے قد و قامت آپ کو خوشنما معلوم ہوں۔ اور اگر یہ باتیں کرنے لگیں تو آپ ان کی بات سن لیں۔ گویا یہ لکڑیاں ہیں جو سہارے سے لگائی ہوئی ہیں۔ ہر غل پکار کو اپنے ہی اوپر خیال کرنے لگتے ہیں۔ یہی لوگ دشمن ہیں، آپ ان سے ہوشیار

عَلَيْهِمْ اَسْتَغْفَرْتَ لَهُمْ اَمْ لَمْ تَسْتَغْفِرْ
لَهُمْ ؕ لَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ
لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۝ هُمُ
الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ لَا تُنْفِقُوْا عَلٰى مَنْ
عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ حَتّٰى يَنْفَضُّوْا ؕ
وَلِلّٰهِ خَزَآئِنُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ
وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَفْقَهُوْنَ ۝ يَقُوْلُوْنَ
لَئِنْ رَّجَعْنَآ اِلَى الْمَدِيْنَةِ لَيُخْرِجَنَّ
الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ ؕ وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ
وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَلٰكِنَّ
الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝

رہیے، خدا ان کو غارت کرے کہاں پھرے چلے جاتے ہیں اور جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ آؤ تمھارے لئے رسول استغفار کریں تو وہ اپنا سر پھیر لیتے ہیں۔ اور آپ ان کو دیکھیں گے کہ وہ تکبر کرتے بے رُخی کرتے ہیں، ان کے حق میں دونوں باتیں برابر ہیں، خواہ آپ ان کے لئے استغفار کریں یا نہ کریں اللہ اُن کو ہرگز نہ بخشے گا۔ بیشک اللہ تعالیٰ ایسے نافرمان لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا، یہ وہ ہیں جو کہتے ہیں کہ جو لوگ رسول اللہ کے پاس ہیں ان پر کچھ خرچ نہ کرو، یہاں تک کہ یہ آپ ہی منتشر ہو جائیں گے اور اللہ ہی کے ہیں سب خزانے آسمانوں اور زمین کے ولیکن منافقین سمجھتے نہیں ہیں۔ یہ یوں کہتے ہیں کہ اگر اب ہم مدینہ لوٹ کر جائیں گے تو عزت والا وہاں سے ذلت والے کو نکال دے گا اور اللہ ہی کی ہے عزت اور اس کے رسول کی اور مسلمانوں کی۔ ولیکن منافقین جانتے نہیں۔

۵

اس عنوان پر میں نے اپنی کتاب "اسلام اور رواداری" (حصہ اول و دوم) شائع کردہ ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور میں بسط و تفصیل سے بحث کی ہے لہٰذا یہاں ایجاز سے کام لینے پر مجبور ہوں۔ میرا خیال ہے جو آیتیں میں نے ابھی پیش کی ہیں وہ میرے مدعا کو

واضح کرنے کے لئے کافی ہیں، اب میں اس سلسلے میں چند حدیثیں پیش کروں گا۔ تاکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوۂ کریمہ بھی نظر کے سامنے آجائے۔

منافقین کے ساتھ آپ کا برتاؤ کیا تھا یہ بھی پیش نظر رہے تو بہتر ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر کہتے ہیں کہ عبداللہ بن ابی منافق جب مرگیا تو اس کے بیٹے نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر استدعا کی کہ مجھے اپنا کرتہ دیجئے۔ جس سے اسے کفن دیا جائے۔ اور اس کی نماز پڑھئے اور اس کے لئے بخشش کی دعا کیجئے۔ آپ نے اپنا کُرتہ دے دیا اور فرمایا: (جب جنازہ تیار ہو جائے) مجھے اطلاع دینا میں اس کی نماز پڑھ دوں گا۔ چنانچہ اس نے آپ کو اطلاع دی۔ آپ نے چاہا کہ اس کی نماز پڑھیں کہ حضرت عمرؓ نے روک لیا اور عرض کی۔ کیا منافق پر نمازِ جنازہ پڑھنے سے اللہ نے آپ کو منع نہیں فرمایا۔ اس پر آپؐ نے فرمایا۔ مجھے دونوں باتوں کا اختیار دیا گیا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: استغفرلھم اولاتستغفرلھم ان تستغفر لھم سبعین مرۃ فلن یغفر اللہ لھم پس آپ نے اس کی نماز پڑھی۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی: ولاتصل علی احد منھم مات ابدا۔

ملے

آپؐ کو یہ بھی گوارا نہ تھا کہ محض سوء ظن کی بنا پر کسی کو منافق قرار دیا جائے۔ کوشش حسن ظن قائم رکھنے کی ہونی چاہیئے نہ کہ بدظنی کی اور الزام تراشی کی۔

"عتبان کہتے ہیں کہ ہم نے آپؐ کو خزیرہ کھانے کے لئے روک لیا جو آپ کے لئے ہم نے تیار کیا تھا، پھر اہلِ محلہ سے کئی لوگ گھر میں جمع ہو گئے۔ اور اُن میں سے ایک شخص نے کہا کہ مالک بن دخیشن یا دخشن کہاں ہے؟ اس پر بعض نے کہا کہ وہ منافق ہے اللہ اور اس کے رسول کو دوست نہیں رکھتا۔ تو رسولِ خدا نے فرمایا: یہ نہ کہو تم نے اسے نہیں دیکھا کہ اس نے اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے لا الہ الا اللہ کہا ہے۔ پھر ہم نے کہا

اس کی توجہ اور خیر خواہی ہم نے منافقوں کے حق میں دیکھی ہے۔ اس پر آپؐ نے فرمایا:
"اللہ بزرگ و برتر نے اس شخص پر آگ کو حرام کر دیا ہے جو لا الٰہ الا اللہ کہہ دے بحالیکہ اس سے اسے اللہ کی رضامندی مقصود ہو۔

۵۷

بدترین منافقوں کے ساتھ بھی آپؐ کا رویہ سراسر رحم و شفقت کا تھا:

"حضرت اسامہ بن زید سے مروی ہے کہ رسول اللہؐ شہر فدکیہ کی بنی ہوئی ایک چادر پہنے اپنی سواری پر سوار ہوئے اور مجھے اپنے پیچھے بٹھالیا۔ (اور آپ اس وقت) سعد بن عبادہ کی عیادت کو تشریف لے جا رہے تھے۔ یہ جنگ بدر سے پہلے کا واقعہ ہے۔ پس جب آپ ایک مقام پر پہنچے جہاں عبد اللہ بن ابی بن سلول بیٹھا تھا اور وہ اس وقت تک مسلمان نہ ہوا تھا تو آپ کیا دیکھتے ہیں کہ وہاں بہت سے آدمی مسلمان مشرک، بُت پرست اور یہود بیٹھے ہیں۔ اور اس مجلس میں عبد اللہ بن رواحہ بھی موجود ہیں۔ پس جب (ہمارے قریب آنے سے) سواری کی گرد اہلِ مجلس پر پڑی تو عبد اللہ بن ابی نے اپنی ناک چادر سے ڈھانک کر کہا۔ ہم پر گرد مت اڑاؤ۔ (اتنے میں) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم السلام علیکم کہہ کر ٹھہر گئے اور سواری سے اتر کر ان کو قرآن پڑھ کر سنانے لگے۔ اور اللہ کی طرف سے ہدایت کرنے لگے تو عبد اللہ بن ابی نے کہا: اے شخص اگر تو سچا ہے تو جو کچھ تو نے کہا اس سے بہتر کوئی بات نہیں (لیکن) ہماری سمع خراشی مت کر، اپنے گھر جا اور (وہاں) جو تیرے پاس آئے اسے یہ قصہ سُنا۔ عبد اللہ بن رواحہ نے کہا: ہاں یا رسول اللہ آپ ہمارے ہاں چلیں، اور ہمیں سُنائیں۔ اس لئے کہ ہم ان باتوں کو اچھا سمجھتے ہیں۔ اس پر مسلمانوں، مشرکوں اور یہودیوں میں گالی گفتار ہونے لگی۔ اور اس درجہ ہوئی کہ لڑائی تک نوبت پہنچ گئی۔ جس پر رسول اللہؐ انھیں خاموش کرنے لگے۔ حتیٰ کہ وہ خاموش ہو گئے پھر رسول اللہؐ

سوار ہو کر سعد بن عبادہ کے ہاں گئے اور اُن سے فرمایا: "اے سعد تو نے ابوحباب کی باتیں نہیں سنیں (ابوحباب سے مراد عبداللہ بن ابی) جس نے ایسا ایسا کیا ہے"۔ سعد بن عبادہ نے کہا یارسول اللہ! اس سے درگزر کیجئے۔ اور معاف فرمائیے۔ (کہ وہ اپنے حسد سے مجبور ہے) قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ پر کتاب آتاری اللہ کی طرف سے جو کچھ آپ پر آیا وہ برحق ہے (اصل یہ ہے کہ اس شہر کے لوگوں نے اس امر پر اتفاق کر لیا تھا کہ اس (عبداللہ بن ابی) کے سر پر تاج رکھیں ۔ اور اسے اپنا والی اور رئیس بنادیں۔ مگر جب اللہ نے یہ بات نہ چاہی بہ وجہ اس حق کے جو آپ کو عطا ہوا تو اس کو آپ کا آنا ناگوار ہوا۔ اس لئے اس نے ایسے بُرے کلمات کہے۔ پس آپ نے اس کا قصور معاف کر دیا۔ اور رسول اللہ اور آپ کے صحابہ کی عادت بھی کہ بُت پرستوں اور یہودیوں کی ایسی ایسی حرکاتِ ناشائستہ کو معاف کر دیا کرتے تھے کہ جیسا کہ اللہ نے ان کو حکم دیا تھا۔ اور تکلیفوں پر صبر کیا کرتے تھے، حتیٰ کہ اللہ نے ان سے لڑنے کا حکم دیا۔ جب آپ نے بدر میں جنگ کی اور بڑے بڑے قریش کے رئیسوں کو اللہ نے آپ کے ذریعے ہلاک کر ڈالا تو ابی بن سلول نے اور اس کے ساتھ مشرکوں اور بُت پرستوں نے کہا کہ (اب تو) یہ امر ظاہر ہو چکا ہے (یعنی اسلام غالب آگیا ہے) پس انھوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بیعت کی اور مسلمان ہو گئے۔

۵۸

مُرتدین کے سلسلے میں حدیثِ ذیل خاص طور پر قابلِ توجہ ہے:

"حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ طفیل بن عمر ودوسی اپنے ساتھیوں کے ساتھ آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا۔

"یارسول اللہؐ! قبیلۂ دوس نے نافرمانی کی اور انکار کیا (مرتد ہو گئے) آپ اُن کے لئے بددعا فرمائیے۔ بعض نے عرض کیا قبیلۂ دوس ہلاک ہو گیا۔

آپؐ نے فرمایا:

اے اللہ دوس کو ہدایت دے اور انھیں پھر سے حلقۂ اسلام میں داخل کر دے۔

۹ھ

ماخذ:

۱: سورۂ بقرہ آیت ۱۰۹
۲: سورۂ بقرہ آیت ۲۱۷
۳: سورۂ مائدہ آیت ۵۴
۴: سورۂ نساء آیت ۱۴۲
۵: سورۂ منٰفقون آیت ۱–۸
۶: صحیح بخاری
۷: صحیح بخاری کتاب الصلوٰۃ
۸: صحیح بخاری باب فضل الجہاد
۹: صحیح بخاری باب فضل الجہاد

(۱۰)

عدل و احسان

اہلِ معاملہ کے ساتھ

انسان کی سرشت کچھ ایسی ہے کہ وہ اپنے لئے زیادہ سے زیادہ رعایتیں اور سہولتیں چاہتا ہے۔ لیکن یہی رعایتیں اور سہولتیں دوسروں کو دیتے ہوئے ہچکچاتا ہے۔ اور جب مفاد کا سوال سامنے آتا ہے تو اس کی خود غرضی حدِ انتہا کو پہنچ جاتی ہے۔ پھر اُسے صرف اپنی فکر رہتی ہے۔ دوسرے کے مفاد سے وہ کوئی سروکار نہیں رکھتا۔ ایک شخص اگر گاہک ہے تو وہ چاہتا ہے اچھی سے اچھی چیز جہاں تک ہو سکے کم دام پر ملے۔ تولتے وقت اگر آدھ سیر میں تولہ دو تولہ کا اضافہ ہو جائے تو کیا کہنا۔ لیکن یہی شخص اگر دکاندار ہو تو معمولی سے معمولی چیز کے زیادہ سے زیادہ دام لینے کی کوشش کرے گا، تولتے وقت اگر موقع مل جائے گا تو ڈنڈی مارنے کی تیکنیک میں مہارت کا ثبوت بڑی چابک دستی سے دے گا۔

زید نے اگر بکر سے کوئی کاروباری معاملہ کیا ہے تو وہ چاہے گا کہ بکر ایک انچ بھی اپنی جگہ سے نہ ہٹے۔ معاہدہ کی ہر شرط اور ہر دفعہ کی پوری پوری پابندی کرے۔

لیکن اگر خود موقع مل جائے تو خالد کی آنکھ میں دھول جھونکنے، معاہدہ کو حسبِ مطلب منعقد ثابت کرنے، اسے چکّر میں ڈال کر معاہدہ کے مفہوم و معنیٰ کو اپنے حق میں کھینچنے کی کوشش پوری ذہانت اور فراست کے ساتھ شروع کر دے گا۔ اور اس کی ذرا پروا نہ کرے گا کہ اگر بکر کی جگہ وہ خود ہوتا تو ان حرکتوں اور کارروائیوں سے اس پر کیا بیت جاتی۔

کاروبار اور معاملات کی بنیاد گو انفرادی طور پر ہو۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ کوئی کاروبار بھی ایسا نہیں ہے جو ذاتی اور شخصی ہونے کے باوجود سماج اور سوسائٹی پر اثر انداز نہ ہوتا ہو۔ گاہک کی خود غرضی اور تاجر کی بدمعاملگی کسی معاہدہ کے شرکاء کی باہمی کش مکش اور خلاف ورزی بہرحال ان افرادِ متعلقہ کے دائرہ سے نکل کر سماج اور سوسائٹی پر ضرور اثر انداز ہوتی ہے۔ اسلام نے ان تمام پہلوؤں کو پیشِ نظر رکھا ہے۔ اور کسی حالت میں بھی تجاوز کرنے کی اجازت نہیں دی ہے۔

ہم دیکھتے ہیں سب سے پہلے قرآن نے ایفائے عہد کرنے والوں کی تعریف کرتے ہوئے انھیں متقی قرار دیا ہے:

وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عَاهَدُوْا	اور اپنے عہد کو پورا کرنے والے جب
وَالصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَاْسَاۗءِ وَالضَّرَّاۗءِ	وفا کرتے ہیں اور سختی اور تکلیف اور لڑائی
وَحِيْنَ الْبَاْسِ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ	کے وقت صبر کرنے والے یہی وہ لوگ ہیں
صَدَقُوْا وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ۝	جو (اپنے ایمان میں) سچے ہیں اور یہی متقی ہیں

لہ

پھر ایک دوسرے موقع پر پابندیٔ عہد کرنے والوں کی تحسین و ستائش کرتے ہوئے جہاں انھیں متقی قرار دیا وہاں یہ بھی بتا دیا کہ اللہ تعالیٰ تقویٰ اختیار کرنے والوں کو عزیز رکھتا اور پسند کرتا ہے:

بَلٰى مَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ وَاتَّقٰى فَاِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ○

ہاں جس نے اپنا عہد پورا کیا اور (اللہ سے) ڈرا تو بیشک اللہ متقیوں کو دوست رکھتا ہے۔

ھ۲

امانت دار لوگوں کو خدا پسند کرتا ہے وہ اس کی جناب میں معزز اور محترم ہیں اُن کا ذکر اچھے اور شاندار الفاظ میں کرتا ہے :

وَالَّذِيْنَ لِاَمٰنٰتِهِمْ رٰعُوْنَ ○

اور وہ لوگ جو اپنی امانتوں کی حفاظت کرتے ہیں۔

ھ۳

لیکن صرف امانت داروں کے ذکر کو کافی نہیں سمجھتا، پاسِ عہد کرنے والوں کو بھی اس زمرۂ مبشّرین میں داخل کرتا ہے اور سچ تو یہ ہے کہ امانت بھی پاسِ عہد ہی کی ایک قسم ہے۔ جو شخص عہدوں کو نباہتا ہے وہ امانت پوری کرتا ہے۔ لہٰذا دونوں کو ایک ساتھ شامل کر لیا :

وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ ○

اور وہ جو اپنی امانتوں اور اپنے عہد کی حفاظت کرتے ہیں۔

ھ۴

امانت داروں اور پاسِ عہد کرنے والوں کا ذکر فرمانے کے بعد یہ بھی بتا دیا کہ جو امانت میں خیانت نہیں کرتے اور کوئی معاہدہ یا عہد کرتے ہیں تو اس کی تعمیل سے گریز نہیں کرتے وہ جنتی ہیں۔ اپنے رب کی نوازشوں سے بہرہ ور ہوں گے :

اُولٰٓئِكَ فِيْ جَنّٰتٍ مُّكْرَمُوْنَ ○

وہی جنت میں اکرام کئے جائیں گے۔

ھ۵

پھر ایک دوسرے موقع پر تفصیل سے بتایا کہ نیکی اور فلاح یہ نہیں ہے کہ آدمی قبلہ رُو ہو کر کھڑا ہو جائے، بلکہ نیکی اور فلاح کی بنیاد جس چیز پر ہے وہ عملِ صالح ہے اور عملِ صالح کئی چیزوں پر مشتمل ہے۔ اور ان چیزوں میں پاسِ عہد اور معاہدہ کی پابندی بھی

شامل ہے، ارشاد ہوا:

لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ
قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ
الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ
وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ
وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى
وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ
وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِي الرِّقَابِ وَاَقَامَ
الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ وَالْمُوْفُوْنَ
بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا وَالصّٰبِرِيْنَ
فِي الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ
الْبَاْسِ ط

یہ کچھ نیکی نہیں کہ تم اپنے منہ مشرق یا مغرب
کی طرف پھیر لو، لیکن نیکی اس کی ہے جو ایمان
لایا اللہ پر اور قیامت پر اور فرشتوں پر اور
کتابوں پر اور نبیوں پر اور مال اس کی محبت
میں رشتہ داروں اور یتیموں اور محتاجوں اور
مسافروں اور سائلوں کو اور گردنوں کے چھڑانے
میں دیا۔ اور نماز پڑھی اور زکوٰۃ دی۔ اور (وہ
نیکی والے ہیں) جو اپنے عہد کو جب کسی سے کر
بیٹھتے ہیں پورا کرتے ہیں اور مصیبت اور تکلیف
میں اور لڑائی کے وقت صبر کرتے ہیں۔

۵٦

یہ ہدایت بھی فرمائی کہ ایک دوسرے کا مال ناجائز طریقے پر کھانے اڑانے کی کوشش مت کرو۔ اس لئے کہ یہ حرکت ان اقدار کے خلاف ہے جو اسلام نے سماج اور فرد کے لئے قائم کردئے ہیں۔ ان چیزوں کو معصیت قرار دیا ہے اور معصیت کا انجام ظاہر ہے کیا ہوتا ہے۔

وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ
بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوْا بِهَآ اِلَى الْحُكَّامِ
لِتَاْكُلُوْا فَرِيْقًا مِّنْ اَمْوَالِ النَّاسِ
بِالْاِثْمِ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ٥

اور آپس میں ایک دوسرے کے مال ناحق
مت کھاؤ اور ان کو حکام کے پاس اس
غرض سے رجوع مت کرو کہ لوگوں کے مالوں کا
ایک حصہ بطریقِ گناہ کے کھا جاؤ اور تم کو علم

بھی ہو۔ ۸ہ

ناپ تول میں کمی بیشی کرنے والوں کو بھی ٹوکا۔ روکا اور بتایا :

وَيٰقَوْمِ اَوْفُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ ۸ہ

اور اے میری قوم ناپ اور ترازو انصاف کے ساتھ پوری رکھو۔

اور پھر صرف اتنا ہی بتانے پر اکتفا نہیں کیا۔ یہ بھی بتا دیا کہ پوری انصاف پسندی اور عدل پروری کے ساتھ ناپ تول کا فریضہ انجام دو۔ اور یاد رکھو ہمارا یہ حکم ناروا نہیں ہے۔ یہ کوئی ایسی پابندی نہیں ہے جو ظلم اور زیادتی پر مبنی ہو۔ کیونکہ طاقت سے زیادہ ہم کسی پر بوجھ ڈالتے ہی نہیں۔

وَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا وَاِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى ۝ ۹ہ

اور انصاف کے ساتھ پورا ناپ کرو اور پورا تول کر دو، ہم کسی جان کو اس کی گنجائش سے زیادہ تکلیف نہیں دیتے۔ اور جب بات کہو انصاف کی کہو، اگرچہ رشتہ دار ہی ہو۔

اور یہ بیان کر چکنے کے بعد یہ بھی ارشاد کر دیا کہ یہ جو لوگ ناپ تول میں کمی بیشی نہیں کرتے عدل اور انصاف سے کام لیتے ہیں۔ وہ مآلِ کار بہر حالت میں رہیں گے، یعنی جنت میں جائیں گے اور خدا کی نعمتیں ان پر چھا جائیں گی۔

وَاَوْفُوا الْكَيْلَ اِذَا كِلْتُمْ وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيْمِ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ۝

اور جب ناپ کرو تو پورا ناپو اور صحیح ترازو سے تول کر دو۔ یہ اچھی بات ہے اور انجام بھی اس کا اچھا ہے۔

۱۰ہ

اس آیت میں "احسن تاویل" سے مراد کیا ہے ؟

• مفسرین کے نزدیک حسنِ تاویل حسنِ عاقبت سے مراد ہے۔ یعنی انجام کار

یہی بہتر ہے۔ [11]

اسی طرح عہد اور معاہدہ کے بارے میں بھی تاکید فرمائی کہ ہر حالت میں کہی ہوئی بات اور کئے ہوئے عہد کو پورا کرو۔ کسی طرح کے لیت ولعل سے کام نہ لینا چاہئے

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَوْفُوا بِالْعُقُودِ ۝ — مسلمانو! اپنے عہدوں کو پورا کرو۔ [12]

ایک اور موقع پر یہ بھی ارشاد فرمایا کہ تم جو عہد اور معاہدے کرتے ہو خدا ان سے واقف ہے۔ اور اگر خلاف ورزی کا ارتکاب کروگے تو خدا کے ہاں باز پرس بھی ہوگی اور اس کا تمھیں جواب دینا ہوگا۔

وَأَوْفُوا بِالْعَهْدِ إِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُولًا ۝ — اور عہد کو پورا کرو بے شک عہد کی بابت (قیامت کو) پوچھا جائے گا۔ [13]

پھر یہ بھی بتا دیا کہ یہ معاہدے جو تم کرتے ہو یہ عہد جن کے نباہنے کی تم ذمہ داری لیتے ہو۔ یہ قسمیں جنھیں تاکید اور اصرار کے ساتھ تم کھاتے ہو، یوں ہی ہوائی باتیں نہیں ہیں۔ تم خدائے بزرگ و برتر کو اپنے اوپر ضامن قرار دے چکے ہو۔ لہٰذا اب اگر ان سے بھاگوگے تو نقصان اٹھاؤگے۔

وَأَوْفُوا بِعَهْدِ اللَّهِ إِذَا عَاهَدْتُمْ — اور جب تم اللہ کا عہد کرو تو اسے پورا کرو

وَلَا تَنْقُضُوا الْأَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيدِهَا — اور اپنی قسموں کو پورا کرنے کے بعد نہ توڑو

وَقَدْ جَعَلْتُمُ اللَّهَ عَلَيْكُمْ كَفِيلًا ۝ — اور تم تو اللہ کو اپنے اوپر ضامن قرار دے چکے ہو۔ [14]

جو شخص بدعہدی کا ارتکاب کرتا ہے، وعدے کرتا ہے اور انھیں توڑ دیتا ہے، معاہدے کرتا ہے اور ان کی خلاف ورزی کرتا ہے۔ قسمیں کھاتا ہے اور ان پر عمل نہیں کرتا، وہ خود اپنے لئے خندق کھودتا ہے، خود اپنا نقصان کرتا ہے۔

لیکن اگر ایسا نہیں کرتا تو پھر وہ نیک کام کرتا ہے اور خدا اس نیکی اور نیکوکاری کا اجر اُسے ضرور مرحمت فرمائے گا۔

فَمَنْ نَّكَثَ فَاِنَّمَا يَنْكُثُ عَلٰى نَفْسِهٖ وَمَنْ اَوْفٰى بِمَا عٰهَدَ عَلَيْهُ اللّٰهَ فَسَيُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ۝ [۱۵]

پھر جو بد عہدی کرتا ہے تو اپنی ہی جان کے نقصان کے لئے کرتا ہے اور جس نے وہ عہد پورا کیا جو اس نے اللہ سے کیا تھا تو اللہ اس کو بڑا بھاری ثواب دے گا۔

آیاتِ قرآنی کی ان تصریحات کے بعد اب اس موضوع پر احادیثِ نبوی کی روشنی میں بھی غور کر لینا چاہیئے۔

معاملات میں پہلی اور بنیادی چیز یہ ہے کہ فریب نہ دیا جائے:

"حضرت انس سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے پھلوں کے بیچنے سے منع فرمایا ہے۔ یہاں تک کہ وہ سُرخ ہو جائیں۔ پھر رسول اللہ نے فرمایا: بتاؤ اگر اللہ پھل کو ضائع کر دے تو کوئی شخص تم میں سے اپنے بھائی کا مال کس چیز کے عوض لیتا ہے؟!

[۱۶]

اسی طرح غلط تبادلہ بھی ناجائز قرار دیا:

حضرت ابوسعید خدری اور حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے ایک شخص کو خیبر کا عامل بنایا۔ تو وہ جنیب کے قسم کے کچھ چھوارے آپ کے پاس لایا۔ رسول اللہؐ نے دریافت فرمایا: "کیا خیبر کے سب چھوارے ایسے ہی ہوتے ہیں۔ اس نے کہا" نہیں خدا کی قسم ہم ان چھواروں کی ایک صاع دوسرے چھواروں کے دو صاع کے عوض اور ان چھواروں کے دو صاع دوسرے چھواروں کے تین تین صاع کے بدلے میں مول لیتے ہیں" یہ سن کر رسول اللہؐ نے فرمایا ایسا نہ کرو

تم ان چھواروں کو درہموں کے عوض بیچ ڈالو۔ اور پھر درہموں سے جنیب مول لے لیا کرو۔

۵۱۷

معاملات میں یہ اصول کتنا زرین ہے:

حضرت عثمان کہتے ہیں رسول اللہؐ نے مجھ سے فرمایا۔ جب (کچھ) فروخت کرو تو ناپ لو اور جب (کچھ) خریدو تو تُلوالو۔

۵۱۸

تخمینہ سے غلّہ بیچنا بھی ناجائز ہے:

حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں جو لوگ غلّہ تخمینے سے بیچتے تھے میں نے دیکھا کہ وہ مار سے جاتے تھے تاکہ وہ اس کو جب اپنے گھروں میں لے آئیں تب بیچیں۔

۵۱۹

کاروبار کی برکت صرف خوش معاملگی پر منحصر ہے:

حضرت حکیم بن حزام سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا جب تک دونوں (بائع اور مشتری) جدا نہ ہو جائیں اختیار (باقی) ہے پس اگر دونوں نے سچ کہہ دیا اور وضاحت کر دی تو دونوں کے سودے میں اللہ برکت دے اور اگر چھپائیں گے اور جھوٹ بولیں گے تو برکت ہٹالی جائے گی۔

۵۲۰

ابن عمر سے روایت ہے۔ انھوں نے کہا رسول اللہ نے اس بات سے منع کیا کہ کوئی شخص اپنے بھائی کے سودے پر سودا کرے یا اپنے بھائی کے پیغام شادی کی جگہ پیام دے۔ یہاں تک کہ پیام دینے والا پہلے اسے ترک کر دے یا اسے پیام دینے

کی اجازت دے دے ۔ [۲۱]

ماخذ :

۱ : سورہ بقر آیت ۱۷۲	۱۲ : سورۂ مائدہ آیت ۱
۲ : " ال عمران " ۷۵	۱۳ : " بنی اسرائیل " ۳۴
۳ : " حج " ۸	۱۴ : " نحل " ۹۱
۴ : " معارج " ۳۲	۱۵ : " فتح " ۱۰
۵ : " " " ۳۵	۱۶ : صحیح بخاری کتاب البیوع
۶ : " بقر " ۱۷۶	۱۷ : " " "
۷ : " " " ۱۸۸	۱۸ : " " "
۸ : " هود " ۸۵	۱۹ : " " "
۹ : " انعام " ۱۵۳	۲۰ : " " "
۱۰ : " اسریٰ " ۳۵	۲۱ : " " "
۱۱ : تفسیر کشاف زمخشری ج ۲، ص ۶۶۵	

(۱۱)

عدل و احسان

مقروض کے ساتھ

انسانی سوسائٹی میں مقروض کی حیثیت بہت زیادہ قابلِ رحم ہوتی ہے۔ کوئی انسان عام طور پر اس وقت قرض لیتا ہے جب حالات ناگفتہ بہ ہو چکے ہوں جب وسائل و ذرائع معاش مسدود ہو چکے ہوں۔ جب اپنی اور اپنے متعلقین کی زندگی قائم رکھنے کے لئے، اپنی آبرو اور عزّت بچانے کے لئے اسے دوسری کوئی صورت قرض لینے کے سوا نظر نہ آئے۔ جو شخص قرض لیتا ہے، وہ اپنی خودداری، خوداعتمادی اور خودی سب کو قربان کر دیتا ہے۔ قرض دینے والے کا ہاتھ اونچا اور لینے والے کا نیچا ہوتا ہے۔

ایسا شخص جسے حالات نے اتنا مجبور اور بے بس کر دیا ہو اسے سیم وزر کے پیمانے سے نہیں اقدارِ انسانی کے پیمانہ سے ناپنا چاہیئے۔ شائلاک کی طرح قرض کی رقم ورنہ مقروض کے بدن سے ایک رطل گوشت کاٹ لینے کا مطالبہ جتنا انسانیت کے خلاف ہے اس سے کہیں زیادہ اسلام کی روح اور تعلیمات کے خلاف ہے

ہے جسے کبھی اور کسی حالت میں اسلام گوارا نہیں رکھتا۔

اس سلسلے میں اسلام کے احکام واوامر بالکل واضح ہیں۔ سب سے پہلے اس نے اصول کی طرف توجہ کی اور صراحت کے ساتھ بتایا:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا تَدَايَنتُم
بِدَيْنٍ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوهُ ۚ
وَلْيَكْتُب بَّيْنَكُمْ كَاتِبٌ بِالْعَدْلِ ۚ
وَلَا يَأْبَ كَاتِبٌ أَن يَكْتُبَ كَمَا
عَلَّمَهُ اللَّهُ ۚ فَلْيَكْتُبْ وَلْيُمْلِلِ
الَّذِي عَلَيْهِ الْحَقُّ وَلْيَتَّقِ اللَّهَ
رَبَّهُ وَلَا يَبْخَسْ مِنْهُ شَيْئًا ۚ
فَإِن كَانَ الَّذِي عَلَيْهِ الْحَقُّ سَفِيهًا
أَوْ ضَعِيفًا أَوْ لَا يَسْتَطِيعُ أَن يُمِلَّ
هُوَ فَلْيُمْلِلْ وَلِيُّهُ بِالْعَدْلِ ۚ وَاسْتَشْهِدُوا شَهِيدَيْنِ
مِن رِّجَالِكُمْ ۖ فَإِن لَّمْ يَكُونَا رَجُلَيْنِ
فَرَجُلٌ وَامْرَأَتَانِ مِمَّن تَرْضَوْنَ
مِنَ الشُّهَدَاءِ أَن تَضِلَّ إِحْدَاهُمَا
فَتُذَكِّرَ إِحْدَاهُمَا الْأُخْرَىٰ ۚ وَلَا يَأْبَ
الشُّهَدَاءُ إِذَا مَا دُعُوا ۚ وَلَا
تَسْأَمُوا أَن تَكْتُبُوهُ صَغِيرًا أَوْ كَبِيرًا
إِلَىٰ أَجَلِهِ ۚ ذَٰلِكُمْ أَقْسَطُ عِندَ اللَّهِ
وَأَقْوَمُ لِلشَّهَادَةِ وَأَدْنَىٰ أَلَّا تَرْتَابُوا

لکھنے والا انصاف سے لکھے اور لکھنے والا جیسا کہ اللہ نے اس کو سکھایا ہے لکھنے سے انکار نہ کرے پس چاہئے کہ وہ لکھے اور مضمون وہ بتلائے جس کے ذمّے قرض ہے۔ اور اپنے پروردگار خدا سے ڈرے اور اس قرض میں سے (لکھنے میں) کچھ کم نہ کرے پھر اگر وہ شخص جس کے ذمّے قرض ہے کم عقل یا کمزور ہے یا وہ (صحیح مضمون) لکھوا نہیں سکتا تو اس کا سرپرست انصاف سے لکھوائے اور اپنے مردوں میں سے دو گواہ کر لیا کرو پھر اگر دو گواہ نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں ان میں سے جن کو تم گواہوں میں سے پسند کرو تاکہ اگر ایک عورت بھول جائے تو ان میں سے ایک دوسری کو یاد دلائے اور گواہ جب وہ گواہی کے لئے بلائے جائیں تو انکار نہ کریں۔ اور اس بات میں کاہلی نہ کرو کہ تم اس کو لکھوا لو چھوٹا معاملہ ہو یا بڑا اس کی میعاد تک یہ اللہ کے نزدیک

إِلَّا أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً حَاضِرَةً تُدِيرُونَ
هَا بَيْنَكُمْ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ
أَلَّا تَكْتُبُوهَا ط وَأَشْهِدُوا إِذَا
تَبَايَعْتُمْ وَلَا يُضَارَّ كَاتِبٌ وَلَا شَهِيدٌ
وَإِنْ تَفْعَلُوا فَإِنَّهُ فُسُوقٌ بِكُمْ
وَاتَّقُوا اللّٰهَ ط وَيُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ ط وَاللّٰهُ
بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ٥

زیادہ انصاف کی بات ہے اور گواہی کے لئے
درست طریقہ اور اس کے لئے زیادہ قریب
ہے کہ تم شک نہ کرو، مگر جبکہ وہ معاملہ ہاتھوں
ہاتھ سوداگری ہو کہ اس کو تم اپنے درمیان
دائر کرتے ہو تو تم پر کچھ گناہ نہیں کہ تم اس کو نہ
لکھو اور جب تم سودا کرو تو اس پر گواہ کر لیا کرو
اور نہ کاتب کو ایذا پہنچائی جائے اور نہ گواہ کو
اور اگر تم یہ کام کرو تو یہ تمھاری گنہ گاری ہے
اور اللہ سے ڈرو اور اللہ تعلیم دیتا ہے تمھیں
اور اللہ ہر شے کو جانتا ہے۔

لہ

اس کے بعد ضروری تھا کہ مقروض کے سلسلے میں وہ خود بھی کوئی مثال پیش کرے، چنانچہ اس نے صدقات اور خیرات کے مصارف متعین کرتے وقت جہاں کئی مدات بیان فرمائیں وہاں مقروضوں کو بھی شامل کر لیا۔ یعنی اس رقم سے کسی مقروض کی گلو خلاصی بھی کرائی جا سکتی ہے ارشاد ہوتا ہے:

إِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسٰكِيْنِ
وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ
وَفِي الرِّقَابِ وَالْغٰرِمِيْنَ وَفِيْ
سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ط
فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ط وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ
حَكِيْمٌ ٥

خیرات تو بس فقیروں اور محتاجوں کے لئے
ہے اور اس کے جمع کرنے والوں کے لئے
اور ان کے لئے ہے جن کے دل (اسلام
کی طرف) پرچائے جاتے ہیں اور گردنوں کے
چھڑانے میں خرچ کرنے کے لئے اور قرضداروں
کے لئے اور اللہ کی راہ (جہاد) میں خرچ کرنے
کے لئے (یہ) اللہ کی طرف سے فرض کی گئی ہے

سلہ اور اللہ جاننے والا حکمت والا ہے ۔

انسانی سماج میں جس چیز نے خود غرضی ، زر پرستی ، سنگ دلی ، قساوت ، بمروتی اور اقدار انسانی سے یکسر بے پروائی کا جذبہ پیدا کیا ہے وہ سود ہے ۔

بہ ظاہر یہ بڑی بے ضرر سی چیز ہے ، اس میں اور بیع میں فرق ہی کیا ہے ۔ ایک آدمی مالِ تجارت بیچتا ہے اور نفع کماتا ہے ، پھر اگر ایک آدمی اپنا روپیہ فروخت کرتا ہے اور نفع حاصل کرتا ہے تو جرم ہی کیا ؟ دونوں صورتیں یکساں ہیں !

ایک سود خوار کے نقطۂ نظر سے تو صورت مسئلہ یہی ہے لیکن ایک انسان کے نقطۂ نظر سے صورت مسئلہ یہ نہیں ہے ۔ جو شخص مالِ تجارت بیچتا اور نفع کماتا ہے وہ کئی خطرے بھی اپنے سر لیتا ہے ، وہ مالِ تجارت کے خریدنے میں اپنا سرمایہ لگاتا ہے پھر یہ مالِ تجارت رکھے رکھے خراب بھی ہو سکتا ہے ۔ اس کے نرخ میں کمی بیشی بھی ہو سکتی ہے ۔ صبح سے شام تک وہ ایک مزدور کی طرح دکان پر بھی بیٹھتا ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ جو نفع لیتا ہے وہ مساوی بھی ہوتا ہے اور واجبی بھی مساوی یوں کہ بلا تخصیص سب سے ایک ہی دام لیتا ہے ۔ اور واجبی یوں کہ بازار کے مقرر کردہ نرخ سے اگر گراں فروخت کرے گا تو کوئی اس کی طرف رُخ بھی نہیں کرے گا ۔ اس کے برعکس روپیہ بیچنے والا ہر خطرہ سے محفوظ ہے ۔ اس کے روپئے میں دیمک نہیں لگ سکتی ۔ اس کی قیمت کم نہیں ہو سکتی ۔ اپنے روپے کی قیمت وہ ہر شخص کے انفرادی حالات کا جائزہ لے کر مقرر کرتا ہے ۔ اور زیادہ سے زیادہ شرح سود پر رقم دیتا ہے ۔ وہ صرف اپنا روپیہ ہی واپس نہیں لیتا بلکہ مقروض کی روح بھی کھینچ لیتا ہے ۔ اس کا خون بھی چوس لیتا ہے ۔ اس کی درماندگی اور خستہ حالی سے جتنی نفع اندوزی ممکن ہے کرتا ہے

اللہ تعالیٰ نے پہلے اس خیال کو باطل کیا کہ سود اور بیع یکساں ہیں ، پھر فرمایا کہ جو کچھ

ہوا سو ہوا، لیکن اب اگر کسی نے سود لیا تو وہ گنہ گار ہوگا۔ اور اس کا ٹھکانا جہنم بنے گا
کیونکہ اللہ تعالیٰ سود کو مٹاتا ہے۔ اور صدقات کو بڑھاتا ہے اور جو اس راہ کے
خلاف چلتا ہے خدا اُسے پسند نہیں کرتا۔

اَلَّذِیْنَ یَاْکُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا یَقُوْمُوْنَ
اِلَّا کَمَا یَقُوْمُ الَّذِیْ یَتَخَبَّطُہُ الشَّیْطٰنُ
مِنَ الْمَسِّ ط ذٰلِکَ بِاَنَّہُمْ قَالُوْٓا
اِنَّمَا الْبَیْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا م وَاَحَلَّ
اللّٰہُ الْبَیْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا ط فَمَنْ
جَآءَہٗ مَوْعِظَۃٌ مِّنْ رَّبِّہٖ فَانْتَہٰی
فَلَہٗ مَا سَلَفَ ط وَاَمْرُہٗٓ اِلَی اللّٰہِ
وَمَنْ عَادَ فَاُولٰٓئِکَ اَصْحٰبُ النَّارِ
ہُمْ فِیْہَا خٰلِدُوْنَ ۝ یَمْحَقُ اللّٰہُ
الرِّبٰوا وَیُرْبِی الصَّدَقٰتِ ط وَاللّٰہُ
لَا یُحِبُّ کُلَّ کَفَّارٍ اَثِیْمٍ ۝

جو لوگ سود کھاتے ہیں، نہیں کھڑے ہوں
گے مگر جس طرح کھڑا ہوتا ہے ایسا شخص
جس کو شیطان خبطی بنا دے لپٹ کر، یہ
یہ سزا اس لئے ہوگی کہ ان لوگوں نے کہا تھا
کہ بیع بھی تو مثل سود کے ہے۔ حالانکہ اللہ
نے بیع کو حلال فرمایا ہے اور سود کو حرام
کر دیا ہے پھر جس شخص کو اس کے پروردگار
کی طرف سے نصیحت پہنچی اور وہ باز آ گیا تو
جو کچھ پہلے ہو چکا ہے وہ اسی کا رہا اور معاملہ
اس کا خدا کے حوالہ رہا۔ اور جو شخص پھر عود
کرے تو یہ لوگ دوزخی ہیں، وہ اسی میں جائیں
گے اور ہمیشہ رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ سود کو مٹاتا
ہے اور صدقات کو بڑھاتا ہے اور اللہ
تعالیٰ پسند نہیں کرتا کفر کرنے والے کو (اور)
کسی گناہ کے کام کرنے والے کو۔

سه

جابر سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سود خوار، اس کے مؤکل، کاتب،
گواہ سب پر لعنت کی ہے اور فرمایا ہے۔ یہ سب برابر ہیں۔
علماء نے بیع اور ربا کا فرق واضح کرتے ہوئے بتایا ہے کہ اگر کوئی شخص دس روپے

کا کپڑا بیس روپے میں فروخت کرتا ہے تو وہ کپڑے کو بیس روپے کے مساوی قرار دے دیتا ہے۔ مشتری اور بائع اگر اس پر رضامند ہو جائیں تو اس تقابل سے کپڑے کی مالیت بڑھ جائے گی۔ اور دونوں میں سے ہر ایک نے کچھ دیا تو اس کے عوض میں کچھ لیا بھی۔ لیکن اگر کوئی شخص دس روپے بیس روپے میں فروخت کرتا ہے تو یہ زائد دس روپے بغیر کسی عوض کے اس کے لئے ناجائز ہیں۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ یہ زائد رقم اس مہلت کا معاوضہ ہے جو اس نے مقروض کو ادائے قرض کے لئے دی تو یہ غلط ہے کیونکہ امہال (مہلت دینا) نہ بجائے خود مال ہے نہ کوئی چیز کہ اس کا معاوضہ لیا جائے۔

تحریم ربا کے وجوہ و اسباب متعدد ہیں۔

۱: سود خوار دوسرے کا مال بغیر کسی عوض کے لیتا ہے جو حرام ہے۔

۲: تحریم ربا کا ایک مقصد یہ ہے کہ سود پر رقم دینے والا پھر جائز تجارت اور کاروبار کی طرف دھیان نہیں دیتا۔ وہ ایسے نفع کا عادی ہو جاتا ہے جو کسی تعب اور مشقت کے ہاتھ پاؤں ہلائے بغیر حاصل ہوتا رہے۔

۳: ربا یعنی سود انقطاع معروف کا سبب ہے۔ اس سے سنگ دلی پیدا ہوتی ہے۔ لیکن بغیر سود کے قرض دینا انسانیت کی خدمت ہے جس کا اجر خدا دے گا۔

۴: ابن عباس کہتے ہیں، سود خوار کا نہ صدقہ قبول ہے، نہ حج نہ زکات، نہ صلہ۔ [۴۵]

پھر اس کے بعد چند ہی آیات کے فصل سے اس معاملہ کا مختتم طور پر فیصلہ کر دیا اس نے شرط ایمان یہ لگائی کہ جو لوگ مسلمان ہو چکے ہیں وہ اس سود سے دستبردار ہو جائیں جو دوسروں پر باقی چلا آرہا ہے۔ اور اگر وہ ایسا نہیں کرتے تو اللہ اور اس

کے رسول ؐ سے جنگ کے لئے تیار ہو جاؤ۔ اللہ اور رسول ؐ سے جنگ کا چیلنج، اللہ کی طرف سے رسول اللہ ؐ کی زبانی کتنا سنگین بنا دیتا ہے۔ اس معاملہ کو، جنگ کا یہ چیلنج کافروں اور مشرکوں تک کو نہیں دیا گیا۔ ان کے ساتھ رعایت ہے، نرمی ہے شفقت ہے۔ لیکن سود خوار کے ساتھ اعلان جنگ ہے گویا انسانی سماج کے لئے اس سے بڑا اس سے سنگین، اس سے مہلک اور اس سے بڑھ کر ناقابل برداشت خطرہ کوئی نہیں۔ اس چیلنج کے بعد بتایا کہ اگر توبہ کر لو اور صرف راس المال پر یعنی اصلی رقم پر قناعت کرلو تو یہ ایسی صورت ہوگی کہ نہ تم ظالم ہوگے نہ مظلوم تم اس لئے نہیں کہ تمھارا سرمایہ چھین لیا گیا اور مقروض اس لئے نہیں کہ اس کا خون نہیں چوسا گیا۔ پھر اصل رقم کے معاملے میں یہ بھی فرمادیا کہ اگر مقروض کو اس کے حالات سازگار ہونے تک مہلت دو تو یہ اچھا ہے۔ اور بالکل ہی معاف کردو تو اور بہتر ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَ
وَذَرُوا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبَا إِنْ
كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ○ فَإِنْ لَمْ
تَفْعَلُوا فَأْذَنُوا بِحَرْبٍ مِنَ اللَّهِ
وَرَسُولِهِ ج وَإِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ
رُءُوسُ أَمْوَالِكُمْ ج لَا تَظْلِمُونَ
وَلَا تُظْلَمُونَ ○ وَإِنْ كَانَ ذُو
عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ إِلَىٰ مَيْسَرَةٍ ط
وَأَنْ تَصَدَّقُوا خَيْرٌ لَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ
تَعْلَمُونَ ○
ع

اے ایمان والو! خدا سے ڈرو اور جو کچھ سود کا بقایا ہے اس کو چھوڑ دو، اگر تم ایمان والے ہو۔ پھر اگر تم یہ کرو گے تو اشتہار سن لو جنگ کا اللہ کی طرف سے اور اس کے رسول کی طرف سے۔ اور اگر تم توبہ کرلو گے تو تم کو تمھارے اصل اموال مل جائیں گے۔ نہ تم کسی پر ظلم کرنے پاؤ گے اور نہ تم پر کوئی ظلم کرنے پائے گا۔ اور اگر تنگدست ہو تو مہلت دینے کا حکم ہے، آسودگی تک اور یہ کہ معاف ہی کردو اور زیادہ بہتر ہے تمھارے لئے اگر تم کو خبر ہو۔

اس آیۂ کریمہ میں اللہ اور رسول اللہ سے جنگ کا جو ذکر ہے اس کے بارے میں ابن عباس کا قول ہے کہ قیامت کے دن سود خوار سے کہا جائے گا کہ سلاح جنگ سے آراستہ ہو کر میدانِ جنگ میں آئے۔

اہلِ معانی کہتے ہیں کہ "خدا سے جنگ" کا مطلب ہے دوزخ اور رسولؐ سے جنگ کا مطلب ہے تلوار۔

بعض مفسرین کہتے ہیں جنگ کا لفظ تہدید اور ترہیب کے لئے آیا ہے۔ اصل جنگ مراد نہیں۔ بعض مفسرین کا قول ہے، یہ لفظ حقیقی معنوں میں وارد ہوا ہے۔ مراد جنگ ہی ہے۔

اگر سود خوار سود لینے پر اصرار ہے تو امامِ وقت اسے گرفتار کرے گا، اُسے سزا دے گا اور جیل میں ڈال دے گا، جب تک وہ تائب نہ ہو جائے۔ اگر سود خوار صاحبِ شان و شوکت اور صاحبِ لشکر و عسکر ہے تو امام اس سے اس طرح جنگ کرے گا جس طرح کسی باغی جماعت سے جنگ کی جاتی ہے۔

ابن عباس کہتے ہیں سود خوار اگر تائب نہ ہو تو اس کی گردن اڑا دینی چاہئے۔ مجاہد اور ایک بڑی جماعتِ مفسرین کا قول ہے کہ اس آیت میں مقروض کو اس کے حالات ساز گار ہونے تک مہلت دینے کی جو تلقین کی گئی ہے وہ صرف سودی قرض کے لئے نہیں ہے ہر قرض کے لئے ہے۔

۵۔

آیاتِ قرآنی کے پیشِ نظر اس موضوع پر گفتگو ہو چکی۔ اب احادیث کو سامنے رکھ کر اگر مزید تنقیح کر لی جائے تو کیا حرج ہے:

مقروض کے ساتھ رعایت شعارِ اسلام ہے:

ابوہریرہ سے روایت ہے کہ ایک تاجر لوگوں کو قرض دیا کرتا تھا، جب وہ

کسی تنگ دست کو دیکھتا تو اپنے جوانوں (خادموں) سے کہتا اس سے درگزر کرو۔ شاید ہم سے اللہ درگزر فرمائے۔ پس اللہ نے اسے معاف کر دیا۔

۵۷

مقروض غلام تک کو اپنے پاس سے رقم دے کر آزاد کرا دیتے تھے۔

حضرت جابر بن عبد اللہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے اپنا غلام مدبّر کیا۔ اسے روپے کی ضرورت پیش آئی تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس غلام کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا:

"اس غلام کو مجھ سے کون مول لیتا ہے؟"

چنانچہ نعیم بن عبد اللہ نے اسے اسی قدر مال کے عوض مول لے لیا اور آپؐ نے وہ قیمت اس کے مالک کو دے دی۔

۵۸

سود کے بارے میں حدیث ذیل کا مطالعہ مسئلے کو اور زیادہ واضح کر دیتا ہے

حضرت سمرہ بن جندب کہتے ہیں کہ رسول اللہ نے فرمایا:

"میں نے ایک رات دو آدمیوں کو دیکھا جو میرے پاس آئے اور مجھے ایک مقدس سرزمین کی طرف لے گئے۔ ہم چلتے رہے، یہاں تک کہ ایک نہر کے پاس پہنچے۔ جو خون کی تھی۔ نہر میں ایک آدمی کھڑا تھا۔ اور وسطِ نہر میں ایک (اور) آدمی کھڑا تھا جس کے ہاتھوں میں بہت سے پتھر تھے پھر وہ اس کی طرف متوجہ ہوا، جو نہر میں تھا۔ جب وہ نہر سے باہر نکلنے کا ارادہ کرتا تھا تو وہ آدمی پتھر پھینک پھینک کر اس کے منہ پر مارتا تھا۔ پھر وہ واپس چلا جاتا تھا جب بھی وہ نکلنے کا ارادہ کرتا تھا۔ اس کے منہ پر پتھر کھینچ کر مارے جاتے۔ پھر وہ واپس چلا جاتا تھا۔ میں نے پوچھا یہ

کون ہے ؟ تو اس آدمی نے جسے میں نے نہر میں دیکھا تھا کہا "سود خوار"

۹

ایک اور حدیث اسی موضوع کو اور زیادہ واضح کرتی ہے :

ابوہریرہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تقاضا کرتا ہوا آیا اور اس نے شدّت کی ۔ آپؐ کے صحابہ نے اُسے سزا دینا چاہا ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسے چھوڑ دو ، کیونکہ حق والے کو کہنے کا حق ہوتا ہے ، پھر فرمایا ۔ اُسے ایسا ہی دانتوں والا اونٹ دو جیسا اس کا تھا ۔ لوگوں نے کہا یا رسول اللہؐ ہمیں اس کے اونٹ سے بہتر دانتوں والے کے سوا کوئی نہیں ملتا ۔ آپؐ نے فرمایا ۔ اسے دے دو ، کیونکہ تم میں سب سے اچھا وہ ہے جو قرض ادا کرنے میں سب سے اچھا ہو ۔

۱۰

قرض سے انسان کی خودی اس طرح مجروح ہوتی ہے کہ آپؐ ہمیشہ اس سے پناہ مانگتے تھے :

حضرتِ عائشہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہؐ نماز میں یہ دعا فرماتے تھے :

" یا اللہ ! میں پناہ مانگتا ہوں عذابِ قبر سے ، پناہ مانگتا ہوں فتنۂ مسیح دجّال سے اور پناہ مانگتا ہوں فتنۂ موت سے ، یا اللہ میں پناہ مانگتا ہوں گناہ سے قرض سے " ایک سوال کرنے والے نے پوچھا ، آپ قرض سے پناہ کیوں مانگتے ہیں ۔ فرمایا کوئی شخص مقروض ہو جاتا ہے تو جھوٹ بولنے لگتا ہے اور وعدہ خلافی کرنے لگتا ہے "

۱۱

ماخذ :

۱ : سورہ بقر آیت ۲۸۲

۲ : 〃 توبہ 〃 ۶۰

۳ : 〃 بقر 〃 ۲۷۵

۴ : تفسیر خازن ج ۱ ص ۲۵۰-۲۵۱

۵ : سورہ بقر آیت ۲۷۸-۲۷۹-۲۸۰

۶ : تفسیر خازن ج ۱ ص ۲۵۵، ۲۵۶

۷ : صحیح بخاری کتاب بدء الاذان

۸ : 〃 〃 کتاب الاستقراض

۹ : 〃 〃 〃 〃

۱۰ : 〃 〃 کتاب الاذان

۱۱ : صحیح بخاری، کتاب الاذان

(۱۲)

عدل و احسان دوستوں اور شناساؤں کے ساتھ

انسانی سوسائٹی میں بہت سے امراض گھن کی طرح لگے ہوئے ہیں جو اسے چاٹ رہے ہیں۔ بدگمانی اور بدظنی اکثر لوگوں کا شعار ہے۔ کسی آدمی کے قول و فعل میں اچھائی کا پہلو تلاش کرنا مشکل ہے خواہ اس کے قرائن کتنے ہی واضح کیوں نہ ہوں — اور بُرائی کا پہلو ڈھونڈھ نکالنا بہت آسان ہے، خواہ اس کے قرائن کتنے ہی ضعیف کیوں نہ ہوں، اسی طرح گو ہماری یہ خواہش ہوتی ہے کہ ہمارے رازہائے دروں پردہ سے کوئی واقف نہ ہونے پائے لیکن دوسروں کے اسرار و رموز کا تجسس ہمارا بہترین مشغلہ ہے۔ وہ کیا کرتا ہے، کیا کھاتا ہے، کتنا کماتا ہے، کس طرح خرچ کرتا ہے، وہاں کیوں جاتا ہے، فلاں سے کیوں ملتا ہے۔ یہ اور اسی طرح کے بہت سے سوالات ہماری روزمرہ کی زندگی کا ایک اہم جزو ہیں، حالانکہ یہ حد درجہ معیوب بات ہے، معاملہ یہیں ختم نہیں ہوتا۔ ہمارا ایک دلچسپ اور محبوب مشغلہ غیبت بھی ہے۔ ایک آدمی جو ہمارے سامنے بیٹھا ہے ہم اس پر کوئی اعتراض

نہیں کریں گے، کوئی نکتہ چینی نہیں کریں گے۔ اس کی آؤ بھگت کریں گے خندہ جبینی سے اس کا استقبال کریں گے لیکن وہ نظروں سے اوجھل ہوا اور ہم نے اس میں کیڑے نکالنا شروع کر دیئے۔ اس کی واقعی اور فرضی برائیوں کی ایک طویل فہرست کسی فی البدیہہ قصیدہ کی طرح ہماری زبان پر جاری ہو جائے گی۔ اللہ تعالیٰ نہایت سخت الفاظ میں اس سے منع فرماتا ہے:

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا کَثِیْرًا مِّنَ الظَّنِّ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ وَّلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا یَغْتَبْ بَّعْضُکُمْ بَعْضًا اَیُحِبُّ اَحَدُکُمْ اَنْ یَّاْکُلَ لَحْمَ اَخِیْهِ مَیْتًا فَکَرِهْتُمُوْهُ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ رَّحِیْمٌ ۝ ؎

مومنو! بہت سی بدگمانی سے بچو۔ بے شک بعض گمان گناہ ہیں اور جاسوسی نہ کرو اور تم میں بعض بعض کی غیبت نہ کریں، کیا تم میں کوئی پسند کرتا ہے کہ اپنے مرے بھائی کا گوشت کھائے۔ پس تم اس سے کراہت کرتے ہو اور اللہ سے ڈرو، بے شک اللہ تعالیٰ توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔

انسانی سوسائٹی کا ایک نہایت کمزور اور تاریک پہلو یہ ہے کہ چند لوگ جب بیٹھتے ہیں تو دوسروں کا مذاق ضرور اڑاتے ہیں۔ عورتوں کی سرشت میں بھی یہ چیز داخل ہے۔ حالانکہ ایسا کرنے والے اگر گریبان میں اپنا منہ ڈال کر دیکھیں تو یقیناً شرم و ندامت محسوس کریں گے۔ مسخرے پن سے دوسروں کے مضحکہ خیز نام رکھنا اور اس جودت طبع پر خود ہنسنا اور دوسروں کو ہنسانا بھی وقت گزاری کا بہترین مشغلہ ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی نظر میں یہ فسق ہے۔ اور دعوی ایمان کے ساتھ فسق کا حامل ہونا خود اپنے اوپر بہت بڑا ظلم ہے۔

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا یَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰٓی اَنْ یَّکُوْنُوْا خَیْرًا مِّنْھُمْ

مسلمانو! کوئی قوم کسی قوم سے ٹھٹھا نہ کرے ممکن ہے کہ وہ لوگ (جن سے ٹھٹھا کیا

ماخذ :

۱: سورہ حجرات آیت ۱۲	۴: سورۂ نساء آیت ۳۶
۲: " " " ۱۱	۵: صحیح بخاری، کتاب الادب
۳: " نساء " ۸۵	۶: " " کتاب المظالم

(۱۳)

عدل و احسان

عزیزوں اور رشتہ داروں کے ساتھ

انسان پر صرف اپنا ہی حق نہیں ہے، اہل وعیال کا حق بھی ہے۔ دوستوں کا حق بھی ہے۔ پڑوسیوں، ساتھیوں، مسکینوں، غریبوں اور محتاجوں کا حق بھی ہے نیز عزیزوں اور رشتہ داروں کا بھی ہے۔

اسلام نے ان تمام حقوق کے ادا کرنے پر زور دیا ہے اور اصرار کیا ہے کہ دوسروں کے معاملے میں عزیزوں اور رشتہ داروں کا حق فائق ہے۔ انسان کے کردار اور سیرت کی ایک کسوٹی یہ بھی ہے کہ اپنے عزیزوں اور رشتہ داروں کے ساتھ اس کا سلوک کیا ہے؟ جو شخص صلۂ رحم نہیں کر سکتا وہ یقیناً سوسائٹی اور سماج کا ابھار کن نہیں بن سکتا۔

عزیزوں اور رشتہ داروں کا حق ادا کرنے کی اسلام نے بار بار تاکید کی ہے:

وَآتِ ذَا الْقُرْبَىٰ حَقَّهُ ۝ اور رشتہ دار کو اس کا حق دے۔

صاحبِ استطاعت اور دولت مندوں کو تاکید کی گئی ہے کہ وہ اپنے رشتہ داروں کو فراموش نہ کریں۔ بلکہ فرمایا گیا ہے کہ ان کی لغزشوں اور خطاؤں سے درگزر کرو۔ ان سے اگر کوئی غلطی سرزد ہوجائے تو غصہ میں آکر یہ فیصلہ نہ کرلو کہ ان کی مدد نہیں کروگے۔ اگر ایسا کروگے تو خدا کی رحمت و بخشش سے سرفراز نہ ہوگے:

وَلَا يَأْتَلِ أُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ
وَالسَّعَةِ أَنْ يُؤْتُوا أُولِي الْقُرْبَىٰ
وَالْمَسَاكِينَ وَالْمُهَاجِرِينَ فِي
سَبِيلِ اللَّهِ وَلْيَعْفُوا وَلْيَصْفَحُوا
أَلَا تُحِبُّونَ أَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَكُمْ
وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ○

۲ہ

اور چاہیے کہ تم میں سے بزرگی اور وسعت والے یہ قسم نہ کھائیں کہ وہ رشتہ داروں اور محتاجوں اور راہِ خدا میں ہجرت کرنے والوں کو کچھ نہ دیں گے۔ اور ان کو چاہیے کہ وہ معاف کریں وہ درگزر کریں کیا تم یہ نہیں چاہتے کہ اللہ تمھیں بخشے اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

ایک اور موقع پر ان لوگوں کی پوری فہرست بتادی ہے جن کی مدد کرنی چاہیے جن کے ساتھ حسنِ سلوک کا برتاؤ کرنا چاہیے۔ اس فہرست میں سب سے پہلے والدین کا ذکر ہے۔ پھر عزیزوں اور رشتہ داروں کا، پھر دوسرے لوگوں کا۔

وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا وَذِي
الْقُرْبَىٰ ○

۳ہ

اور اپنے والدین اور قرابت داروں اور سب کے ساتھ اللہ حسنِ سلوک کرنے کا حکم دیتا ہے۔

زندگی ہی میں نہیں زندگی کے بعد بھی عزیزوں اور رشتہ داروں کا حق قائم رہتا ہے۔ چنانچہ تاکید کی گئی ہے کہ مرتے وقت اپنے مال وجائداد کے بارے میں وصیت کرجاؤ۔ والدین اور دوسرے رشتہ داروں کو اُن کا حق دیتے جاؤ:

كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ

تم پر فرض کیا جاتا ہے کہ جب کسی کو موت

اِنْ تَرَكَ خَيْرَا ۨ الْوَصِيَّةُ
لِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ بِالْمَعْرُوْفِ
حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ ٥

نزدیک معلوم ہونے لگے بشرطیکہ کچھ مال
بھی ترکہ میں چھوڑ رہا ہو تو والدین اور اقارب
کے لئے معقول طور پر کچھ کچھ بتلا جاوے جن
کو خدا کا خوف ہے ان کے لئے یہ ضروری ہے

۴

یہ بھی ہوتا ہے کہ آدمی کسی رشتہ دار یا عزیز سے خفا ہوتا ہے اس کی کسی بات پر نالاں اور برہم ہوتا ہے۔ اس خفگی اور بیزاری کا اثر یہ ہوتا ہے کہ اپنی وصیت میں ان لوگوں کا ذکر نہیں کرتا۔ انھیں محروم کر دیتا ہے، حالانکہ ایسا نہ کرنا چاہئے تھا حقدار کو اس کا حق ضرور دینا چاہئے۔ ایسے موقع پر اگر کوئی شخص مصالحت کرا دے، اور وصیت کرنے والے کو اس ارادہ سے روک دے جو اپنے معتوب عزیزوں اور رشتہ داروں کے بارے میں وصیت نہ کر کے وہ کر رہا تھا تو یہ کارِ ثواب ہے۔

فَمَنْ خَافَ مِنْ مُّوْصٍ جَنَفًا اَوْ اِثْمًا
فَاَصْلَحَ بَيْنَهُمْ فَلَا اِثْمَ عَلَيْهِ ؕ اِنَّ
اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ٥

ہاں جس شخص کو وصیت کرنے والے کی
جانب سے کسی بے عنوانی کی یا کسی جرم
کے ارتکاب کی تحقیق ہوئی ہو اور پھر
یہ شخص ان میں باہم مصالحت کرا دے تو
اس پر کوئی گناہ نہیں ہے۔ واقعی اللہ
تو معاف کرنے والا رحم کرنے والا ہے۔

۵

جہاں اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا ہے کہ نیکی قبلہ رُو ہو جانا نہیں ہے۔ بلکہ یومِ آخرت ملائکہ اور کتب و انبیاء پر ایمان لانا ہے، وہاں یہ بھی بتا دیا ہے کہ یہ نیکی مکمل نہیں ہوتی جب تک آدمی اپنے مال میں سے عزیزوں، رشتہ داروں اور دوسرے مستحق لوگوں کی دست گیری نہ کرے:

لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ

یہ کچھ نیکی نہیں کہ تم اپنے منہ مشرق یا

هُمُ الْخَاسِرُوْنَ ۝	اٹھائیں گے ۔

۵۸

خدائے واحد کی عبادت اور شرک میں مبتلا نہ ہوجانے کی تلقین کرتے ہوئے اسی ہدایت کے پہلو بہ پہلو یہ ہدایت بھی فرمائی ہے کہ والدین اور رشتہ داروں کے ساتھ حسنِ سلوک سے پیش آؤ ۔ خدا کی عبادت کے ساتھ اس ہدایت کا ذکر ثبوت ہے اس بات کا کہ والدین اور رشتہ داروں کے ساتھ اچھا برتاؤ بھی ایک طرح کی عبادت ہے :

وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّبِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى ۝	اور اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کرو اور ماں باپ کے ساتھ نیکی کرو اور رشتہ داروں اور یتیموں کے ساتھ ۔

۵۹

اس ہدایت و تلقین کے بعد پھر یہ فرمایا کہ جو لوگ عہد شکنی کرتے ہیں اور قطع رحم کرتے ہیں یعنی عزیزوں اور رشتہ داروں کے ساتھ اچھا سلوک نہیں کرتے انھیں ان کا حق نہیں دیتے ، ان کی دست گیری میں پس و پیش کرتے ہیں وہ خدا کی لعنت کے مستحق ہیں ۔ اور وہ جہنم کے سزاوار ہیں ۔ کیا اس سے بڑی بھی کوئی وعید ہوسکتی ہے ۔ :

وَالَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ وَيَقْطَعُوْنَ مَا اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖ اَنْ يُّوْصَلَ وَيُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ ۙ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوْٓءُ الدَّارِ ۝	اور جو لوگ خدا سے عہد کر کے پیچھے عہد شکنی کرتے ہیں اور جن رشتوں کے جوڑے رکھنے کا خدا نے حکم دیا ہے ان کو توڑتے اور ملک میں فساد برپا کرتے ہیں یہی لوگ ہیں جن کے لیے پھٹکار ہے اور جہنم ہے ۔

قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى

مغرب کی طرف پھیر لو لیکن نیکی اس کی ہے جو ایمان لایا اللہ پر، قیامت پر، فرشتوں پر اور نبیوں پر اور مال اس کی محبت میں رشتہ داروں کو دیتا ہے۔

۵۶

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے لوگ دریافت کرتے تھے کہ امور خیر میں اپنا مال کس طرح اور کیونکر صرف کریں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ؐ کو مخاطب کر کے فرمایا۔ کہ ان لوگوں کو بتا دو بہترین مصرف والدین، عزیزوں اور دوسرے مستحق لوگوں کی دستگیری کرنا ہے۔

يَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ قُلْ مَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۝

جو لوگ تجھ سے پوچھتے ہیں کہ وہ کیا خرچ کریں، کہہ دے کہ نیکی کی قسم سے تم جو کچھ بھی خرچ کرو، وہ ماں باپ کے لئے ہے اور رشتہ داروں اور یتیموں اور محتاجوں اور مسافروں کے لئے۔

۵۷

ایک موقع پر ارشاد فرمایا کہ جو لوگ عہد شکنی کرتے اور قطع رحم کرتے یعنی عزیزوں اور رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک نہیں کرتے وہ گھاٹے میں ہیں، یعنی خدا کی رحمت اور نوازش سے دور:

اَلَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ وَيَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَيُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ اُولٰٓئِكَ

جو پکا کرنے کے پیچھے خدا کا عہد توڑ دیتے ہیں اور جن رشتوں کے جوڑے رکھنے کو خدا نے فرمایا اُن کو قطع کرتے ہیں اور ملک میں فساد پھیلاتے ہیں یہی لوگ نقصان

یہ اتنی بڑی وعید ہے کہ اس کے بعد نہ پھر کسی ترغیب کی ضرورت ہے نہ تہدید کی، ہر شخص کو خود سوچنا چاہیئے کہ اس کا فرض کیا ہے اور یہ فرض کس طرح انجام دینا چاہیئے۔

اب ہم اس عنوان سے متعلق چند احادیث پیش کریں گے۔

اقربا کے حق کا آپ کو کتنا زیادہ خیال رہتا تھا۔ حدیثِ ذیل سے اس پر روشنی پڑتی ہے:

حضرت انس روایت کرتے ہیں کہ خرمہ کے باغات کے سلسلے میں ابوطلحہ انصار مدینہ میں سب سے زیادہ مال دار تھے، لیکن ان کو اموال میں سے ایک میٹھا کنواں زیادہ عزیز تھا جو مسجد نبوی کے بالکل سامنے تھا۔ آنحضرتؐ اس کے پاس سے ہو کر گزرتے اور اس کا پانی پیتے جس میں خوشگواری اور مٹھاس ہوتی تھی پھر جب یہ آیت نازل ہوئی۔ لن تنالوا البر حتیٰ تنفقوا مما تحبون ۔ (تم اس وقت تک پوری نیکی کو نہیں پاسکو گے جب تک کہ اپنی عزیز ترین چیزیں اس کی راہ میں خرچ نہ کرو) تو ابوطلحہ نے کہا یارسول اللہؐ! اللہ تعالیٰ یہ فرماتا ہے کہ اپنی محبوب ترا شیاء اللہ کی راہ میں خرچ کرو۔ اور یہ کنواں مجھے بہت عزیز ہے۔ اس لئے اس کو میں بطور صدقے کے دیتا ہوں۔ امید ہے اللہ تعالیٰ اس کو نیکی اور ذخیرۂ آخرت کا سامان ٹھہرائے گا۔ آپ اسے خدا کی مرضی کے مطابق جہاں چاہیں خرچ کریں۔ آپ نے فرمایا۔ خوب آمدنی کا اچھا خاصا ذریعہ ہے۔ میں نے تمھاری تجویز سُن لی۔ میری رائے میں بہتر یہ ہے کہ اسے اپنے اقربا میں تقسیم کردو۔ ابوطلحہ نے کہا کہ یارسول اللہؐ میں ایسا ہی کروں گا چنانچہ انھوں نے اپنے اقربا اور بنی عم میں اسے تقسیم کردیا۔

ﷺ

• اقربا سے حُسنِ سلوک طولِ عمر کا سبب ہے:

ابوہریرہ رض سے روایت ہے کہ انھوں نے کہا:
میں نے رسول اللہ صلعم کو یہ فرماتے سنا کہ جو شخص اس بات سے خوش ہو کہ اس کے رزق میں کشائش دی جائے اور عمر بڑھے تو اس کو چاہیے کہ اپنے رشتہ داروں سے سلوک کرے۔

۱۲

حضرت حکیم بن حزام آنحضرت سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا اوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے بہتر ہے۔ صدقہ کا آغاز اس شخص سے کرو جو تمہارے عیال میں ہو اور اچھا صدقہ وہ ہے جو فاضل مال سے دیا جائے۔ اور جو شخص سوال سے بچے گا اللہ اسے بچائے گا اور جو شخص مستغنی رہے گا خدا اسے غنی کر دے گا۔

۱۳

حضرت سعد بن ابی وقاص کہتے ہیں کہ رسول اللہ حجۃ الوداع کے سال جبکہ میں بیمار تھا میری عیادت کو تشریف لائے۔ میں نے عرض کیا میری بیماری کی یہ حالت ہے اور میں مالدار ہوں مگر میرا وارث ایک بیٹی کے سوا کوئی نہیں تو کیا میں اپنے مال کا دو تہائی خیرات کر دوں۔ آپ نے فرمایا نہیں۔ میں نے عرض کیا نصف آپ نے فرمایا نہیں۔ میں نے عرض کیا، کیا ایک تہائی خیرات کر دوں؟ آپ نے فرمایا ایک تہائی بھی بہت زیادہ ہے۔ تم اپنے وارثوں کو مالدار چھوڑ جاؤ تو یہ اس سے بہتر ہے کہ انھیں فقیر چھوڑ جاؤ کہ وہ لوگوں کے آگے ہاتھ پھیلائیں۔ اور جو کچھ تم رضامندی سے اللہ کے لئے خرچ کرو گے اس کا تمھیں ثواب ملے گا۔ یہاں تک کہ جو لقمہ تم اپنی بیوی کے منہ میں دو گے۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا میں اپنے دوستوں کے بعد (مکہ میں) چھوڑ دیا جاؤں گا۔ آپ نے فرمایا "اگر تم چھوڑے جاؤ گے

اور نیک کام کروگے تو اس سے تمہارا درجہ اور مرتبہ بلند ہوتا رہے گا مگر تم یقیناً ابھی نہ مروگے ۔ بلکہ تمہاری عمر دراز ہوگی ۔ یہاں تک کہ کچھ لوگوں کو تم سے نفع پہنچے گا ۔ اور کچھ لوگوں (یعنی کافروں) کو تم سے ضرر پہنچے گا ۔ اے اللہ میرے اصحاب کے لئے ان کی ہجرت کامل کر دے ۔ اور انھیں پھر پیچھے کو نہ لوٹا ۔ لیکن بیچارے سعد بن خولہ ! جن کے لئے رسول اللہ نے مرثیہ پڑھا وہ مکہ میں ہی مر گئے ۔

۱۴

اولاد پر خرچ کرنا موجب سعادت ہے :

حضرت ام سلمہ کہتی ہیں میں نے رسول اللہ سے عرض کیا : یا رسول اللہ ! مجھے کچھ اجر ملے گا اگر میں ابی سلمہ کے بیٹوں یعنی اپنے بچوں پر خرچ کروں ؟ فرمایا ان پر خرچ کر ، جو کچھ تو ان پر خرچ کرے گی اس کا اجر پائے گی ۔

۱۵

ایک اور حدیث :

حضرت زینب عبد اللہ بن مسعود کی بیوی روایت کرتی ہیں کہ میں رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہوئی ، میں نے دیکھا ایک انصاریہ بھی دروازہ پر کھڑی ہے اس کو بھی وہی ضرورت تھی جو مجھے تھی ۔ اتنے میں بلال رض ہمارے پاس سے گزرے ہم نے کہا ذرا رسول اللہ سے دریافت کر دیجیے اگر میں اپنے شوہر اور اپنے زیر تربیت بچوں پر خرچ کروں تو اس کی جزا ملے گی ؟ بلال رض نے حضرت سے پوچھا ۔ آپ نے فرمایا ہاں اس کے لئے دو اجر ہیں ایک قرابت کا ، ایک صدقے کا ۔

۱۶

بیٹی اور نواسہ کی وراثت کا بیان :

حضرت ابوموسیٰ سے کسی نے بیٹی پوتی اور بہن کے حصوں کی بابت سوال کیا تو انھوں

نے کہا: آدھا بیٹی کے واسطے اور آدھا بہن کے واسطے۔ اور تم ابن مسعود سے جاکر پوچھ لو، یقین ہے وہ بھی میری طرح جواب دیں گے۔ اس شخص نے ابن مسعود سے جاکر پوچھا۔ اور ابو موسیٰ کا جواب ان سے جاکر بیان کیا۔ انھوں نے کہا اگر میں یہ جواب دوں تو میں اس میں وہی حکم لگاؤں گا جو آنحضرتؐ نے لگایا ہے۔ بیٹی کے واسطے نصف اور نواسہ کے واسطے چھٹا۔ یہ دو تہائی ہوگئیں اور باقی ایک تہائی بہن کے واسطے ہے، پھر ابو موسیٰ سے ابو مسعود کا یہ فتویٰ بیان کیا گیا تو انھوں نے کہا جب تک نقیہ (یعنی ابن مسعود) تم میں زندہ ہے مجھ سے پھر کبھی نہ پوچھنا۔

۵۱۷

حضرت ابن عباس رضؓ آنحضرتؐ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: میراث اپنے اہل کے تئیں پہنچادو، اور جو باقی ہے وہ زیادہ قریبی مرد کے واسطے ہے۔

۵۱۸

بھانجے کی میراث کا ذکر:

حضرت انس بن مالک ہی سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ہر قوم کا بھانجا انہی میں ہے۔" (یعنی بھانجہ کو بھی میراث پہنچتی ہے)

۵۱۹

وارثوں کا حق:

حضرت سعد بن وقاص کہتے ہیں کہ رسول اللہؐ حجۃ الوداع کے سال جبکہ میں بیمار تھا میری عیادت کو تشریف لائے۔ میں نے کہا میری حالت یہ ہے اور میں ہوں مالدار اور ایک بیٹی کے سوا میرا کوئی وارث نہیں۔ کیا میں اپنا تہائی مال خیرات کردوں؟ فرمایا، نہیں۔ میں نے عرض کیا، کیا نصف خرچ کر ڈالوں؟

فرمایا نہیں ۔ میں نے عرض کیا، کیا ایک تہائی خرچ کردوں؟ فرمایا ایک تہائی بھی بہت ہے، تم اپنے وارثوں کو مالدار چھوڑ جاؤ تو یہ اس سے بہتر ہے کہ وہ لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلائیں ۔ اور جو کچھ تم خوشی خوشی اللہ کے لئے خرچ کروگے اس کا تمھیں ثواب ملے گا ۔ یہاں تک کہ جو لقمہ تم اپنی بیوی کے منہ میں دوگے اس کا بھی اجر ہے ۔

۵۲۰

عزیزوں کے جذبات و احساسات کا پاس بھی کرنا چاہیے ۔

حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے ۔ اس وقت میرے پاس دو لڑکیاں بیٹھی بعاث کا گیت گا رہی تھیں ۔ رسول اللہ ؐ فرش پر لیٹ رہے اور اپنا روئے مبارک پھیر لیا ۔ اتنے میں حضرت ابوبکر تشریف لائے ۔ انھوں نے مجھے جھڑکا اور کہا: شیطان کے ساز اور آنحضرت ؐ کے سامنے؟ رسول اللہ ؐ ان کی طرف متوجہ ہوئے، اور فرمایا چھوڑ دو ۔ پھر آپ خاموش رہے (تو میں نے ان دونوں لڑکیوں کو اشارہ کیا اور وہ چلی گئیں ۔

۵۲۱

ماخذ:

۱: سورہ بنی اسرائیل	آیت ۱۷	۶: سورہ بقرہ	آیت ۱۷۶
۲: " نور	" ۲۳	۷: " "	" ۲۱۵
۳: " نساء	" ۴	۸: " "	" ۲۷
۴: " بقرہ	" ۱۸۰	۹: " نساء	" ۳۶
۵: " بقرہ	" ۱۸۲	۱۰: " رعد	" ۳۵

۱۱: صحیح بخاری کتاب الزکوٰۃ

۱۲: " " " البر

۱۳: " " " "

۱۴: " " باب وجوب الزکوٰۃ

۱۵: " " " " "

۱۶: " " کتاب الفرائض

۱۷: " " " "

۱۸: " " " "

۱۹: " " " " "

۲۰: " " کتاب الوصیۃ

۲۱: " " ابواب العیدین

(۱۴)

عدل و احسان عورت کے ساتھ

اسلام نے عورت کو جو حقوق اور مراعات دیئے ہیں ان کی مثال نہ دُنیا کی کوئی قوم پیش کر سکتی ہے نہ مذہب۔ عیسائیت، یہودیت، ہندومت اور دوسرے قدیم مذاہب میں عورت کی حیثیت از روئے دین و شریعت ایک باندی سے بھی کم ہے باندی بہرحال کچھ حقوق رکھتی ہے اور یہ نہ ماں کی حیثیت سے نہ بہن کی حیثیت سے نہ بیوی اور بیٹی کی حیثیت سے کوئی مقام رکھتی ہے۔ یہ جوئے میں ہاری جا سکتی ہے، اسے نیلام کیا جا سکتا ہے، اسے قید و بند کی زندگی اختیار کرنے پر مجبور کیا جا سکتا ہے۔ نکاح و طلاق میں اس کی رائے یکسر بے وقعت ہے۔ اپنے وجود اور اپنی انفرادیت کے تحفظ کا اس کے پاس کوئی سامان نہیں ہے۔ اسے باپ، شوہر اور اولاد کے پاس ایسی زندگی بسر کرنی پڑتی ہے جو مُردوں سے بدتر ہوتی ہے۔ کسی رشی نے اُسے سانپ سے تشبیہ دی ہے، کسی مذہب نے اُسے مجسّم گناہ قرار دیا ہے۔ اس کے مکر و کید پر تقریباً سبھی کا اتفاق ہے، یہ کسی جائداد کی مالک نہیں ہو سکتی۔ کسی چیز کا

سودا نہیں کر سکتی۔ اپنے ذاتی روپے تک کا صرف اپنی ذاتی رائے سے نہیں کر سکتی رخصت کرتے وقت ماں باپ جو کچھ دیتے ہیں وہ اس کا نہیں اس کے شوہر کا ہوتا ہے

اس کے برعکس اسلام نے عورت کو بالکل مساوی حیثیت دی ہے۔ اس میں اور مرد میں کسی طرح کی تفریق نہیں۔ دونوں حقوق میں بالکل یکساں ہیں۔ مرد کو عورت پر فوقیت ہے نہ عورت کو مرد پر۔ اس کے جداگانہ وجود اور انفرادیت کا اسلام نے اعتراف کیا ہے۔ وہ اپنی جائداد کی مالک ہو سکتی ہے، اپنا روپیہ صرف کر سکتی ہے اپنے شوہر، باپ اور اولاد کے ترکہ میں حصہ پا سکتی ہے۔ وہ حکومت کر سکتی ہے، فتوے دے سکتی ہے۔ قرآن کی تفسیر کر سکتی ہے، جادۂ تصوف پر گامزن ہو سکتی ہے۔ میدانِ جہاد میں مصروفِ عمل ہو سکتی ہے۔ فلاح انسانیت کے کاموں میں بھی حصہ لے سکتی ہے۔ اس پر کوئی پابندی نہیں، کسی طرح کی قدغن نہیں۔

اللہ تعالیٰ اس بات کو اپنی نشانیوں میں شامل کرتا ہے کہ اس نے مرد اور عورت کا جوڑا پیدا کیا ہے تاکہ دونوں ایک دوسرے سے تسکین حاصل کریں۔ اور ایک دوسرے کے درمیان مؤدت و رحمت کا ذریعہ بنیں۔

وَمِنْ اٰیٰتِہٖٓ اَنْ خَلَقَ لَکُمْ مِّنْ اَنْفُسِکُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْکُنُوْٓا اِلَیْھَا وَجَعَلَ بَیْنَکُمْ مَّوَدَّۃً وَّرَحْمَۃً لہ

اور اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ اس نے تمہارے واسطے تمہاری جنس کی بیویاں بنائیں تاکہ تم کو ان کے پاس آرام ملے اور تم میاں بیوی میں محبت اور ہمدردی پیدا کی۔

ایک اور مقام پر ارشاد ہوا

ھُوَ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَۃٍ وَّجَعَلَ مِنْھَا زَوْجَھَا لِیَسْکُنَ اِلَیْھَا ٰلہ

وہ اللہ ایسا ہے جس نے تم کو تن واحد سے پیدا کیا اور اسی سے اس کا جوڑا بنایا تاکہ وہ اپنے جوڑے سے انس حاصل کرے۔

اس سے متبادر ہوتا ہے کہ مرد اور عورت میں از روئے حقوق کسی طرح کی تفریق نہیں ہے۔

ایک موقع پر ارشاد ہوا :

اَلرِّجَالُ قَوَّامُوْنَ عَلَى النِّسَاۤءِ	مرد نگراں ہیں عورتوں کے۔ اس سبب سے
بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ	کہ اللہ نے بعضوں کو بعض پر فضیلت دی
وَّبِمَاۤ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ ۝	ہے۔ اور اس سبب سے کہ مردوں نے
ه۳	مال خرچ کیا ہے۔

قوامون کا مطلب حاکم نہیں ہے، بلکہ عورت کی کمزور ساخت اور مرد کی خلقی مضبوطی کے پیش نظر اُسے عورت کا نگہبان اور پاسبان بنایا گیا ہے۔

مرد اور عورت کی مساوات اور حقوق میں دونوں کی یکسانیت ثابت کرنے کے لئے یہ آیہ کریمہ شاہد عادل ہے :

لَهُنَّ مِثْلُ الَّذِیْ عَلَیْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ	اور عورتوں کے بھی حقوق ہیں جو مثل ان
	حقوق کے ہیں جو عورتوں پر ہیں قاعدہ کے
ه۴	موافق

یعنی عورتوں کو مردوں پر وہی حقوق حاصل ہیں جو مردوں کو عورتوں پر،

ایک اور موقع پر ارشاد ہوا :

ھن لباس لکم وَ انتم لباس	وہ تمھارا لباس ہیں اور تم ان کا لباس
لھن ۝ ه۵	ہو۔

یہ الفاظ خود اپنی تفسیر کر رہے ہیں۔

ایک اور آیت میں بالکل واضح اور صاف الفاظ میں فرمادیا ہے :

للرجال نصیب مما اکتسبوا وللنسٓ	مردوں کے لئے ان کے اعمال کا حصہ ثابت ہے،

نصیب مما اکتسبن ۝ — اور عورتوں کے لئے ان کے اعمال کا حصہ ثابت ہے۔ ۶۵

اس سے معلوم ہوا کہ مرد اور عورت دونوں اپنے معاملات کے خود ذمہ دار ہیں، اچھا کام کریں گے تو اجر پائیں گے نیکی کے راستے سے منحرف ہوں گے تو سزا پائیں گے۔

ایک اور آیت میں یہی بات زیادہ وضاحت کے ساتھ ارشاد فرمادی :

وَمن یعمل من الصلحتِ من ذکر وانثیٰ وھو مومن فاولٰئک یدخلون الجنۃ ولا یظلمون نقیرا ۝ — اور جو شخص کوئی نیک کام کرے گا خواہ وہ مرد ہو یا عورت بشرطیکہ مومن ہو، سو ایسے لوگ جنّت میں داخل ہوں گے اور ان پر ذرا بھی ظلم نہ ہوگا۔ ۷۵

یعنی ہر شخص اپنے عمل کا خود ذمّہ دار ہے جہاں تک خدا کی طرف سے عائد کردہ ذمّہ داریوں کا تعلق ہے دونوں میں کوئی فرق نہیں۔

ایک اور آیت میں بہت زیادہ صراحت اور وضاحت کے ساتھ یہ تک فرمادیا ہے کہ امر بالمعروف نہی عن المنکر، اقامت صلوٰۃ، ایتاء زکاۃ اور دوسرے کاموں میں مرد اور عورت کی ذمّہ داری مشترک ہے۔

وَالمومنون والمومنات بعضھم اولیاءُ بعض یامرون بالمعروف وینھون عن المنکر ویقیمون الصّلوٰۃَ ویؤتون الزکوٰۃ ویطیعون اللّٰہ ورسولہ اولٰئک سیرحمھم اللّٰہ ان اللّٰہ عزیز حکیم وعد اللّٰہ المؤمنین والمؤمنات — اور مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں آپس میں ایک دوسرے کے رفیق ہیں، نیک باتوں کی تعلیم دیتے ہیں اور بری باتوں سے منع کرتے ہیں، نماز کی پابندی رکھتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں۔ اللّٰہ اور اس کے رسول کا کہنا مانتے ہیں ان لوگوں پر ضرور اللّٰہ رحمت کرے گا۔ بلاشبہ

جنٰت تجری من تحتہا الانہار خالدین
فیہا ومسٰکن طیبۃ فی جنٰت عدن
ورضوان من اللہ اکبر ذالک ھو
الفوز العظیم ٥

اللہ قادر ہے حکمت والا ہے۔ اللہ تعالیٰ
نے مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں سے ایسے
باغوں کا وعدہ کر رکھا ہے جن کے نیچے سے
نہریں چلتی ہوں گی جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے اور
نفیس مکان جو اُن ہمیشگی کے باغوں میں ہوں
گے اور اللہ کی رضامندی سب سے بڑی چیز ہے۔ یہ
بہت بڑی کامیابی ہے۔ شہ

عورت کے احترام کا اس سے بڑا ثبوت کیا ہوگا کہ جو لوگ لڑکیوں کے پیدا ہونے پر غمگین ہوتے ہیں اور لڑکوں کی پیدائش پر جن کی باچھیں کھل جاتی ہیں ان کا نقشہ قرآن کریم میں بایں الفاظ کھینچا ہے :

واذا بشر احدھم بالانثیٰ ظل
وجھہ مسودا وھو کظیم یتوارٰی
من القوم من سوء ما بشر بہ
ایمسکہ علیٰ ھون ام یدسہ
فی التراب الا ساء ما یحکمون ٥

اور جب ان میں کسی کو بیٹی کی خبر دی جائے
تو سارا دن ان کا چہرہ بے رونق رہے اور
وہ دل ہی دل میں گھٹتا رہے۔ جس چیز کی اس
کو خبر دی گئی ہے اس کے عار سے لوگوں سے
چھپا چھپا پھرے آیا ذلیل ہو کر اسے لئے پھرے
یا مٹی میں گاڑ دے، خوب سن لو، ان کی یہ رائے
بہت بری ہے۔ وہ

ان الفاظ سے اندازہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو کتنا ناپسند فرماتا ہے جو لڑکے کی ولادت پر تو شادیانے بجائیں اور لڑکی کی پیدائش جن کے ہاں صفِ ماتم بچھا دے۔

عربوں کے بعض قبائل میں عام دستور تھا کہ لڑکی کو پیدا ہوتے ہی زندہ درگور

کردیتے تھے۔ کچھ غیرت کے خیال سے کچھ غربت کے اندیشے سے۔ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں باتوں کی ممانعت فرمائی۔ غیرت مندوں سے پوچھا گیا۔

واذا الموؤدۃ سئلت بای ذنب قتلت ○ خلہ	زندہ گاڑی ہوئی لڑکی سے پوچھا جائیگا کہ وہ کس گناہ پر قتل کی گئی تھی۔

غریبوں کو ہدایت کی گئی:

ولاتقتلوا اولادکم خشیۃ املاق نحن نرزقھم وایاکم ان قتلھم کان خطئاً کبیراً ○ سلہ	اور اپنی اولاد کو ناداری کے اندیشہ سے قتل مت کرو، ہم ان کو بھی رزق دیتے ہیں اور تم کو بھی۔ بیشک اُن کا قتل کرنا بڑا بھاری گناہ ہے۔

عورت کے اجلال و احترام کا اسلام کس درجہ خیال رکھتا ہے۔ اس کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ محض کسی بچے کو دودھ پلا دینے سے خواہ وہ کتنے ہی مختصر وقفہ کے لئے کیوں نہ ہو، وہ اس کی ماں بن جاتی ہے اور اسی احترام کی مستحق قرار پاتی ہے جو سگی ماں کا ہوتا ہے۔ یہی نہیں بلکہ اس کی لڑکیاں اس بچے کی بہنیں اور لڑکے بھائی بن جاتے ہیں۔ نکاح اور شادی بیاہ کے سلسلے میں رضاعی بہنوں اور بھائیوں کے مابین وہی پابندیاں ہیں جو سگے بھائیوں اور بہنوں کے مابین، میرا خیال ہے دُنیا کی کسی قوم نے اس ترقی یافتہ دَور میں بھی عورت کا یہ مقام تسلیم نہیں کیا۔

حرمت علیکم امھاتکم وبناتکم واخواتکم وعماتکم وخالاتکم وبنات الاخ وبنات الاخت وامھاتکم اللتی ارضعنکم واخواتکم من الرضاعۃ ○ سلہ	تم پر حرام کی گئی ہیں تمہاری مائیں اور تمھاری بیٹیاں اور تمھاری بہنیں اور تمھاری پھوپھیاں اور تمھاری خالائیں اور بھتیجیاں اور بھانجیاں اور تمھاری وہ مائیں جنھوں نے تم کو دودھ پلایا ہے اور تمھاری دودھ شریک بہنیں۔

عورت کے احترام کی ایک اور بہت بڑی مثال یہ ہے کہ اگر شوہر اسے بڑی سے بڑی رقم بھی عطا کرے تو طلاق کے بعد ایک حبّہ بھی واپس نہیں لے سکتا۔

وان اردتم استبدال زوج مکان زوج وایتتم احدٰھن قنطاراً فلاتاخذوامنہ شیئًا ○

اور اگر تم بجائے ایک بیوی کے دوسری بیوی کرنا چاہو اور تم اس ایک کو انبار کا انبار مال دے چکو ہو تو اس میں سے کچھ بھی مت لو۔

۳ھ

اسی طرح حالتِ حمل میں جن عورتوں سے قطع تعلق کیا جائے اس کے بارے میں بھی اللہ تعالیٰ نے مفصل ہدایات دے دیں:

اسکنوھن من حیث سکنتم من وجدکم ولاتضاروھن لتضیقوا علیھن وان کن اولات حمل فانفقوا علیھن حتیٰ یضعن حملھن فان ارضعن لکم فاتوھن اجورھن ○

تم ان عورتوں کو اپنی وسعت کے موافق رہنے کا مکان دو جہاں تم رہتے ہو اور ان کو تنگ کرنے کے لئے تکلیف مت پہنچاؤ اور اگر وہ حاملہ ہوں تو زچگی تک ان کو خرچ دو۔ پھر اگر وہ دودھ پلائیں تو ان کو اجرت دو۔

۴ھ

فرعون کے بارے میں ہر شخص جانتا ہے کہ وہ کیا تھا اور کیسا تھا؟ مصر کا یہ بادشاہ وقت کے پیغمبر موسیٰ علیہ السلام کا ان کی دعوت اور ان کے پیغام کا، ان کے دین اور مذہب کا سب سے بڑا دشمن تھا۔ خود قرآن ہی سے یہ ثابت ہے کہ اپنے طغیان و عدوان کے باعث وہ غرق ہوا اور دنیا کے لئے باعثِ عبرت بن گیا۔ لیکن اسی فرعون کی بیوی ایمان کے کس مقام پر فائز تھی۔ اس کی گواہی قرآن ان الفاظ میں دیتا ہے:

وضرب اللہ مثلاً للذین اٰمنوا امرأة فرعون اذ قالت رب ابن لی عندک

اور اللہ تعالیٰ ان مسلمانوں کے لئے فرعون کی بیوی کا حال بیان کرتا ہے جب کہ ان بی بی

بیتًا فی الجنۃ ونجنی من فرعون
وعملہ ونجنی من القوم الظلمین
ومریم ابنت عمران التی احصنت
فرجھا فنفخنا فیہ من روحنا و
صدقت بکلمات ربھا وکتبہ
وکانت من القانتین ٥

۵له

نے دعا کی کہ اے میرے رب میرے واسطے جنت میں اپنے قریب مکان بنائیے اور مجھ کو فرعون سے اور اس کے عمل سے محفوظ رکھیے ۔ اور اللہ عمران کی بیٹی مریم کا حال بیان کرتا ہے جنھوں نے اپنے ناموس کو محفوظ رکھا، سو ہم نے ان کے چاک گریبان میں اپنی روح پھونک دی اور انھوں نے اپنے پروردگار کے کلمات کی اور اس کی کتابوں کی تصدیق کی اور وہ اطاعت والوں میں سے تھیں ۔

اسی طرح ام موسیٰ کے بارے میں قرآن کی شہادت یہ ہے :

واوحینا الی امہ ان ارضعیہ
فاذا خفت علیہ فالقیہ فی الیم
ولا تخافی ولا تحزنی انا رادوہ الیک
وجاعلوہ من المرسلین ٥

۶له

اور ہم نے موسیٰ کی والدہ کو الہام کیا کہ تم ان کو دودھ پلاؤ، پھر جب تمھیں ان کی نسبت اندیشہ ہو تو ان کو دریا میں ڈال دینا، نہ ڈرنا نہ غم کرنا ہم ضرور انھیں تمھارے پاس واپس بھیج دیں گے اور ان کو پیغمبر بنا دیں گے ۔

یہ اعزاز کسی مرد کو نہیں حاصل ہوا ۔

آیاتِ بالا سے یہ بات بہت اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ اسلام نے عورت کو کتنے اونچے مقام پر فائز کر دیا ہے ۔ اب ہم احادیث و روایات کی روشنی میں اس کے حقوق اور مراعات کی مزید تعیین کریں گے ۔

رضاعی بہن سے اگر لاعلمی کے باعث نکاح ہو بھی جائے تو وہ قائم نہیں رہ

سکتا۔

عقبہ بن حارث سے روایت ہے کہ میں نے ابی اہاب بن عزیز کی لڑکی سے نکاح کر لیا تھا۔ ایک عورت نے آکر بیان کیا کہ میں نے تجھے اور اس عورت کو جس سے تو نے نکاح کیا ہے دودھ پلایا ہے۔ میں نے کہا مجھے تو نہیں معلوم کہ تو نے مجھے دودھ پلایا ہے اور نہ اس سے پہلے تو نے مجھے اس کی خبر دی۔ پھر عقبہ سوار ہو کر رسول اللہؐ کے پاس مدینہ گئے۔ اور آپؐ سے یہ مسئلہ پوچھا تو رسول اللہؐ نے فرمایا۔ تم (اب) کس طرح اس سے صحبت کر سکتے ہو حالانکہ یہ بات کہی گئی ہے۔ (یعنی یہ کہ مرضعہ کے اس قول سے ثبوتِ رضاع ہو گیا ہے) پس عقبہ نے اس عورت کو (احتیاطاً) چھوڑ دیا اور اس نے دوسرے شخص سے نکاح کر لیا۔

۱۷ھ

حضرت علیؑ کی تصریح رضاعت کے بارے میں یہ ہے:

حضرت علی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: دودھ کے رشتے سے وہی حرمت ثابت ہوتی ہے جو نسب کے رشتے سے، خواہ دودھ کم پیا جائے یا زیادہ۔

۱۸ھ

عام طور پر لڑکیوں کی شادی ان سے رائے لئے بغیر والدین کر دیتے ہیں۔ اور یہ ان کے نزدیک معیارِ شرافت ہے، لیکن اس بارے میں خود رسول اللہؐ کا طرزِ عمل کیا تھا اس کا اندازہ حدیثِ ذیل سے ہوگا:

حضرت ابوہریرہ کہتے ہیں کہ رسول اللہؐ جب ارادہ فرماتے کہ اپنی کسی صاحبزادی کا کسی سے نکاح کریں تو فرماتے کہ فلاں شخص (نام لے کر) فلاں کا (یعنی اپنی صاحبزادی کا) ذکر کرتا ہے، پھر (صاحبزادی کی طرف سے سکوت پر) ان کا نکاح اس شخص سے کر دیتے[۱۹]

عورت کی رضامندی کے بغیر اگر اس کا نکاح کر دیا جائے، وہ اگر قاضی سے مرافعہ کرے تو دونوں میں تفریق کر دی جائے گی۔

حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ ایک عورت کا خاوند مر گیا۔ اس کے دیور نے اسے پیغام بھیجا مگر (عورت کا) باپ اس سے نکاح کرنے پر راضی نہ ہوا۔ (چنانچہ) اس نے اسے کسی دوسرے کے نکاح میں دے دیا۔ تو عورت نبیؐ کی خدمت میں آئی۔ اور آپؐ سے پورا واقعہ بیان کیا۔ آپؐ نے اس کے باپ کو بلوایا وہ آیا۔ آپؐ نے فرمایا کہ یہ عورت کیا کہتی ہے۔ اس نے جواب دیا۔ سچ کہتی ہے۔ مگر میں نے اس کا نکاح ایسے سے کیا ہے جو اس کے دیور سے بہتر ہے۔ اس پر آنحضرتؐ نے شوہر اور بیوی میں تفریق کرا دی اور اس کا نکاح اس کے دیور سے کرا دیا۔

۲۰ھ

عورتوں کا آپؐ کس درجہ احترام کرتے تھے، اس کا ثبوت ذیل کے دو واقعات سے ملے گا:

اسماء بنت یزید بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہؐ کا گزر ایک دن مسجد میں ہوا۔ وہاں عورتوں کی ایک جماعت بیٹھی ہوئی تھی۔ حضورؐ نے اپنا ہاتھ موڑ کر ان کو سلام کیا۔

۲۱ھ

ام ہانی کہتی ہیں: آپؐ (نماز سے) فارغ ہوئے تو میں نے عرض کیا میری ماں کے بیٹے (یعنی حضرت علیؓ) کہتے ہیں کہ میں ایک شخص کو مار ڈالوں گا، حالانکہ میں نے اسے پناہ دے دی ہے (یعنی ہبیرہ کے بیٹے کو) رسول اللہؐ نے فرمایا: اے ام ہانی! جسے تم نے پناہ دی اسے ہم نے پناہ دی۔

۲۲ھ

عورت اگر شوہر کو ناپسند کرے تو طلاق لے سکتی ہے :

حضرت ابن عباس روایت کرتے ہیں کہ ثابت بن قیس کی بیوی نے نبیؐ سے آکر عرض کی یارسول اللہؐ میں (اپنے شوہر) ثابت بن قیس سے اس کی عادت یا دین سے ناراض نہیں ۔ لیکن میں یہ برا جانتی ہوں کہ کہیں حالتِ اسلام میں کفرانِ نعمت میں مبتلا نہ ہو جاؤں ، آپؐ نے فرمایا ۔ تو اس کا باغ واپس دے دے گی ؟ وہ بولی ۔ ہاں ۔ رسول اللہؐ نے فرمایا (اے ثابت) اپنا باغ لے لے اور اسے طلاق دیدے ۔

۲۳ھ

اس باب میں عورت کو کتنی آزادئ عمل حاصل تھی اس کا اندازہ ذیل کے واقعے سے ہوگا :

حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ بریرہ کا شوہر مغیث غلام تھا ، گویا کہ میں اب بھی دیکھ رہا ہوں کہ وہ بریرہ کے پیچھے پیچھے روتا پھر رہا ہے ۔ اور اس کے آنسو اس کی داڑھی پر بہہ رہے ہیں ۔ آنحضرتؐ نے عباس سے فرمایا اے عباس ! کیا تم کو مغیث کی محبت اور بریرہ کی عداوت پر تعجب نہیں آتا ۔ پھر آپؐ نے فرمایا اے بریرہ تو اس کے پاس چلی جا ۔ وہ بولی ۔ یارسول اللہ کیا آپ مجھے یہ حکم فرماتے ہیں ؟ آپؐ نے فرمایا میں تو صرف سفارش کرتا ہوں ۔ اس نے کہا مجھے اس کی حاجت نہیں ۔"

۲۴ھ

لعان کی صورت میں بھی عورت کا پلّہ بھاری رہتا ہے :

حضرت ابن عمر سے متلاعنین کی حدیث میں مروی ہے کہ رسول اللہؐ نے متلاعنین سے فرمایا : تو تم دونوں کا حساب خدا کے ذمّے ہے ۔ ایک نہ ایک تم میں

سے جھوٹا ہے (مرد کی طرف مخاطب ہو کر آپؐ نے فرمایا:) تیرا اس پر کوئی حق نہیں۔ اس نے کہا۔ میرا مال ملنا چاہیئے۔ آپ نے فرمایا تیرا مال نہیں رہا۔ اگر تو سچا ہے تب بھی اس سے فائدہ اٹھا چکا ہے۔ اگر تو جھوٹا ہے تو تو اس کا مستحق ہی نہیں

۲۵

عورت کی دلدہی آپ کا شعار تھی:

انس سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں سوا ام سلیم اور اپنی ازواج کے اور کسی گھر میں تشریف نہ لے جاتے تھے۔ آپؐ سے کسی نے کہا ایسا کیوں کرتے ہیں؟ آپؐ نے فرمایا میں اس پر ترس کھاتا ہوں، اس کا بھائی میرے ہمراہ مقتول ہوا ہے۔

۲۶

ایک اور واقعہ:

حضرت انس بن مالک سے روایت ہے کہ ہم عسفان سے لوٹتے وقت رسول اللہؐ کے ساتھ تھے۔ حضورؐ اونٹنی پر سوار تھے۔ اور صفیہ بنت حی کو آپؐ نے پیچھے بٹھایا ہوا تھا۔ (اچانک) آپ کی اونٹنی کا پاؤں پھسل گیا اور دونوں گر پڑے۔ ابوطلحہ نے اپنی سواری سے چھلانگ لگا دی اور حضورؐ کی طرف لپکے۔ اور کہا میری جان آپؐ پر فدا ہو۔ آپ نے فرمایا (پہلے) عورت کی خبر لو، تو انھوں نے (ابوطلحہ نے) اپنے منہ پر کپڑا ڈال لیا اور اس کے بعد (صفیہ کے) پاس آئے۔

۲۷

عزل (برتھ کنٹرول) کیا جا سکتا ہے۔ لیکن یک طرفہ فیصلے سے نہیں بیوی کی رضامندی سے:

امام محمد نے کہا کہ اس پر ہمارا عمل ہے۔ لونڈیوں سے عزل کرتے ہیں ہم کوئی مضائقہ نہیں سمجھتے۔ لیکن آزاد عورت سے بغیر اس کی اجازت کے عزل کرنا مناسب نہیں۔ اور اگر لونڈی کسی کے نکاح میں ہو تو اس سے اس کے مولیٰ کی اجازت کے بغیر عزل کرنا مناسب نہیں۔

۲۸

یہ بھی عورت کے احترام ہی کی ایک مثال ہے:

مالک، ابوالزناد، عبدالرحمٰن اعرج حضرت ابوہریرہ سے روایت کرتے ہیں کہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عورت اور اس کی پھوپھی اور اس کی خالہ کو کوئی مرد جمع نہ کرے۔

۲۹

مہر مقرر کئے بغیر اگر کوئی مرد مرجائے تو بھی عورت مہر مثل پائے گی:

ابراہیم سے روایت ہے کہ ایک آدمی ابن مسعود کے پاس آیا اور ایک آدمی کا حکم پوچھا کہ اس نے کسی عورت سے نکاح کیا اور اس کے لئے مہر مقرر نہ کیا اور نہ اس سے صحبت کی یہاں تک کہ مر گیا۔ ابن مسعود نے کہا کہ مجھے اس باب میں آنحضرتؐ سے کوئی چیز نہیں پہنچی۔ اس نے کہا۔ قیاس سے کوئی حکم وغیرہ۔ ابن مسعود نے کہا کہ میری رائے میں اس عورت کے لئے پورا مہر ہے اور اس کے لئے میراث ہے اور اس پر عدت ہے۔ تو ایک شخص نے ان کے ہمنشینوں سے کہا کہ قسم ہے اس ذات کی جس کی قسم کھائی جاتی ہے آپ نے فیصلہ کیا مطابق فیصلہ نبویؐ کے آنحضرتؐ نے بروع بنت واثق کے حق میں ایسا ہی فیصلہ فرمایا تھا۔ عبداللہ بن مسعود اس قدر خوش ہوئے کہ اس سے پہلے کبھی خوش نہ ہوئے تھے۔ امام محمد نے کہا کہ اسی کو ہم لیتے ہیں۔

۳۰

مرتد کے سزائے قتل کا ایک مختلف فیہ مسئلہ ہے لیکن اگر سزا دی بھی جائے گی تو مرد کو عورت کو نہیں :

ابی زرین سے روایت ہے کہ ابن عباس نے کہا کہ اگر عورتیں اسلام سے مرتد ہوجائیں تو ان کو قتل نہ کیا جائے ۔ ۳۱ھ

کیا یہ عورت کے ساتھ رعایت نہیں ؟

عورت امامت بھی کرسکتی ہے ۔

ابراہیم سے روایت ہے کہ حضرت عائشہ رمضان میں عورتوں کی امامت کیا کرتی تھیں اور ان کے درمیان کھڑی ہوتیں ۔

۳۲ھ

غیر مسلم عورت کا بھی احترام کرنا چاہئے :

ابراہیم سے روایت ہے کہ حارث بن ربیعہ کی ماں مرگئی جو کہ نصرانیہ تھی تو حضرت کے کچھ اصحاب اس کے ساتھ گئے ۔ امام محمد نے کہا ہم اس کے جنازے کے ساتھ جانے میں کچھ مضائقہ نہیں سمجھتے ۔

۳۳ھ

شرط نکاح کا پورا کرنا لازمی ہے :

آپؐ نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص کسی عورت سے شادی کرے اور یہ شرط مان لے کہ • کہ اس کو اس کے شہر سے باہر نہیں لے جائے گا تو پھر اسے حق نہیں کہ شہر سے باہر لے جائے بعض علمار کا یہی قول ہے ۔ امام شافعی ، امام محمد اور امام مالک بھی اسی کے قائل ہیں ۔

۳۴ھ

عورت کے لئے اچھے شوہر کے انتخاب میں آپؐ مدد بھی کرتے تھے ۔ •

حضرت بن ابی جہم کہتے ہیں کہ میں اور ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن فاطمہ بنت قیس کے پاس گئے تو انھوں نے سنایا کہ مجھے میرے شوہر نے تین طلاقیں دے دی تھیں لیکن نہ مجھے گھر دیا اور نہ گھر کا خرچ۔

پھر فرمانے لگیں کہ میں رسول اللہؐ کی خدمت میں آئی اور پورا حال کہہ سنایا۔ آپؐ نے فرمایا سچ ہے اور ام شریک کے گھر میں عدّت گزارنے کا حکم فرمایا۔ پھر مجھ سے فرمایا کہ ام شریک کے گھر مہاجرین آتے رہتے ہیں لہٰذا تم ابن مکتوم کے گھر عدّت گزار لو۔ جب تمھاری عدّت ختم ہو جائے اور کوئی شخص پیغام دے تو میرے پاس آنا۔ آخر جب میری عدّت پوری ہوگئی تو ابوجہم اور معاویہ نے مجھے پیغام دیا۔ پھر کہنے لگیں کہ میں نے خدمت میں حاضر ہو کر اس کا ذکر کیا۔ آپؐ نے فرمایا کہ معاویہ مفلس آدمی ہے اور ابوجہم عورتوں پر سخت گیر ہے۔ پھر مجھے اسامہ بن زید نے پیغام بھیجا۔ اور مجھ سے نکاح کیا۔ مجھے اللہ نے اسامہ کے ذریعے برکت دی۔

۳۵

میدانِ جہاد میں بھی عورتیں اپنا فرض ادا کر سکتی ہیں:

حضرت انس فرماتے ہیں کہ رسول اللہؐ حضرت ام سلیم اور ان کے ساتھ انصار کی اور عورتوں کو ساتھ لے کر جہاد کرتے تھے۔ یہ عورتیں پانی پلاتی تھیں اور زخمیوں کا دوا دارو اور مرہم پٹی کرتی تھیں۔

۳۶

دینی معاملات میں بھی عورت کو ہر طرح کی سہولت حاصل ہے:

ام سلمہ فرماتی ہیں کہ میں نے (ایک دن رسول اللہؐ سے) کہا یارسول اللہؐ! میرے سر کی چوٹی بہت سخت گندھی ہوئی ہوتی ہے، کیا غسلِ جنابت کے وقت اسے کھول لیا کروں؟ حضورؐ نے فرمایا، نہیں تمھارے لئے تو (صرف) اتنا کافی ہے کہ تین

چلو سر پر پانی ڈال لو، پھر سارے بدن پر پانی بہالیا کرو۔ پاک ہو جاؤ گی، یہ حدیث حسن اور صحیح ہے۔ اور اہلِ علم کا اسی پر عمل ہے کہ اگر عورت غسل جنابت کرے اور جوڑا نہ کھولے تو سر پر پانی بہالینا کافی ہے۔

۳۷ھ

ایک جرم بہت زیادہ ہولناک اور سنگین یہ ہے کہ انسان بعض مقاصد مشئومہ کے ماتحت پاک دامن اور شریف عورتوں پر تہمت لگائے۔ وہ نہیں جانتا کہ اس کے منہ سے نکلے ہوئے یہ چند بول جو وقتی طور پر اس کی نشاطِ طبع کا سبب بن سکتے ہیں، ایک بے زبان عورت کے لئے، ایک شریف شوہر کے لئے، ایک باعزت باپ کے لئے کتنے اذیت ناک اور کتنے تکلیف دہ ثابت ہو سکتے ہیں، اس طرح وہ صرف کسی ایک عورت کو نشانۂ ستم نہیں بناتا بلکہ ایک پورے خاندان کو تباہ و برباد کر دیتا ہے، ایک پورے کنبہ کی عزت آبرو خاک میں ملا دیتا ہے، ایک پوری سوسائٹی میں ایسے جرائم پھیلا دیتا ہے جو مخربِ اخلاق ثابت ہوتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اِنَّ الَّذِیْنَ یَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ	جو لوگ پاک دامن بے خبر مومن عورتوں
الْغٰفِلٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ لُعِنُوْا فِی الدُّنْیَا	کو تہمت لگاتے ہیں وہ دُنیا اور آخرت
وَالْاٰخِرَةِ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ؕ	میں ملعون ہیں اور انھیں بڑا عذاب ہوگا۔

۳۸ھ

لیکن صرف اتنا ہی کہنے پر اکتفا نہیں کرتا، بلکہ جو لوگ اس حرکتِ شنیعہ کا ارتکاب کرتے ہیں انھیں فاسق قرار دیتا ہے، ان کی شہادت ہمیشہ ہمیشہ کے لئے مردود کر دیتا ہے اور ان کے لئے اسّی دُرّے مارنے کی سزا کا حکم صادر کرتا ہے، الفاظ کا در و بست لب و لہجہ کی خشونت اور سیاق و سباق کے تیور کہے دیتے ہیں کہ خدا کی بارگاہ میں یہ بہت

بڑا جرم ہے:

وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَأْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَاءَ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً وَّلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ○	اور جو لوگ پاک دامن عورتوں پر تہمت لگائیں اور پھر چار گواہ نہ لاسکیں، ان کو اسّی دُرّے مارو اور آئندہ ان کی کبھی شہادت قبول نہ کرو۔ اور یہی لوگ تو بدکار ہیں۔

۳۹

عورت کی تکلیف کے خیال سے امام نماز تک مختصر کرسکتا ہے:

ابوقتادہ رسول اللہؐ سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا: میں نماز میں کھڑا ہوتا ہوں تو چاہتا ہوں کہ اسے طول دوں، لیکن بچّے کے رونے کی آواز سن کر نماز میں اختصار کردیتا ہوں۔ یہ اچھا نہیں معلوم ہوتا کہ ماں کی تکلیف کا باعث بن جاؤں۔

۴۰

لڑکی سے حسنِ سلوک پر جنّت کی بشارت:

حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا جس شخص کے ہاں لڑکی پیدا ہو اور وہ اسے تکلیف نہ دے نہ اس کی اہانت کرے اور نہ لڑکوں کو اس پر فوقیت دے، اللہ اس کی وجہ سے اسے جنّت میں داخل کرے گا۔

۴۱

یہی وہ حقائق تھے جن کے پیش نظر ایک فرنگی محقق کو اعتراف کرنا پڑا:

محمدؐ کے زمانہ میں عورت کو بلند مقام سوسائٹی اور پبلک معاملات میں حاصل ہوگیا تھا۔

۴۲

آگے چل کر یہی مصنف کہتا ہے :

(لڑکیوں کے زندہ درگور کرنے کے سلسلے میں) عربوں کے جذبات کتنے سخت تھے اس کا اندازہ حماسہ — جو عہدِ جاہلیت کے شعراء کا منتخب مجموعۂ کلام ہے۔ کے اس شعر سے ہوگا :

"لڑکی کے لئے قبر سے اچھا دولہا کوئی نہیں
لڑکی کو زندہ دفن کر دینا ایک باعزت کام ہے"

اس طرزِ عمل کے وجوہ کچھ بھی ہوں — خواہ غربت، خواہ غیرت — محمد نے اس طرزِ عمل کی مذمت کی۔ اور اسے ممنوع قرار دیا جیسا کہ متعدد آیاتِ قرآنی سے ظاہر ہوتا ہے جس کا فوری اثر یہ ہوا کہ یہ رسم ختم ہوگئی۔

۴۳ھ

ماخذ :

۱ : سورہ روم آیت ۲۱
۲ : " اعراف " ۱۸۹
۳ : " نساء " ۳۴
۴ : " بقر " ۲۲۸
۵ : " " " ۱۸۷
۶ : " نساء " ۱۳۲
۷ : " " " ۱۲۴
۸ : " توبہ " ۷۲-۷۱
۹ : " نحل " ۵۹-۸۵
۱۰ : " تکویر " ۹ - ۹
۱۱ : سورہ بنی اسرائیل آیت ۳۱
۱۲ : " نساء " ۲۳
۱۳ : " " " ۲۰
۱۴ : " طلاق " ۶
۱۵ : " تحریم " ۱۲-۱۱۔
۱۶ : " قصص " ۲
۱۷ : صحیح بخاری۔ کتاب العلم
۱۸ : " کتاب الرضاع
۱۹ : مسند ابی حنیفہ باب استیذان بکر ثیب
۲۰ : " باب عدم جواز النکاح بغیر اذن المرأہ

٢١: صحیح ترمذی ابواب الاستیذان و الآداب
٢٢: صحیح بخاری ـ کتاب الصلوٰة
٢٣: " " کتاب الطلاق
٢٤: " " " "
٢٥: " " " "
٢٦: " الحور العین (صفحتن)
٢٧: " " " "
٢٨: مؤطا ـ امام محمد ـ کتاب النکاح
٢٩: " " لا یجمع الرجل بین المرأة وعمتها فی النکاح
٣٠: کتاب الآثار باب من تزوج ولم یفرض لها صداقا حتیٰ مات
٣١: " باب ارتداد المرأة عن الاسلام
٣٢: " " باب توم النسا

٣٣: کتاب الآثار ـ باب المشی مع الجنازه
٣٤: صحیح ترمذی ـ ابواب النکاح
٣٥: " " " " "
٣٦: " " " ابواب السیر والمغازی
٣٧: " " " ابواب الطهارة
٣٨: سورۂ نور آیت ٢٤
٣٩: " " " ٢٣
٤٠: صحیح بخاری ـ کتاب بدء الاذان
٤١: " " " " "
٤٢: The Social Structure of Islam (Levy) P. 91.
٤٣: " P.92. " " " "

(۱۵)

عدل و احسان بیوہ کے ساتھ

انسانی سوسائٹی کی بہت زیادہ مظلوم اور قابلِ رحم ہستی بیوہ عورت ہے۔ دوسرے مذاہب میں بیوہ عورت کو ایک انسان کی طرح زندہ رہنے کا حق نہیں دیا گیا ہے، نہ وہ دوسری شادی کر سکتی ہے، نہ سوسائٹی کی ایک فعال اور کارگزار کارکن بن سکتی ہے۔ اسے منحوس سمجھا جاتا ہے۔ اس کے سایہ سے لوگ بھڑکتے ہیں خوشی کے مواقع پر اُسے مدعو نہیں کیا جاتا۔ شادی بیاہ کی تقریبوں میں اسے قریب نہیں پھٹکنے دیا جاتا۔ ہندوؤں میں تو اسے زبردستی "ستی" ہونے یعنی شوہر کی لاش کے ساتھ نذرِ آتش ہونے پر مجبور کیا جاتا تھا۔ برنیر نے جو ایک فرانسیسی سیاح تھا۔ اور عہدِ شاہجہان و اورنگ زیب میں برسہا برس تک ہندوستان میں مقیم رہا تھا۔ جبری ستی کے کئی لرزہ خیز مشاہدات تحریر کئے ہیں۔ موسیو لیبان نے اپنی یگانہ روزگار کتاب "تمدّنِ ہند" میں بھی اس موضوع پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔

لیکن اسلام ان لغویات کا قائل نہیں، وہ بیوہ عورت کو از سرِ نو زندگی شروع

کرنے کا اور زندگی کی خوشیوں میں حصہ لینے کا پورا پورا موقع دیتا ہے۔ چنانچہ وہ تاکید کرتا ہے کہ بیوہ عورتوں کا نکاح ضرور کر دینا چاہیئے۔

وَاَنْکِحُوا الْاَیَامٰی مِنْکُمْ   اور اپنی رانڈوں کا نکاح کر دو۔

۵ے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ان لوگوں کی تعریف فرمائی ہے جو بیوہ عورتوں کی خبرگیری کرتے ہیں۔ چنانچہ:

حضرت صفوان بن سلیم سے روایت ہے کہ جناب رسالت مآب صلی اللہ وسلم نے فرمایا بیوہ اور مسکین کے لئے سعی و کوشش کرنے والا (یعنی ان کی خبرگیری کرنے والا) اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے یا دن کو روزہ رکھنے والے اور رات کو نماز کے لئے کھڑے رہنے والے کی مانند ہے۔ حضرت ابوہریرہ سے بھی اسی طرح روایت ہے۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

۲ے

ایک اور حدیث میں اس بیوہ عورت کی تعریف کی گئی ہے جو رضاکارانہ طور پر اپنی بیوگی کی زندگی اپنی اولاد کی تعلیم و تربیت پر صرف کر دے:

حضرت ابوہریرہ کا بیان ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا خدا نے ہر شخص کے لئے مجھ سے پہلے جنت کا داخلہ حرام کر دیا ہے۔ لیکن میں قیامت کے روز اپنی داہنی طرف ایک عورت کو جنت کے دروازہ کی طرف دوڑتے ہوئے دیکھوں گا۔ میں کہوں گا اسے کیا سوجھی کہ مجھ سے پہلے جنت میں داخل ہونے کی کوشش کر رہی ہے۔ مجھ سے کہا جائے گا کہ یہ ایک خوب صورت بیوہ تھی۔ اس کی یتیم لڑکیاں تھیں۔ اس نے اپنی ساری خوب صورتی ان لڑکیوں کی تربیت کی بھینٹ چڑھا دی۔ یہاں تک کہ لڑکیاں جوان ہو گئیں۔ خدا نے اس کے اس فعل کی قدر کی۔ اسی قدردانی کا نتیجہ آپ دیکھ رہے ہیں۔ ۳ے

اسلام کی ان واضح تعلیمات کا نتیجہ یہ ہونا چاہیئے تھا کہ بیوہ عورتوں کی شادی ایک فعلِ مستحسن قرار پائے، لیکن ہندوستان میں رہ کر مسلمانوں نے جہاں اقوامِ ہند پر اپنی تہذیب و تمدّن کے نہ مٹنے والے اثرات ڈالے وہاں خود بھی بعض غیر اسلامی چیزوں سے متاثر ہو گئے۔ انہیں میں ایک بیواؤں کی شادی سے اجتناب و احتراز بھی ہے۔

اس سلسلے میں مجھے ایک واقعہ بھی یاد آ گیا۔ میرے ایک نوجوان دوست کا انتقال ہو گیا۔ ان کی بیوی بھی بالکل نوجوان تھیں، حالات ایسے تھے کہ شوہر کے عزیز دوسرے شہر میں رہتے تھے۔ یہ وہاں جانا نہیں چاہتی تھیں وہ یہاں نہیں آ سکتے تھے۔ ان کے والد اور بھائی دوسرے شہروں میں کاروبار کرتے تھے۔ ان کے پاس بھی نہیں جا سکتی تھیں۔ کیونکہ پھر شوہر کی چھوڑی ہوئی جائداد نیلام ہو جاتی۔ باپ اور بھائی اپنا کاروبار چھوڑ کر یہاں کی اقامت اختیار نہیں کر سکتے تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ اپنے ننھے ننھے بچوں کے ساتھ ایک لق و دق مکان میں رہنے پر مجبور ہو گئیں۔ ایک روز اُن کے والد میرے پاس آئے اور سخت پریشانی کا اظہار کرنے لگے۔ کہ کچھ سمجھ میں نہیں آتا کیا کیا جائے؟ میں نہایت تفصیل سے عقدِ بیوگان کی ضرورت شرعی اور دینی نقطۂ نظر سے انھیں سمجھائی۔ اور ان سے عرض کیا کہ وہ اپنی صاحبزادی کی شادی کسی شریف آدمی سے کر دیں۔

میری تقریر وہ بڑی توجّہ اور انہماک سے سنتے رہے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ نہایت متاثر ہوئے ہیں۔ لیکن سب کچھ سُننے کے بعد نہایت سادگی سے فرمایا:

"وہ تو سچ ہے ـــ لیکن شرافت بھی تو کوئی چیز ہے۔"

اس دلیل کا میرے پاس کوئی جواب نہ تھا۔

ماخذ:

۱۔ سورۂ نور آیت ۲۲۔

۲۔ صحیح ترمذی ابواب البر والاحسان،

۳۔ صحیح بخاری،

(۱۶)

عدل و احسان

بیوی کے ساتھ

انسانی سوسائٹی میں زن و شو کے تعلقات بنیادی اور اساسی حیثیت رکھتے ہیں۔ انھیں تعلقات پر گھر کی عافیت کا، خاندان کی عزت کا اور کنبہ کے وقار کا انحصار ہے۔ ذاتی طور پر بھی میاں کے لئے بیوی کا اور بیوی کے لئے شوہر کا وجود سکون و اطمینان، عافیت اور نشاطِ خاطر کا سبب ہے۔ مرد زندگی کی جد و جہد سے تھک کر جب گھر میں آتا ہے تو وہ بیوی ہی ہوتی ہے جو اس کی دلجوئی کا ذریعہ بنتی ہے۔ وہ بیمار پڑتا ہے تو اس سے بڑھ کر وفادار اور جاں نثار تیماردار ملنا مشکل ہے۔ تنگی و ترشی اور فقر و فاقہ کے عالم میں بھی وہ صحیح معنی میں رفیقہ حیات ثابت ہوتی ہے۔ اسی طرح بیوی کو راحت اور آسائش پہنچانے میں اس کی آرزوئیں اور تمنائیں پوری کرنے میں اُسے خوش دیکھنے میں، اس کی ضروریات و احتیاجات کا خیال رکھنے میں اس کی اذیت و تکلیف کو دور کرنے میں شوہر کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کرتا۔ غرض

میاں بیوی میں اگر محبت ہے تو گھر جنت کا نمونہ ہے اور اگر دونوں ایک دوسرے سے نفور ہیں تو جہنم میں اور گھر میں کوئی فرق نہیں۔

میاں بیوی کے تعلقات بے انتہا نازک بھی ہوتے ہیں، ایک طرف عورت ہے جو بے انتہا حساس ہوتی ہے، زبان سے کچھ نہ کہے لیکن دکھ، ذلت اور پریشانی کو بہرحال محسوس کرتی ہے۔ دوسری طرف مرد ہے جو عام طور پر بیوی کو اپنا دست نگر اور محتاج سمجھتے ہوئے زیادہ سے زیادہ دبانے اور زیردست کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ یہی کش مکش آگے چل کر بہت بڑے فتنہ کا سبب بن جاتی ہے۔ بدقسمتی سے دوسرے مذہبوں اور ملتوں میں عورت اور مرد کے تعلقات کی جو وضاحت ملتی ہے ان سے معلوم ہوتا ہے کہ مرد غیر مسئول اقتدار و امتیاز کا حامل ہے اور عورت صرف اس لئے ہے کہ صبر جمیل کر کے زندگی گزار دے۔ اور آخرت میں اجر کی توقع رکھے۔

لیکن اسلام صاف، واضح اور غیر مشتبہ الفاظ میں میاں بیوی کے تعلقات کی وضاحت کرتا ہے۔ جہاں تک انسانی حقوق کا تعلق ہے، دونوں کے مابین وہ کسی طرح کی تفریق روا نہیں رکھتا۔ عورت کو یہ تاکید ہے کہ شوہر کا گھر سنبھالے اور اس کے ناموس کی نگہبانی کرے، مرد کے لئے حکم ہے کہ وہ اسے کسی طرح کی تکلیف نہ دے۔ اور اس کے احساسات و جذبات کی پذیرائی کرے۔ ارشاد ہوتا ہے:

وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ج فَاِنْ
كَرِهْتُمُوْهُنَّ فَعَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا
شَيْئًا وَّيَجْعَلَ اللّٰهُ فِيْهِ خَيْرًا

اور بیبیوں کے ساتھ حسن سلوک سے
رہو اور اگر وہ تمہیں ناپسند ہوں تو
عجب نہیں کہ ایک چیز تمہیں ناپسند ہو

كَثِيْرًا ○ اور اللہ اس میں بہت برکت دے۔

ـ۵ـ

اس سے معلوم ہوا کہ اگر کسی وجہ سے بیوی ناپسند ہو تو بھی شرافت اور انسانیت کے ساتھ گزر کرنے کی کوشش کرنا چاہیئے۔

ایک اور موقع پر ارشاد ہوا:

وَلَيْسَ الْبِرُّ بِاَنْ تَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ ظُهُوْرِهَا وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنِ اتَّقٰى وَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ اَبْوَابِهَا ـ۵ـ

اور یہ کچھ نیکی نہیں ہے کہ تم گھروں میں ان کے پچھواڑے سے داخل ہو لیکن اس کی ہے جس نے پرہیزگاری اختیار کی اور گھروں میں ان کے دروازوں سے داخل ہوا کرو۔

یہ آیت اپنا ایک پس منظر رکھتی ہے۔

عام طور پر عربوں کا یہ دستور تھا ــــ اور اب بھی بعض لوگ اس پر عمل پیرا ہیں ــــ کہ وہ اپنی بیبیوں پر اعتماد نہیں کیا کرتے تھے۔ ان کے دل میں دھڑکا لگا رہتا تھا کہ نہ جانے وہ جادۂ عصمت پر استوار ہے یا نہیں۔ ایسے لوگ جب سفر سے یا باہر سے واپس آتے تھے تو اچانک پچھلے دروازہ سے گھر میں داخل ہوتے تھے، تاکہ بیوی کو ان کے آنے کا پتہ نہ چلے اور یہ دیکھ لیں کہ وہ کس حالت میں ہے۔ قرآن نے اس طرزِ عمل کو ناپسند کیا ہے، وہ تقویٰ کی تاکید کرتا ہے۔ اور کہتا ہے کہ گھروں میں ان کے اصل دروازوں سے داخل ہونا چاہیئے۔

میاں بیوی کے درمیان صلح پر بھی قرآن زور دیتا ہے، اختلافات اور جھگڑے ہوتے ہی رہتے ہیں۔ اگر وہ باہمی مصالحت سے طے ہو جائیں تو

تو بہتر ہے :

وَاِنِ امْرَاَۃٌ خَافَتْ مِنْ بَعْلِہَا نُشُوْزًا اَوْ اِعْرَاضًا فَلَا جُنَاحَ عَلَیْہِمَآ اَنْ یُّصْلِحَا بَیْنَہُمَا صُلْحًا ط وَالصُّلْحُ خَیْرٌ ط

اور اگر کوئی عورت اپنے شوہر کی طرف سے اس کے لڑنے یا منہ پھیر لینے سے ڈرے تو ان دونوں میاں بیوی پر اس میں کچھ گناہ نہیں ہے کہ آپس میں کسی طرح صلح کریں اور صلح بہتر ہے۔

۵۳

لیکن اگر میاں بیوی کے درمیان اختلافات اتنے بڑھ جائیں کہ صلح و مفاہمت کی کوئی صورت نہ نکل سکے تو پھر آخری چارہ کار طلاق ہے :

اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ فَاِمْسَاکٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِیْحٌۢ بِاِحْسَانٍ ط

طلاق دو دفعہ کی ہے پھر خواہ رکھ لینا دستور کے موافق یا چھوڑ دینا خوش عنوانی کے ساتھ۔

۵۴

اس حکم میں تین چیزیں خاص طور پر غور طلب ہیں :

۱ : طلاق دو مرتبہ دی جائے اس میں مصلحت یہ ہے کہ وقتی غصہ یا ہنگامی صدمہ کے باعث طلاق بائن دے کر آدمی اپنی اور گھر کی زندگی برباد نہ کردے، ایک مرتبہ طلاق دینے کے بعد اسے پورے ایک مہینہ کا موقع ملتا ہے۔ اس عرصے میں وہ اچھی طرح نہایت سنجیدگی کے ساتھ تمام عواقب و نتائج پر غور کرسکتا ہے، لہٰذا اگر چاہے تو طلاق واپس لے سکتا ہے نہ لے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ سوچ سمجھ کر اس نے ایک فیصلہ کرلیا۔ لہٰذا یہ دوسری طلاق، طلاق بائن ہوگی۔ لیکن اس میں بھی اتنی رعایت رکھی ہے کہ اگر بیوی رضامند ہو تو تجدید نکاح ہوسکتی ہے۔

۲ : رجعت کا حکم بہت سے عائلی مصالح پر مبنی ہے اس میں مرد کا بھی بھلا

ہے اور عورت کا بھی اور اولاد کا بھی ۔ لیکن رجعت کی اجازت دیتے ہوئے قرآن نے معروف کی شرط لگادی ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ مسئلہ کی نزاکت کا اللہ تعالیٰ نے کس درجہ لحاظ فرمایا ہے ۔

۳ : لیکن اگر شوہر طلاق واپس نہیں لیتا تو پھر بیوی سے علیحدگی اختیار کر لینی چاہئے لیکن احسان کے ساتھ ۔ "احسان" یہ ہے کہ اُسے ستایا نہ جائے ۔ اس کی بے عزتی نہ کی جائے ۔ جو کچھ اسے دیا ہے واپس نہ لیا جائے ۔

ایک اور موقع پر زیادہ وضاحت کے ساتھ ارشاد ہوا ہے :

وَلَا تُمْسِكُوْهُنَّ ضِرَارًا لِّتَعْتَدُوْا ط ؎۵
اور عورتوں کو تکلیف پہنچانے کی غرض سے نہ روک رکھو کہ ان پر ظلم کرو ۔

مہر کے بارے میں تاکید ہے کہ خوشی سے ادا کرے :

وَاٰتُوا النِّسَاءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً ط ؎۶
اور عورتوں کو ان کے مہر خوشی سے دے ڈالو ۔

مہر اس لئے نہیں ہے کہ محض رسم و رواج کے طور پر ایک بات طے پا گئی ہے نہ بیوی مانگتی ہے نہ شوہر دیتا ہے ۔ بیوی نہ مانگے تو بھی مہر ادا کرنا چاہئے ۔ بغیر کسی ناگواری کے ۔

بیشک حالات و مصالح کے پیش نظر اسلام نے ایک سے زیادہ شادیوں کی اجازت دی ہے ، لیکن مطلق طور پر نہیں ۔ پابندیوں کے ساتھ سب سے بڑی پابندی یہ ہے کہ عدل کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹنے پائے ۔

فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ط ذٰلِكَ اَدْنٰىٓ اَلَّا تَعُوْلُوْا ○
اور اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ تم انصاف نہیں کر سکو گے تو ایک ہی نکاح کرو یا جو تمہارے قبضہ میں ہو ، بے انصافی سے بچنے کی یہ ادنیٰ

دیل ہے۔ شہ

میرا خیال ہے کہ اس آیت کی روشنی میں اسلامی حکومت کو یہ حق ہے کہ دوسری شادی کی اجازت اسی وقت دے، جب اسے اطمینان ہو جائے کہ عدل کا پورا پورا امکان ہے۔

اسلام جس عدل کا مطالبہ کرتا ہے وہ برتاؤ کا عدل ہے، ملبوسات، زیورات کھانے پینے کا خرچ، سامانِ آرائش، ضروریاتِ خانہ، حسنِ کلام، حسنِ سلوک، ان تمام چیزوں میں عدل ہونا چاہیے۔ لیکن طبیعت ایک کی طرف زیادہ اور دوسری کی طرف کم راغب ہے تو یہ کوئی قابلِ مواخذہ چیز نہیں۔ ذیل کی آیت اسی حقیقت کی چہرہ کشا ہے:

وَلَنْ تَسْتَطِيْعُوْٓا اَنْ تَعْدِلُوْا بَيْنَ النِّسَاۗءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ فَلَا تَمِيْلُوْا كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوْھَا كَالْمُعَلَّقَةِ ۭ وَاِنْ تُصْلِحُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝ شہ

اور یہ تو تم سے ہو نہیں سکے گا کہ بیویوں میں عدل کر سکو تو بالکل (ایک ہی طرف بھی) نہ جھک پڑو کہ دوسری کو چھوڑ دو کہ گویا ادھر بھی لٹک رہی ہے۔ اور اگر موافقت کر لو اور (زیادتی) سے بچے رہو تو بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

جو لوگ شادی کرنا چاہیں اور ایسے وسائل نہ رکھتے ہوں کہ وہ گھر چلا سکیں ان کے لئے بہتر یہ ہے کہ حالات کا انتظار کریں اور جب اپنی محنت سے یہ بوجھ اٹھانے کے قابل ہو جائیں تب شادی کریں:۔

وَلْيَسْتَعْفِفِ الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ نِكَاحًا حَتّٰى يُغْنِيَهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۭ شہ

اور چاہیئے کہ وہ لوگ جو نکاح کا مقدور نہیں رکھتے پرہیزگار رہیں۔ یہاں تک کہ اللہ اپنے فضل سے انہیں تونگر کردے۔

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اسلام اسے پسند نہیں کرتا کہ انسان محض اپنی ہوس پوری کرنے کے لئے اسے حبالۂ عقد میں لے اور اپنے ساتھ اسے بھی ہدف مصائب بننے کے لئے چھوڑ دے۔

اللہ تعالیٰ اس بات کو سخت ناپسند کرتا ہے کہ طلاق یا علیحدگی کے بعد بیوی کو دی ہوئی کوئی چیز واپس لی جائے، ایسے لوگوں کو وہ ظالم قرار دیتا ہے۔

فرماتا ہے:

وَلَا یَحِلُّ لَکُمْ اَنْ تَاْخُذُوْا مِمَّآ اٰتَیْتُمُوْھُنَّ شَیْئًا اِلَّآ اَنْ یَّخَافَآ اَلَّا یُقِیْمَا حُدُوْدَ اللّٰہِ ؕ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا یُقِیْمَا حُدُوْدَ اللّٰہِ فَلَا جُنَاحَ عَلَیْھِمَا فِیْمَا افْتَدَتْ بِہٖ ؕ تِلْکَ حُدُوْدُ اللّٰہِ فَلَا تَعْتَدُوْھَا ج وَمَنْ یَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰہِ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝ سلہ

اور تمھارے لئے حلال نہیں ہے کہ جو تم ان عورتوں کو دے چکے ہو اس میں سے کچھ واپس لے لو مگر یہ کہ وہ دونوں اس بات سے ڈریں کہ وہ اللہ کی حدود پر قائم نہ رہ سکیں گے سو اگر تم اس بات سے ڈرو کہ وہ دونوں اللہ کے حدود پر قائم نہ رہ سکیں گے تو ان پر اس میں کچھ گناہ نہیں جو وہ عورت اپنا عوض دے یہ اللہ کی حدیں ہیں ان سے آگے نہ بڑھو اور جو اللہ کی حدود سے آگے بڑھے گا تو ایسے ہی لوگ ظالم ہیں۔

طلاق کی عدت گزرنے کے بعد دو ہی راستے ہیں یا تو رجعت کر لی جائے اور یا علیحدگی اختیار کر لی جائے لیکن "معروف" کی شرط دونوں صورتوں میں ہے۔

فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَھُنَّ فَاَمْسِکُوْھُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ فَارِقُوْھُنَّ بِمَعْرُوْفٍ ـلہ

پھر جب وہ اپنی میعاد کو پہنچ جائیں، تو انھیں خوبی کے ساتھ روک رکھو یا خوبی کے ساتھ علیحدہ کر دو۔

ایک اور آیت میں یہ صراحت بھی فرمادی ہے کہ ایام عدت میں بیوی شوہر کے گھر رہے، وہ اس کے مصارف برداشت کرے، کسی طرح کی اسے تکلیف نہ دے پریشان نہ کرے، اور اگر حاملہ ہو تو زچگی تک عدت گزر جانے کے بعد جب تک بچہ پیدا نہ ہو تمام مصارف شوہر برداشت کرے۔ ارشاد ہوتا ہے:

أَسْكِنُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ مِنْ وُجْدِكُمْ وَلَا تُضَارُّوهُنَّ لِتُضَيِّقُوا عَلَيْهِنَّ ۚ وَإِنْ كُنَّ أُولَاتِ حَمْلٍ فَأَنْفِقُوا عَلَيْهِنَّ حَتَّىٰ يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ج

ھ۱۲

ان کو رکھو جہاں تم رہتے ہو اپنے مقدور کے مطابق اور ان کو ایذا نہ دو کہ ان پر تنگی کرو اور اگر وہ حاملہ ہیں تو ان پر خرچ کرو یہاں تک کہ بچہ جن لیں۔

طلاق کا معاملہ صرف زبانی جمع خرچ پر اسلام نے مبنی نہیں قرار دیا ہے۔ بلکہ اس کے لئے گواہی بھی ضروری قرار دی ہے:

فَإِذَا بَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَأَمْسِكُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ وَأَشْهِدُوا ذَوَيْ عَدْلٍ مِنْكُمْ وَأَقِيمُوا الشَّهَادَةَ لِلَّهِ ۚ ذَٰلِكُمْ يُوعَظُ بِهِ مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ

ھ۱۳

پھر جب وہ اپنی میعاد کو پہنچ جائیں تو انھیں پسندیدہ طور پر روک رکھو یا انھیں پسندیدہ طور پر چھوڑ دو اور اپنے ہی لوگوں میں دو معتبر گواہ کر لو اور اللہ کے لئے درست شہادت دو یہ ہے جس کے ساتھ ان کو نصیحت کی جاتی ہے جو اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتے ہیں۔

آیات قرآنی سے استشہاد کے بعد اب اس سلسلے میں احادیث نبوی کو پیش نظر رکھ کر ہم کچھ واقعات پیش کرتے ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حضرت خدیجہ سے اتنا تعلق خاطر تھا کہ ان کی وفات کے بعد بھی جب کبھی ان کا ذکر آتا تو آپؐ پر ایک عجیب کیفیت طاری ہو جاتی

حدیہ ہے کہ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ آپؐ کی یہ حالت دیکھ کر مجھے خدیجہ پر رشک آجایا کرتا۔

حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ (ایک مرتبہ) ہالہ بنت خویلد نے جو خدیجہ کی بہن تھیں رسول اللہؐ سے (اندر آنے کی) اجازت مانگی تو آنحضرتؐ کو خدیجہ رض کا اجازت مانگنا یاد آگیا۔ پس اس وجہ سے آپؐ (دفورِ غم سے) ہل گئے۔ پھر آپ نے فرمایا: بارِ خدایا یہ تو ہالہ ہے۔ حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ اس پر مجھے رشک آیا اور میں نے کہا آپ قریش کی کہن سال عورتوں میں سے ایک عورت کا کیوں ذکر کرتے ہیں حالانکہ مدت ہوئی وہ انتقال کر گئیں اور اس کے بدلے میں اللہ نے آپؐ کو بہتر بی بی عطا فرمائی ہے۔

۱۴

حضرت عائشہ کا ایک اور اعتراف:

حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ رسول اللہؐ کی بیویوں میں سے کسی پر مجھے رشک نہیں ہوا جس قدر (حضرت) خدیجہ پر۔ حالانکہ میں نے انھیں دیکھا بھی نہیں لیکن رسول اللہؐ ہمیشہ ان کا ذکر خیر کرتے رہتے۔ اکثر آپؐ بکری ذبح کرتے اور اس کے ٹکڑے ٹکڑے کاٹ کر خدیجہ کے قرابت داروں کو بھیج دیتے۔ جب میں کہتی کہ گویا دُنیا میں خدیجہ کے سوا کوئی عورت تھی ہی نہیں تو آپؐ فرماتے وہ ایسی ہی تھیں، اور وہ دنیا و آخرت میں میری بیوی ہیں۔ اور انہی سے میری اولاد ہے۔

۱۵

بیوی اگر شوہر کو ناپسند کرے تو علیحدہ ہو جانے کا حق رکھتی ہے:

حضرت ایوب سختیانی سے روایت ہے کہ قیس بن ثابت کی عورت نے آکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کہ نہ میں ثابت کے پاس رہ سکتی ہوں

نہ ثابت میرے ساتھ بسر کر سکتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا کیا تو ثابت کو اس کا باغیچہ واپس دے کر خلع کرلے گی؟ اس نے کہا ہاں اور زائد دیتی ہوں۔ آپ نے فرمایا نہیں زائد نہیں۔

۱۶ھ

کمال ایمان کی نشانی حسن خلق اور حسن خلق کا ثبوت رفیقۂ حیات سے حسنِ سلوک ہے:

حضرت ابوہریرہ فرماتے ہیں کہ جناب رسالت مآبؐ نے فرمایا کہ ایمان والوں میں سب سے بڑھ کر کمالِ ایمان کے اعتبار سے وہ ہے جس کا خلق (عادات و اخلاق) سب سے اچھا ہے اور تم میں اچھے وہ ہیں جو اپنی عورتوں کے لئے اچھے ہیں۔

۱۷ھ

بیمار شوہر بیوی کو طلاق دے دے۔ لیکن عدت گزرنے سے پہلے اس کا انتقال ہو جائے تو عورت حق زوجیت کی حق دار ہوگی۔ اور بیوہ تسلیم کی جائے گی:

ابراہیم سے روایت ہے اس بیمار کے حق میں کہ اپنی عورت کو طلاق دے پھر عدت گزرنے سے پہلے مرجائے تو وہ عورت اس کی وارث ہوگی، وہ بیوہ عورت کی عدت بیٹھے۔

۱۸ھ

غلط فہم کی طلاق نافذ نہیں ہوتی:

مالک، نافع، عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ انھوں نے اپنی بیوی کو عہد رسالت میں حالتِ حیض میں طلاق دے دی۔ حضرت عمر نے اس کے متعلق

رسول اللہ سے دریافت کیا تو آپؐ نے فرمایا۔ اسے حکم دو کہ لوٹا لے اور حیض سے
پاک ہونے تک اس کو روک رکھے، اس کے بعد پھر حیض آئے اور پاک ہو جائے
تو اُسے روک رکھے، اگر جی چاہے، یا جماع سے پہلے طلاق دے۔

۱۹ھ

عورت اگر خلع چاہے تو شوہر اگر چاہے تو صرف اپنی دی ہوئی چیز لے سکتا
ہے، اس سے زیادہ لینے کی قطعاً اجازت نہیں:

مالک، نافع سے روایت ہے کہ صفیہ بنت ابوعبید کی آزاد کردہ لونڈی
نے اپنے پاس کی تمام چیزیں دے کر اپنے شوہر سے خلع کر لیا۔ تو حضرت ابن عمر
نے اس کو بُرا نہ سمجھا۔

امام محمد نے کہا کہ عورت اپنے شوہر سے جس چیز کے عوض بھی خلع کرائے قضاءً
جائز ہے لیکن ہمیں پسند نہیں کہ جتنا دیا ہے اس سے زیادہ لے، اگرچہ نزاع عورت
ہی کی جانب سے ہو۔ اور اگر اختلاف و نزاع مرد کی طرف سے ہو تو ہمیں پسند
نہیں کہ کچھ بھی لے، خواہ کم ہو یا زیادہ، اور اگر کچھ لے لیا تو قضا کے اعتبار سے
جائز ہے۔ لیکن بندہ اور خدا کے درمیان، یعنی دیانۃً جائز نہیں۔ امام ابوحنیفہ
کا یہی قول ہے۔

۲۰ھ

ماخذ:

۱:	سورۂ نساء	آیت ۱۹	۵:	سورۂ بقر	آیت ۲۳۱
۲:	" بقر	" ۱۸۹	۶:	" نساء	" ۴
۳:	" نساء	" ۱۲۸	۷:	" "	" ۳
۴:	" بقر	" ۲۲۹	۸:	" "	" ۱۲۹

٩: سورۂ نور آیت ٣٢

١٠: " بقرہ " ٢٢٩

١١: " طلاق " ٦٥

١٢: " " " ٤

١٣: " " " ٢

١٤: صحیح بخاری فضائل اصحاب النبی

١٥: صحیح بخاری فضائل اصحاب النبی

١٦: موطاء امام محمد ، باب الخلع

١٧: صحیح ترمذی ، ب النکاح

١٨: " بخاری باب من طلق الخ

١٩: " " کتاب الطلاق

٢٠: موطاء امام محمد ، المرأۃ تختلع الخ

---

(١٧)

عدل و احسان

اولاد اور خاص طور پر لڑکی کے ساتھ

قرآن میں یوں تو اولاد کے ساتھ حسنِ سلوک کی تعلیم ہے ہی لیکن لڑکیوں کے لیے خاص طور پر اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو متوجہ کیا ہے کہ اس مجبور اور مظلوم طبقے کو ہدفِ ستم نہ بنائیں، جو لوگ لڑکی کی ولادت پر شرما جاتے ہیں، قرآن نے ایسے لوگوں کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچا ہے:

يَتَوَارٰى مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوْٓءِ مَا بُشِّرَ بِهٖ ۭ اَيُمْسِكُهٗ عَلٰي هُوْنٍ اَمْ يَدُسُّهٗ فِي التُّرَابِ ۭ اَلَا سَاۗءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ۝ [1]

جس کی اسے خوش خبری دی گئی اس کو شرم کے مارے چھپا چھپا پھرے، اور سوچے کہ اس ذلت پر بیٹی کو لئے رہے یا اسے مٹی میں گاڑ دے۔ دیکھو ان لوگوں کی کیا رائے ہے۔

لڑکی کی بے زبانی کو بھی کتنے اثر انگیز پیرایہ میں بیان فرمایا ہے:

اَوَمَنْ يُّنَشَّؤُا فِي الْحِلْيَةِ وَهُوَ

کیا بیٹی جو زیوروں میں نشوونما پائے اور

فِي الْخِصَامِ غَيْرُ مُبِيْنٍ ○ جھگڑتے وقت اظہار مطلب نہ کر سکے۔

۲

علاوہ ازیں متعدد مواقع پر ان لوگوں کو سرزنش کی ہے جو غربت یا غیرت کی وجہ سے انھیں قتل یا زندہ درگور کر دیا کرتے تھے۔

احادیث نبوی پر اگر ایک نظر ڈالی جائے تو اور زیادہ یہ حقیقت واضح ہو گی کہ اولاد کے ساتھ اور بالخصوص لڑکی کے ساتھ حسن سلوک کا مرعی رکھنا اللہ اور اس کے رسولؐ کے نزدیک بڑا پسندیدہ فعل ہے۔

اولاد کے ساتھ خود سرکار رسالتؐ کی شفقت و محبت کا کیا عالم تھا اس کا اندازہ ذیل کے واقعے سے ہو گا:

حضرت جابر بن عبداللہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرتؐ نے عبدالرحمن بن عوف کا ہاتھ پکڑا اور ان کو لے کر اپنے بیٹے حضرت ابراہیم کے پاس گئے۔ حضرت ابراہیم اس وقت حالت نزع میں تھے۔ رسول اللہؐ نے ان کو اپنی گود میں لے لیا۔ اور اشکبار ہو گئے۔ حضرت عبدالرحمن نے عرض کیا کیا آپؐ بھی روتے ہیں؟ کیا آپؐ نے رونے سے منع نہیں فرمایا ہے؟ آپؐ نے فرمایا نہیں، (میں نے رونے سے منع نہیں کیا) لیکن میں نے دو بیوقوفی اور نافرمانی کی آوازوں سے منع کیا ہے، ایک مصیبت کے وقت کی آواز جب کوئی منہ نوچے اور گریبان چاک کرے۔ دوسرے شیطان کے رونے کی آواز جس میں لَے اور سُر ہو۔

۳

لڑکیوں کے زندہ درگور کرنے کے بارے میں ارشاد نبویؐ ہے:

مغیرہ بن شعبہ کہتے ہیں کہ نبی کریمؐ نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے تم پر ماؤں

کی نافرمانی اور لڑکیوں کو زندہ درگور کرنا حرام کر دیا ہے۔ اور حق کا ترک کرنا ناحق چیزوں کا لینا منع کر دیا ہے۔ اور تمھارے لئے قیل و قال، کثرت سوال اور اضاعت مال کو ناپسند کیا ہے۔

۵۴

اولاد کی محبت کا تقاضا یہ ہے کہ اس کے مستقبل کا انتظام کیا جائے۔ حضرت سعد بن ابی وقاص کہتے ہیں کہ رسول اللہ حجۃ الوداع کے سال جب کہ میں ایک مرض میں مبتلا تھا میری عیادت کو تشریف لائے۔ میں نے عرض کیا کہ مرض کے سبب میری یہ حالت ہے، میں مالدار ہوں اور میرا وارث میری بیٹی کے سوا کوئی نہیں، تو کیا میں اپنے مال کی دو تہائی خیرات کر دوں؟ آپ نے فرمایا نہیں۔ میں نے کہا نصف؟ آپ نے فرمایا نہیں۔ پھر میں نے عرض کی کیا ایک تہائی خرچ کر دوں؟ آپ نے فرمایا (ہاں) گو ایک تہائی بھی بہت زیادہ ہے۔ تم اپنے وارثوں کو مالدار چھوڑ جاؤ، اس سے بہتر ہے کہ انھیں فقیر چھوڑ جاؤ کہ وہ لوگوں کے آگے ہاتھ پھیلائیں۔ اور جو کچھ تم رضامندی سے اللہ کے لئے خرچ کرو گے اس کا تمھیں ثواب ملے گا۔ یہاں تک کہ جو لقمہ تم اپنی بی بی کے منہ میں دو گے اس کا بھی ثواب ملے گا۔

۵۵

یہ فطری بات ہے کہ ہر اولاد سے یکساں محبت نہیں ہوتی۔ لیکن یہ اختیاری امر ہے کہ ہر اولاد سے یکساں سلوک کیا جائے اور کسی طرح کی تفریق روا نہ رکھی جائے۔ اگر کوئی اس طرح کا واقعہ آنحضرت ؐ کے علم میں آتا کہ اولاد کے درمیان ناواجب تفریق کی گئی ہے تو آپ اسے پسند نہیں فرماتے تھے اور عدل و انصاف کے خلاف قرار دیتے تھے۔ ملاحظہ ہو حدیث ذیل:

حضرت نعمان بن بشیر رض کہتے ہیں کہ میرے والد نے مجھے کچھ عطیہ دیا تو (میری والدہ) عمرہ بنت رواحہ نے کہا کہ میں راضی نہیں ہوں جب تک تم آنحضرت ص کو گواہ نہ کر لو۔ وہ رسول اللہ ص کے پاس آئے اور عرض کیا کہ میں نے اپنے بیٹے کو جو عمرہ بنت رواحہ (کے بطن سے ہے کچھ دیا ہے) تو عمرہ کہتی ہے کہ (یارسول اللہ ص) میں آپ کو گواہ بنا لوں۔ آپ ص نے پوچھا کیا تم نے اپنے تمام لڑکوں کو اسی قدر دیا ہے؟ انھوں نے کہا نہیں۔ آپ ص نے فرمایا، تو اللہ سے ڈرو اور اپنی اولاد کے درمیان انصاف کرو۔ حضرت نعمان کہتے ہیں کہ پھر انھوں نے دی ہوئی چیز واپس لے لی۔

۵۶

اولاد کو پیار کرنا اور اس سے محبت کا اظہار کرنا عین تقاضائے شرافت و رافت ہے۔ ذیل میں جو حدیث پیش کی جاتی ہے اس سے اندازہ ہوگا کہ آپ ان باتوں کا کس درجہ لحاظ فرماتے تھے:

حضرت ابوہریرہ فرماتے ہیں کہ اقرع بن حابس نے رسول اللہ ص کو حضرت حسن ؓ کا بوسہ لیتے دیکھا۔ اور ابن ابی عمر کہتے ہیں کہ حضرت حسن ؓ اور حضرت حسین ؓ دونوں کا بوسہ لیتے دیکھا ہے۔ اور اقرع بن حابس نے یہ دیکھ کر کہا کہ میرے دس بیٹے ہیں، میں نے ان میں سے ایک کا بھی (آج تک) بوسہ نہیں لیا۔ یہ سن کر رسول اللہ ص نے فرمایا۔ سچی بات یہ ہے کہ جو رحم نہیں کرتا اس پر رحم نہیں کیا جاتا۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

۵۷

بخشش اور عطیے میں اولاد کے مابین مساوات قائم رکھنا ضروری اور لابدی ہے۔

نعمان بن بشیر سے روایت ہے کہ ان کے والد نے اپنے ایک لڑکے کو ایک غلام عطیے میں دیا۔ اور رسول اللہ صلعم کو اس کا گواہ بنانے آئے۔ آپ نے فرمایا جیسا تم نے اس کو دیا ہے (کیا) ویسا ہی اپنے (باقی) سب لڑکوں کو بھی دیا ہے۔ انھوں نے کہا جی نہیں۔ آپ نے فرمایا تو اس کو واپس لے لو۔

یہ حدیث صحیح ہے اور حضرت نعمان بن بشیر سے کئی طریق سے مروی ہے جن علمار کے نزدیک اسی پر عمل ہے۔ وہ لڑکوں کے درمیان ہر چیز برابر برابر تقسیم کرنا مستحب سمجھتے ہیں۔ بعض نے تو یہاں تک فرمایا ہے کہ اگر بوسہ بھی لے تو برابر لے۔ بعض علمار فرماتے ہیں کہ مساوات صرف عطیہ اور بخشش میں برتنا ضروری ہے۔ (دوسری چیزوں میں نہیں) نیز لڑکوں اور لڑکیوں کو بھی برابر برابر دے۔ امام سفیان ثوری کا یہی قول ہے۔ بعض علمار فرماتے ہیں کہ مساوات یہ ہے کہ لڑکے کو دو لڑکیوں کے برابر عطیہ وغیرہ دیا جائے۔ جیسا کہ ترکہ کی تقسیم میں کرتے ہیں۔ امام احمد اور امام اسحٰق کا یہی قول ہے۔

۵۸

جہاں یہ ضروری ہے کہ اولاد کے ساتھ محبت و شفقت کا برتاؤ کیا جائے۔ اس میں کسی طرح کی تفریق روا نہ رکھی جائے۔ عدل اور مساوات کے اصول پر شدت سے عمل کیا جائے وہاں یہ بھی ایسا ضروری ہے کہ اس کی تربیت سے غفلت نہ برتی جائے۔

حضرت ایوب بن موسیٰ کے دادا سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کسی باپ نے اپنے بیٹے کو حسنِ ادب سے اچھا عطیہ نہیں دیا۔

۵۹

آنحضرتؐ کا ارشاد تھا کہ لڑکا اور لڑکی دونوں عطیۂ الٰہی ہیں :

حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ رسول اللہؐ نے فرمایا البتہ تمھاری اولاد تمھاری کمائی ہے ۔ اور تمھارے لئے اللہ کی بخشش ہے ، جس کو چاہتا ہے لڑکی بخشتا ہے اور جس کو چاہتا ہے لڑکے عطا کرتا ہے ۔

١٠ه

یوں تو اولاد کے ساتھ حُسنِ سلوک شرعاً مستحسن ہے ہی لیکن لڑکیوں کے ساتھ حُسنِ سلوک کہیں زیادہ موجبِ اجر ہے ۔ :

حضرت انس بن مالک فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے دو لڑکیوں کی پرورش کی میں اور وہ (دونوں) جنت میں اس طرح داخل ہوں گے ۔ یہ فرماتے وقت آپ نے اپنی دونوں انگلیوں کو ملا کر اشارہ کیا ۔

١١ه

ایک موقع پر آنحضرتؐ نے فرمایا کہ لڑکی والدین کے لئے دوزخ سے حجاب بن جاتی ہے ۔ :

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ایک عورت میرے گھر آئی ۔ اس کے ساتھ اس کی دو بیٹیاں تھیں ۔ اس نے مجھ سے کچھ مانگا ۔ مگر میرے پاس سے اس نے ایک چھوہارے سے زائد کچھ نہ پایا ۔ وہ چھوہارا ہی میں نے اس کو دے دیا ۔ اس کو اس نے دونوں بیٹیوں میں تقسیم کر دیا اور خود اس سے کچھ نہ کھایا ، پھر وہ اٹھ کر باہر چلی گئی ۔ اس کے بعد رسول اللہؐ تشریف لائے ۔ میں نے آپ سے یہ واقعہ کہہ سنایا ۔ اس پر حضورؐ نے فرمایا جو جوان بیٹیوں کی وجہ سے کسی مصیبت میں مبتلا ہو اس کے لئے وہ دوزخ سے پردہ ثابت ہوں گی ۔

یہ حدیث حسن صحیح ہے ۔ ١٢ه

ایک اور حدیث میں بیٹیوں اور بہنوں کے ساتھ حسنِ سلوک پر جنّت کی بشارت دی گئی ہے:

حضرت ابو سعید خدری سے (ایک طریق سے) روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا تم میں سے جس کی تین بیٹیاں یا تین بہنیں ہوں اور وہ ان کے ساتھ اچھا سلوک کرے تو بے شک وہ جنّت میں داخل ہوگا۔ اس باب میں حضرت عائشہ حضرت عقبہ بن عامر، حضرت انس، حضرت جابر اور حضرت ابن عباس سے بھی روایت ہے۔

۱۳ھ

لڑکی کو شرع اسلامی نے یہ حق بھی دیا ہے کہ اگر والدین اس کا نکاح اس کی مرضی کے خلاف کر دیں تو قاضی اسے فسخ کر سکتا ہے:۔

مالک، عبدالرحمٰن بن قاسم، قاسم، عبدالرحمٰن بن یزید، مجمع بن یزید بن جاریہ انصاری، خنسا بن خذام سے روایت ہے کہ ان کے والد نے ان کا نکاح کر دیا، اس حالت میں کہ وہ ثیّبہ تھیں، یہ نکاح انھیں ناگوار تھا۔ چنانچہ رسول اللہؐ کی خدمت میں آئیں تو آپؐ نے ان کے نکاح کو مسترد کر دیا۔

۱۴ھ

ماخذ:

۱: سورۂ نحل آیت ۵۹
۲: " زخرف " ۱۸
۳: صحیح ترمذی، کتاب الجنائز،
۴: " بخاری، باب لا ستقراض الجود والتقلیس
۵: " " ، کتاب الجنائز
۶: صحیح بخاری، کتاب الہبہ
۷: " ترمذی، ابواب البر والاحسان
۸: " " ابواب الاحکام
۹: " " ابواب البر والاحسان
۱۰: مسند ابی حنیفہ، کتاب التفسیر

۱۱ : صحیح ترمذی ، ابواب البر والاحسان

۱۲ : " " " " " "

۱۳ : " " " " " "

۱۴ : موطا امام محمد ۔ الثیب احق بنفسہا ،

(۱۸)

عدل و احسان

والدین خاص طور پر ماں کے ساتھ!

والدین کی عظمت ہر قوم، ہر ملّت اور ہر مذہب میں مسلّم ہے۔ لیکن شاید کسی مذہب نے بھی اس تفصیل کے ساتھ والدین کے حقوق معیّن نہیں کئے ہیں جس طرح اسلام نے متعدد آیاتِ قرآنی اور احادیثِ نبوی میں اس طرف توجّہ کی ہے ۔۔ سب سے پہلے ہم ایک نظر آیاتِ قرآنی پر ڈالیں گے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وقضیٰ ربک الا تعبدوا الا ایاہ	اللہ نے فیصلہ کر دیا ہے کہ والدین کے ساتھ
وبالوالدین احسانا اما یبلغن	حسن سلوک کا برتاؤ کرو۔ اگر ان میں سے
عندک الکبر احدہما او کلاہما	ایک یا ہر دو تمھارے سامنے بوڑھے
فلا تقل لہما اف ولا تنہرہما وقل	ہو جائیں تو ان سے اُف تک نہ کرو، نہ
لہما قولاً کریما	انھیں جھڑکو۔ ان سے میٹھی میٹھی باتیں
لہ	کرو۔

واخفض لهما جناح الذل من	اور محبت سے ان کے لئے بازو جھکا دو اور
الرحمة وقل رب ارحمهما كما	دعا کرو کہ اے میرے پروردگار۔ ان پر رحم کر
ربياني صغيرا	جیسا کہ انھوں نے بچپن میں مجھے پالا ۔

سے

قضیٰ ربکؐ یعنی یہ اللہ کا قطعی فیصلہ ہے۔

یعنی جب وہ بوڑھے، عاجز اور در ماندہ ہوجائیں

احسان کی تاکید والدین کے ساتھ خدا کو اس درجہ منظور ہے اور اس باب میں اتنا مبالغہ مقصود ہے کہ ایک معمولی لفظ " اُف " تک کہنے کی اجازت نہیں والدین کوئی ایسا حکم دیں جو تمھیں پسند نہ ہو پھر بھی درشت روئی سے پیش نہ آؤ۔ بلکہ ان سے دل نشین پیرایہ میں گفتگو کرو جو حسن ادب کی متقاضی ہو۔ ان سے عاجزی کے ساتھ پیش آؤ۔ یعنی تذلل اور تواضع کے ساتھ کہ آج جس کے وہ تم سے متمنی ہیں کل تم اپنی اولاد سے اس کے متمنی ہوگے۔ آج جس رحمت و شفقت کا سلوک ان سے کروگے، وہ بہرحال بے لقا ہے لیکن اس کے صلے میں خدا بھی جو سلوک تمھارے ساتھ کرے گا وہ بہرحال رحمت باقیہ ہے۔

والدین اگر کافر ہوں تو بھی اُن سے یہی برتاؤ کرنا چاہیئے اور خدا سے دعا کرنی چاہیئے۔ کہ انھیں ہدایت دے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ :

" اللہ کی رضا والدین کی رضا میں ہے ۔ اور اس کی ناراضی والدین کی ناراضی میں ہے "

ایک مرتبہ ایک آدمی رسول اللہؐ کے پاس آیا اور اپنے باپ کی شکایت کی کہ وہ اس کا مال (روپیہ) لے لیا کرتا ہے۔ آپؐ نے اس آدمی کے باپ کو بلایا۔ وہ

ایک بوڑھا شخص تھا، ایک لکڑی کا سہارا لیتا ہوا حاضر ہوا۔ آپؐ نے اس سے اس بارے میں استفسار کیا، اس نے کہا:

"یہ ایک زمانہ میں ضعیف تھا اور میں قوی، یہ فقیر تھا میں غنی، میں نے کبھی اُسے اپنی کوئی چیز لینے سے نہیں روکا، اور آج میں ضعیف ہوں یہ قوی، میں فقیر ہوں یہ غنی، اب یہ اپنا مال مجھ سے بچاتا ہے۔

آنحضرتؐ یہ باتیں سن کر رو پڑے اور فرمایا:

اگر پتھر بھی یہ باتیں سُن لے تو اپنے آنسو نہ ضبط کر سکے گا۔ پھر لڑکے سے کہا:

"تو اور تیرا مال تیرے باپ کا ہے،
تو اور تیرا مال تیرے باپ کا ہے۔"

اسی طرح ایک شخص نے اپنی ماں کی بدمزاجی کی شکایت ایک مرتبہ آپؐ سے کی، آپؐ نے فرمایا:

"جب نو مہینے تک یہ تجھے پیٹ میں لئے پھرتی رہی جب تو یہ بدمزاج نہ تھی!"

وہ بولا: "میری ماں بدمزاج ہے۔"

آپؐ نے فرمایا:

"جب دو سال تک تجھے دودھ پلاتی رہی جب تو یہ بدمزاج نہ تھی۔"

اس نے کہا: "میری ماں سخت مزاج ہے۔"

آپؐ نے فرمایا:

"جب یہ تیرے لئے رات رات بھر جاگتی تھی اور اپنا دودھ تجھے پلاتی تھی۔ جب تو یہ بدخلق نہ تھی۔"

وہ گویا ہوا :

" میں اپنی ماں کو بدلا دے چکا ہوں "

آپؐ نے سوال فرمایا :

" کیا کیا تو نے ؟ "

وہ گویا ہوا :

" اپنے کاندھوں پر بٹھا کر میں نے اسے حج کرایا ہے "

آپؐ نے فرمایا :

" کیا تو اس تکلیف کا بدلا بھی اسے دے سکتا ہے ؟ جو درد زہ کی صورت میں اس نے برداشت کی تھی ؟ "

۵۳

اللہ تعالیٰ نے تاکید فرمائی ہے کہ جب آدمی وصیت کرنے لگے اور والدین زندہ ہوں تو انھیں فراموش نہ کرے :

كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ إِنْ تَرَكَ خَيْرًا الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ . . .

تم پر فرض کیا گیا ہے جب تم میں سے کسی پر موت آموجود ہو اگر وہ کچھ مال چھوڑے پسندیدہ طور پر ماں باپ کے لئے وصیت کرجانا ۔

۵۴

امورِ خیر کے مصارف میں عزیزوں، رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کے ذکر سے پہلے اللہ تعالیٰ نے جس چیز پر زور دیا ہے وہ ماں باپ پر خرچ کرنا ہے :

يَسْئَلُونَكَ مَاذَا يُنْفِقُونَ قُلْ مَا أَنْفَقْتُمْ مِنْ خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ

لوگ تجھ سے پوچھتے ہیں کہ وہ کیا خرچ کریں، کہہ دے کہ نیکی کی قسم سے تم جو کچھ خرچ کرو وہ

ماں باپ کے لئے ہے

اللہ تعالیٰ انسان کے دل میں والدین کی محبت و عظمت کس درجہ راسخ کرنا چاہتا ہے اس کا اندازہ اس سے ہوگا کہ جہاں شرک سے منع فرمایا ہے وہیں والدین کے ساتھ احسان کی تاکید فرمائی ہے۔

ارشاد ہوتا ہے :

وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوا بِهٖ شَيْئًا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا	اور اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کرو اور ماں باپ کے ساتھ احسان کرو۔
ـلہ	

علاوہ ازیں :

قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ اَلَّا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ط	کہہ دے آؤ میں تمھیں وہ چیزیں پڑھ کر سناؤں جو تمھارے پروردگار نے تم پر حرام کی ہیں تم اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کرو اور ماں باپ کے ساتھ نیکی کرو۔
ـکہ	

اگر انسان ضروریاتِ زندگی کی سرگردانی کے باعث ماں باپ سے اعراض پر مجبور ہو تو بھی تاکید ہے :

وَاِمَّا تُعْرِضَنَّ عَنْهُمُ ابْتِغَآءَ رَحْمَةٍ مِّنْ رَّبِّكَ تَرْجُوْهَا فَقُلْ لَّهُمْ قَوْلًا مَّيْسُوْرًا ۝	اور جو تو اپنے رب کی رحمت (رزق) کے انتظار میں جس کے ملنے کی تجھے امید ہو کبھی ان سے منہ پھیرے تو انھیں نرم کلام سے جواب دے۔
شہ	

اللہ تعالیٰ والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کی وصیت فرماتا ہے :

وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حُسْنًا ط	اور ہم نے انسان کو اپنے والدین کے ساتھ

۹ھ احسان کرنے کی وصیت کی ہے

اولاد کے سلسلے میں سب سے زیادہ کٹھنائیاں ماں کو برداشت کرنا پڑتی ہیں۔ قرآن کریم نے اس کا نقشہ اثر انگیز پیرایہ میں یوں کھینچا ہے:

وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ إِحْسَانًا
حَمَلَتْهُ أُمُّهُ كُرْهًا وَوَضَعَتْهُ
كُرْهًا وَحَمْلُهُ وَفِصَالُهُ ثَلٰثُوْنَ
شَهْرًا حَتّٰى إِذَا بَلَغَ أَشُدَّهُ وَبَلَغَ
أَرْبَعِيْنَ سَنَةً قَالَ رَبِّ أَوْزِعْنِيْ
أَنْ أَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِيْ أَنْعَمْتَ عَلَيَّ
وَعَلٰى وَالِدَيَّ وَأَنْ أَعْمَلَ صَالِحًا
تَرْضٰىهُ وَأَصْلِحْ لِيْ فِيْ ذُرِّيَّتِيْ إِنِّيْ
تُبْتُ إِلَيْكَ وَإِنِّيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ٥

اور ہم نے انسان کو اس کے ماں باپ کے بارے میں احسان کا حکم دیا۔ اس کی ماں نے اس کو تکلیف اٹھا کر پیٹ میں رکھا اور تکلیف ہی اٹھا کر اس کو جنا۔ اور اس کو پیٹ میں رکھنا اور دودھ چھڑانا تیس مہینے ہے یہاں تک کہ وہ اپنی جوانی کو پہنچا اور چالیس برس کی عمر کو پہنچ گیا، تو کہا اے میرے پروردگار مجھے توفیق دے کہ میں تیری نعمت کا جو تو نے مجھ پر اور میرے ماں باپ پر کی ہے شکر کروں اور وہ یہ کہ وہ نیک کام کروں جس سے تو راضی ہو اور میرے لئے میری اولاد میں اصلاح پیدا کر، میں تیری طرف رجوع ہوا۔ اور میں حکم ماننے والوں میں ہوں۔

۱۰ھ

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ایک سرسری نظر احادیث اور آثار و روایات پر بھی ڈالتے چلیں۔

ایک شخص نے دربارِ رسالت میں اپنے باپ کی شکایت کی کہ اس کی بغیر اجازت جو چاہتا ہے خرچ کر دیتا ہے:

حضرت جابر رض فرماتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلعم نے کہ تو اور تیرا مال تیرے باپ کا ہے

۱۱ھ

رسول اللہ ؐ نے اس بات سے بھی منع فرمایا ہے کہ آپس کی لڑائی جھگڑے میں ایسے ناسزا کلمات استعمال کئے جائیں جو ایک دوسرے کے والدین کی توہین کے موجب ہوں :

حضرت عبد اللہ بن عمر سے روایت ہے کہ رسول اللہ ؐ نے فرمایا : سب سے بڑا گناہ یہ ہے کوئی اپنے ماں باپ پر لعنت کرے ۔ لوگوں نے عرض کی ماں باپ پر کوئی کس طرح لعنت کرسکتا ہے ؟ فرمایا اس طرح کہ کوئی کسی کے باپ کو گالی دے اور وہ اس کے باپ کو گالی دے اور یہ کسی کی ماں کو گالی دے اور وہ اس کی ماں کو اس کے بدلے میں گالی دے ۔

۱۲ھ

حدیہ ہے کہ اگر والدین وفورِ محبت سے یا اپنی کسی معذوری کے باعث یہ نہ پسند کرتے ہوں کہ ان کا بیٹا جہاد پر جائے تو والدین کی خوشنودی کے لئے یہ فرض کفایہ بھی ملتوی ہو سکتا ہے :

محمد بن سوقہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی رسول اللہ ؐ کے پاس آیا اور کہنے لگا میں آپ کے پاس اس لئے آیا ہوں تاکہ آپ کے ساتھ مل کر جہاد کروں اور میں اپنے والدین کو روتا چھوڑ آیا ہوں آپ نے فرمایا لوٹ جا اور اپنے والدین کو جاکر ہنسا جس طرح کہ انھیں رُلایا ہے ۔

امام محمد کہتے ہیں کہ ہمارا مسلک بھی یہی ہے ، کسی کو جائز نہیں کہ وہ اپنے والدین کی اجازت کے بغیر جہاد میں شریک ہو ۔

۱۳ھ

حضرت ابن عمر کہتے ہیں کہ ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بارادۂ جہاد آیا ۔ اس سے آنحضورؐ نے پوچھا ۔ کیا تیرے ماں باپ زندہ ہیں ؟ اس

نے کہا ہاں - آپ نے فرمایا تو ان میں جہاد کر۔

۱۴

باپ کی بد دعا فوراً اپنا اثر دکھاتی ہے:

حضرت ابوہریرہ فرماتے ہیں کہ رسول مقبول صلعم نے فرمایا: تین دعائیں ہیں جو ضرور مقبول ہوتی ہیں - ان (کی قبولیت) میں کوئی شک نہیں مظلوم کی دعا، مسافر کی دعا اور باپ کی دعا اپنے بیٹے کے خلاف (بددعا)۔

۱۵

باپ کی عظمت کا ایک اور ثبوت:

حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا: اے لوگو! تم اپنے باپ سے بیزار مت ہو - کیونکہ باپ سے بیزار ہونا کفر ہے۔

۱۶

باپ کے دوستوں اور ملنے والوں سے حسن سلوک بھی موجب اجر ہے

ابن عمر فرماتے ہیں کہ میں نے آنحضرت کو فرماتے سُنا کہ سب سے بڑھ کر نیکی یہ ہے کہ کوئی شخص اپنے والد کے دوستوں سے ملے (اور ان سے اچھا سلوک کرے)

۱۷

احادیث سے ثابت ہے کہ ماں کے حقوق باپ سے زیادہ ہیں - متعدد احادیث سے اس حقیقت پر روشنی پڑتی ہے - کئی مواقع پر آپ نے ماں کے ساتھ زیادہ حسن سلوک کی تاکید اور تلقین فرمائی ہے -

ارشاد ہوتا ہے:

مغیرہ بن شعبہ کہتے ہیں کہ نبی کریمؐ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے تم پر ماؤں کی نافرمانی اور لڑکیوں کو زندہ درگور کرنا حرام کر دیا ہے اور حق کا ترک کرنا، ناحق چیز کا لینا منع کر دیا ہے اور تمہارے لئے قیل و قال، کثرتِ سوال اور اضاعت مال کو ناپسند کیا ہے۔

۱۸

ذیل میں ایک حدیثِ نبویؐ درج کی جاتی ہے جس سے اندازہ ہوگا کہ آپؐ کی نظر میں ماں کا درجہ کیا تھا:

حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ ایک شخص آنحضرتؐ کے پاس آیا اور دریافت کیا کہ میری بھلائی اور حسنِ معاملہ کا سب سے زیادہ حقدار کون ہے؟ آپؐ نے فرمایا تیری ماں۔ پھر پوچھا کہ اس کے بعد؟ فرمایا تیری ماں۔ اس نے پوچھا۔ پھر اس کے بعد۔ فرمایا تیرا باپ

۱۹

اسی مضمون کی ایک اور حدیث:

حضرت بہز بن حکیم کے دادا فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا۔ یا رسول اللہؐ میں کس کے ساتھ احسان کروں۔ آپ نے فرمایا اپنی ماں کے ساتھ۔ وہ کہتے ہیں میں نے دوبارہ عرض کیا کہ اس کے بعد پھر کس کے ساتھ اچھا سلوک کروں؟ آپ نے فرمایا اپنی ماں کے ساتھ۔ وہ کہتے ہیں میں نے سہ بارہ یہی عرض کیا۔ آپ نے فرمایا اپنی ماں کے ساتھ۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے پھر عرض کیا کہ اس کے بعد کس کے ساتھ نیک سلوک کروں؟ آپ نے فرمایا اپنے باپ کے ساتھ۔ پھر جو زیادہ قریب ہو (اس کے ساتھ) پھر جو (باقی رشتہ داروں میں سے) زیادہ قریب ہو۔

۲۰

(۱۹)

عدل و احسان

یتیم، مسکین، مسافر، سائل، غلام، پڑوسی، مقروض اور اقربا کے حقوق

اسلام نے سوسائٹی کے کسی گروہ اور کسی فرد کو بھی شفقت و مرحمت، عدل و احسان، رافت و مروت سے محروم نہیں رکھا۔ اس نے نام بنام سوسائٹی کے ان تمام طبقوں کو گنایا ہے جو رحم و کرم اور عدل و احسان کے مستحق ہیں۔

اس باب کے عنوان میں سوسائٹی کے جن قابلِ امداد طبقوں کو ہم نے شامل کیا ہے اللہ تعالیٰ نے قرآنِ حکیم میں متعدد مرتبہ ان سب کا ذکر تقریباً ایک ہی سلسلۂ کلام میں کیا ہے۔ ہلذا مناسب معلوم ہوا کہ قرآن و حدیث کی روشنی میں ان پر گفتگو ایک ہی باب میں کی جائے۔

اللہ تعالیٰ نے نیکی اور ایمان کا معیار یہ قرار دیا ہے کہ انسان ضرورتمندوں کی دست گیری اور اعانت میں کسی طرح کا تامل نہ کرے۔

ارشاد ہوتا ہے:

وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ — بلکہ (دراصل) نیکی تو ان کی ہے جو اللہ اور

وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالنَّبِيّٖنَ
وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى
وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ
وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِي الرِّقَابِ ج

ـلـه

روزِ آخرت اور فرشتوں اور کتابوں اور
پیغمبروں پر ایمان لائے اور مال اللہ کی حب
پر رشتہ داروں اور یتیموں اور محتاجوں اور مسافروں
اور مانگنے والوں کو دیا اور گردنوں کے چھڑانے
میں بھی (یعنی غلاموں کے آزاد کرنے میں)

پھر ایک دوسرے موقع پر جہاں شرک جیسی مبغوض چیز سے بچنے کا اور خدائے واحد کی عبادت کا حکم دیا ہے وہاں عزیزوں، یتیموں، مسکینوں، پڑوسیوں، ساتھیوں، مسافروں اور لونڈیوں کے ساتھ احسان و کرم کی خاص طور پر تاکید فرمائی ہے:

وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔا
وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّبِذِي
الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْجَارِ
ذِي الْقُرْبٰى وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ
بِالْجَنْۢبِ وَابْنِ السَّبِيْلِ وَمَا مَلَكَتْ
اَيْمَانُكُمْ ط

ـلـه

اور اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ
کسی چیز کو شریک مت ٹھہراؤ اور ماں باپ
اور قرابت والوں اور یتیموں اور محتاجوں
اور قرابت والے پڑوسیوں اور پاس کے بیٹھنے
والوں اور مسافروں اور جو لونڈی اور غلام
تمھارے قبضے میں ہیں ان سب کے ساتھ سلوک
کرتے رہو۔

اللہ تعالیٰ نے ایک موقع پر فرمایا ہے کہ نیکی مشرق و مغرب کی طرف منہ کرلینا نہیں ہے بلکہ جہاں خدا، یوم آخرت، ملائکہ اور انبیاء پر ایمان لانا ہے وہاں مستحق لوگوں کی امداد اور دستگیری کرنا بھی ہے:

لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ اِلَى
الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ

یہ کچھ نیکی نہیں کہ تم اپنے منہ مشرق یا مغرب
کی طرف پھیر لو۔ لیکن نیکی اس کی ہے جو ایمان

مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالنَّبِيّٖنَ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِي الرِّقَابِ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا وَالصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ ط

لایا اللہ پر اور قیامت پر اور فرشتوں پر اور کتابوں پر اور نبیوں پر اور مال اس کی محبت میں رشتہ داروں اور یتیموں اور محتاجوں اور مسافروں اور سائلوں کو اور گردنوں کے چھڑانے میں دیا اور نماز پڑھی اور زکوٰۃ دی اور (وہ نیکی والے ہیں) جو اپنے عہد کو جب کسی سے کر بیٹھتے ہیں پورا کرتے ہیں اور مصیبت اور تکلیف میں اور لڑائی کے وقت صبر کرتے ہیں۔

۳ھ

اللہ تعالیٰ نے صدقہ اور خیرات کے مصارف مقرر کرتے ہوئے جو مدات گنائی ہیں ان کی بجا آوری فرض قرار دی ہے:

اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغٰرِمِيْنَ وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ط فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ط وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ

خیرات تو بس فقیر اور محتاجوں کے واسطے ہے اور اس کے جمع کرنے والوں کے لئے اور ان کے لئے ہے جن کے دل (اسلام کی طرف) پرچائے جاتے ہیں اور گردنوں کے چھڑانے میں خرچ کرنے کے لئے اور قرضداروں کے لئے اور اللہ کی راہ (جہاد) میں خرچ کرنے کے لئے (یہ) اللہ کی طرف سے فرض کی گئی ہے اور اللہ جاننے والا حکمت والا ہے۔

۴ھ

نیز ایک اور موقع پر ارشاد فرمایا:

وَفِیْٓ اَمْوَالِہِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ ○ — اور ان کے مالوں میں سائل اور تنگ دست کا حق ہے ۔

اس کے معنی یہ ہیں کہ ہم اپنے مال سے مستحق لوگوں کی جو مدد کرتے ہیں ، درحقیقت یہ ہم ان پر احسان نہیں کرتے بلکہ ہمارے مال پر ان کا حق ہے جو ہم ادا کرتے ہیں ۔ دوسرے الفاظ میں یوں سمجھئے کہ جو دولت ہم کماتے ہیں اس کی حیثیت ایک امانت کی ہے اور پوری دیانت داری کے ساتھ یہ امانت انھیں مصارف میں صرف کرنی چاہیے جو عائد کئے گئے ہیں ۔

غلاموں کے زمانہ میں ایک رجحان یہ بھی تھا کہ لوگ اپنی باندیوں سے پیشہ کراتے تھے ۔ اور اس آمدنی پر اپنا گزر کرتے تھے ۔ آج اگرچہ غلامی کا رواج دنیا سے ختم ہوچکا ہے لیکن اس کی روح موجود ہے ۔ آئے دن اخبارات میں اس طرح کی خبریں ہماری نظر سے گزرتی رہتی ہیں کہ کسی شخص یا گروہ نے دھوکا دے کر یا موقع سے فائدہ اٹھاکر کسی لڑکی یا عورت کا اغوا کرلیا ۔ اس اغوا کا مقصد بھی یہ ہوتا ہے کہ انھیں یا تو مخش زندگی بسر کرنے پر مجبور کیا جائے اور اس طرح جو آمدنی ہو اس سے گلچھرّے اڑائے جائیں یا پھر یہ کہ انھیں فروخت کر دیا جائے اور خریدنے والا ان کے ساتھ یہی سلوک کرے ۔ اللہ تعالیٰ اسے سخت ناپسند فرماتا ہے :

وَلَا تُكْرِهُوْا فَتَيٰتِكُمْ عَلَى الْبِغَآءِ اِنْ اَرَدْنَ تَحَصُّنًا لِّتَبْتَغُوْا عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۭ وَمَنْ يُّكْرِھْهُّنَّ فَاِنَّ اللّٰهَ مِنْۢ بَعْدِ — اور اپنی لونڈیوں کو اگر وہ پاک دامن رہنا چاہیں بدکاری پر مجبور نہ کرو کہ تم (اس ذریعہ سے) دنیا کی زندگی کے سامان طلب کرو اور جو ان پر جبر کریگا

اِنَّ اللّٰہَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ○	تو بے شک اللہ (ان لونڈیوں) کو ان پر جبر کئے جانے کے بعد بخشنے والا مہربان ہے۔

سٹ

سوسائٹی میں سب سے زیادہ قابلِ رحم حیثیت یتیم کی ہوتی ہے۔ باپ کے مرجانے کے بعد اگر وہ غریب ہے تو کوئی پُرسانِ حال نہیں ہوتا۔ اور اگر باپ نے اس کے لئے کچھ چھوڑا ہے تو ہمدرد اور سرپرست حدِ شمار سے زیادہ ہو جاتے ہیں۔ تاکہ یتیموں کی کم عمری، بے بسی اور مجبوری سے فائدہ اٹھا کر جس طرح چاہیں ان کا مال اپنے تصرّف میں لائیں۔ اللہ تعالیٰ کو یہ بات سخت ناپسند ہے، چنانچہ سب سے پہلے یتیموں کے ساتھ انصاف کرنے کا حکم دیا ہے:

وَاَنْ تَقُوْمُوْا لِلْیَتٰمٰی بِالْقِسْطِ	اور یہ کہ یتیموں کے بارے میں تم انصاف پر قائم رہو۔

سے

پھر یہ تاکید کی کہ جب وہ سنِ شعور کو پہنچ جائیں تو ان کا مال انھیں واپس کر دو۔

فَاِنْ اٰنَسْتُمْ مِّنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوْا اِلَیْهِمْ اَمْوَالَهُمْ وَلَا تَاْكُلُوْهَا اِسْرَافًا وَّبِدَارًا اَنْ یَّكْبَرُوْا ○	اور ان کے مال اپنے مال کے ساتھ ملا کر نہ کھاؤ۔ پھر جب تم ان میں ہوشیاری پاؤ تو ان کے مال ان کو دے دو اور اس خیال سے کہ کہیں وہ بڑے نہ ہو جائیں۔ ان (مالوں) کو زیادتی اور جلدی سے نہ کھاؤ۔

سے

اللہ تعالیٰ نے تاکید فرمائی ہے کہ یتیموں کے مال کے قریب بھی نہ پھٹکو۔ بجز اس کے کہ تم اس کی حفاظت کرو اور جائز طور پر اس میں اضافہ کی کوشش کرو تاکہ یتیموں کا بھلا ہو۔

ارشاد ہوتا ہے:

وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ۝
یتیم کے مال کے پاس بھی نہ پھٹکو، مگر بطرزِ احسن۔

۹

احسن کا مطلب اس جگہ کیا ہے؟

مفسرین کہتے ہیں کہ "احسن" سے مراد مالِ یتیم کی حفاظت اور تمیز ہے۔

۱۰

اللہ تعالیٰ اسے بھی پسند نہیں کرتا کہ لوگ اپنے اور یتیموں کے مال کو خلط ملط کرلیں۔

فرمایا ہے:

وَاٰتُوا الْيَتٰمٰٓى اَمْوَالَهُمْ وَلَا تَتَبَدَّلُوا الْخَبِيْثَ بِالطَّيِّبِ ۝
اور یتیموں کو ان کا مال دے دو۔ اور (اپنے) ناپاک مال کو پاک مال سے نہ بدلو

۱۱

پھر مزید وضاحت فرمادی:

وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَهُمْ اِلٰٓى اَمْوَالِكُمْ
اور ان کے مال اپنے مالوں میں ملا کر نہ کھاؤ۔

۱۲

پھر ارشاد ہوا:

اِنَّهٗ كَانَ حُوْبًا كَبِيْرًا ۝
بے شک یہ بڑا گناہ ہے۔

۱۳

اس اندیشے سے کہ یتیم بڑے ہو کر اپنے مال کا مطالبہ نہ کر بیٹھیں اسے جلدی جلدی ختم نہ کر دو۔

وَلَا تَأْكُلُوهَا إِسْرَافًا وَبِدَارًا
أَنْ يَكْبَرُوا ط

اور ان کو اس خوف سے کہ کہیں وہ بڑے
نہ ہو جائیں فضول خرچی سے اور جلدی
کر کے نہ کھاؤ ۔

۱۴؎

پھر یہ بھی ارشاد فرما دیا کہ جو لوگ مالِ یتیم کھاتے ہیں وہ آگ کھاتے ہیں :

إِنَّ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ أَمْوَالَ الْيَتَامَىٰ
ظُلْمًا إِنَّمَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ
نَارًا وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيرًا ○

بے شک جو لوگ ظلم سے یتیموں کا مال کھاتے
ہیں وہ اپنے پیٹوں میں آگ کھاتے ہیں،
اور عنقریب وہ آگ میں داخل ہوں گے ۔

۱۵؎

سنِ شعور پر جب وہ پہنچ جائیں **تو فوراً** سارا مال ان کے حوالے کر دو۔

وَابْتَلُوا الْيَتَامَىٰ حَتَّىٰ إِذَا بَلَغُوا
النِّكَاحَ فَإِنْ آنَسْتُمْ مِنْهُمْ رُشْدًا
فَادْفَعُوا إِلَيْهِمْ أَمْوَالَهُمْ ج

اور یتیموں کو آزماتے رہو یہاں تک کہ جب وہ
نکاح کی حد کو پہنچ جائیں ۔ اس وقت اگر ان
میں سمجھ دیکھو تو ان کے مال ان کے حوالے کر دو۔

۱۶؎

البتہ اس کی اجازت دی ہے کہ جو شخص مالِ یتیم کا نگرانِ کار ہو یا منتظم ہو، وہ اپنے جائز مصارف لے سکتا ہے ۔ لیکن اگر وہ خود دولت مند ہو تو ہرگز ایسا نہ کرنا چاہیئے :

وَمَنْ كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ
وَمَنْ كَانَ فَقِيرًا فَلْيَأْكُلْ بِالْمَعْرُوفِ

اور جو (ولی) مالدار ہو وہ (ان کا مال کھانے
سے) بچے اور جو محتاج ہو وہ پسندیدہ طور پر (یعنی
بقدرِ ضرورت) کھا لے ۔

۱۷؎

یہ بھی تاکید فرما دی کہ یتیموں کا مال چپ چپاتے خود ہی حساب کر کے نہ واپس کر دو بلکہ اس پر گواہ بھی کر لو :

فَاِذَا دَفَعْتُمْ اِلَیْهِمْ اَمْوَالَهُمْ فَاَشْهِدُوْا عَلَیْهِمْ وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِیْبًا ○

پھر جب تم ان کو ان کا مال دو تو اس پر گواہ کرلو۔ اور اللہ کافی حساب لینے والا ہے۔

(۱۸)

جو یتیم تمھاری حفاظت میں ہوں ان سے بدسلوکی نہ کرو، ان پر کسی طرح کی سختی نہ کرو۔

فَاَمَّا الْیَتِیْمَ فَلَا تَقْهَرْ ○

سو یتیم پر سختی نہ کرو۔

(۱۹)

لونڈی یا غلام اگر آزادی چاہے تو اس راستے میں رکاوٹ ڈالنے کے بجائے امداد کرنی چاہیئے:

وَالَّذِیْنَ یَبْتَغُوْنَ الْكِتٰبَ مِمَّا مَلَكَتْ اَیْمَانُكُمْ فَكَاتِبُوْهُمْ اِنْ عَلِمْتُمْ فِیْهِمْ خَیْرًا وَّاٰتُوْهُمْ مِّنْ مَّالِ اللّٰهِ الَّذِیْٓ اٰتٰىكُمْ ط

اور جو تمھارے لونڈی غلاموں میں سے جن کے تمھارے ہاتھ مالک ہیں (مال کے بدلے آزادی) کی تحریر چاہیں تو اگر تم ان میں بھلائی معلوم کرو تو ان کو (آزادی کی) تحریر لکھ دو اور اللہ کے مال میں سے جو اس نے تم کو دیا ہے (بطور امداد) انھیں بھی دو۔

(۲۰)

لونڈیوں کے ساتھ رعایت کی انتہا یہ ہے کہ اگر کوئی شادی شدہ لونڈی بدچلن ہو جائے تو اُسے آزاد عورت کے مقابلے میں آدھی سزا ملے گی:

فَاِذَآ اُحْصِنَّ فَاِنْ اَتَیْنَ بِفَاحِشَةٍ فَعَلَیْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنٰتِ

پھر جب وہ (لونڈیاں) نکاح میں آجائیں اگر بدکاری کریں تو ان پر اس سے آدھی

مِنَ الْعَذَابِ ط سزا ہے جو آزاد عورتوں کے لئے ہے۔

(۲۱)

اب ہم مذکورہ بالا عنوانات سے متعلق احادیث اور آثار وروایات کی تلاش وتفحص کریں گے، تاکہ معلوم ہو سکے اس باب میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوۂ حسنہ کیا تھا؟

مقروض کے ساتھ رعایت اور احسان کے سلسلے میں ذیل کی حدیث رسولؐ خاص طور پر قابلِ ذکر ہے:

"حضرت حذیفہ سے روایت ہے کہ بروز قیامت ایک بندہ اللہ تعالیٰ کی پیشی میں لایا جائے گا تو وہ کہے گا، اے میرے پروردگار میں نے کوئی کام نہیں کیا، مگر نیک، جس سے میں نے صرف تیری رضامندی اور خوشنودی چاہی، بس میں ڈھیل دیتا تھا خوشحال کو اور درگزر کرتا تھا تنگدست سے۔ اس پر اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ میں اس (معافی و درگزر کرنے) میں تجھ سے زیادہ لائق ہوں (پھر فرشتوں کو حکم دیا گیا کہ) میرے اس بندہ سے درگزر کرو۔ ابومسعود انصاری نے کہا، میں گواہی دیتا ہوں کہ انھوں نے (حضرت حذیفہ نے) اس حدیث کو رسول اللہؐ سے سنا ہے۔ (یا یہ مطلب کہ) میں نے یہ حدیث رسول اللہؐ سے سنی ہے۔

(۲۲)

غریبوں اور ناداروں کا آپؐ کو کتنا احساس تھا اس کا اندازہ ذیل کی حدیث سے ہوگا:

"عقبہ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے مدینہ میں عصر کی نماز میں نے پڑھی تو آپ سلام پھیر کر عجلت کے ساتھ کھڑے ہو گئے۔ اور آدمیوں کی گردنوں سے پھاند کر آپ اپنی بی بیوں کے کسی حجرے کی طرف تشریف لے گئے، لوگ آپ کی اس

جلدی سے گھبرائے چنانچہ جب آپ ان کے پاس (واپس) تشریف لائے تو دیکھا کہ وہ آپ کی سرعت سے متعجب ہیں۔ آپؐ نے فرمایا مجھے کچھ سونا یاد آگیا تھا، جو ہمارے ہاں رکھا ہوا تھا، تو میں نے اس بات کو بُرا سمجھا کہ وہ مجھے (خدا کی یاد سے روکے) لہٰذا میں نے اسے تقسیم کرنے کا حکم دے دیا۔

۲۳

نیک کام میں خرچ کرنے، ضرورت مندوں کی مدد کرنے اور مستحقوں کے کام آنے کی آپ ہمیشہ تاکید و تلقین فرمایا کرتے تھے۔:

"حضرت ابوذر کہتے ہیں کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھا جب آپؐ نے احد کو دیکھا تو فرمایا: میں نہیں چاہتا کہ اگر یہ پہاڑ میرے لئے سونے کا ہو جائے تو تین دن کے بعد ایک دینار بھی اس میں سے میرے پاس رہ جائے۔ سوا دس دینار کے جو میں کسی قرضہ کے واسطے رکھ چھوڑوں۔ پھر آپؐ نے فرمایا۔ زیادہ مال والوں کی نیکیاں بہت کم ہیں، سوائے اس شخص کے جو مال کو اس طرح اور اس طرح خرچ کرے۔ مگر ایسے لوگ کم ہیں۔

(۲۴)

خادموں، غلاموں اور دست نگر و ماتحت لوگوں کے ساتھ خود آپؐ کا برتاؤ بہترین تو تھا ہی مگر آپؐ اس کی تاکید اور ہدایت بھی فرمایا کرتے تھے:

حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا، یارسول اللہ! میں خادم کا قصور کتنی مرتبہ معاف کروں؟ آپؐ خاموش رہے، کچھ جواب نہ دیا، اس نے دوبارہ یہی پوچھا کہ خادم کا قصور کتنی مرتبہ معاف کروں؟ آپؐ پھر خاموش رہے، کچھ جواب نہ دیا۔ اس نے سہ بارہ یہی پوچھا تو آپؐ نے فرمایا کہ ہر روز ستر بار۔"

(۲۵)

غلاموں، خدمت گاروں اور ملازموں کے لئے کیا اس سے بڑھ کر بھی کوئی "چارٹر" ہو سکتا ہے:

"حضرت ابوذر فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جن کو اللہ تعالیٰ نے تمہارا دست نگر اور ماتحت بنایا ہے وہ تمہارے بھائی ہیں۔ (یعنی لونڈی، غلام اور خدمت گار) جس کا بھائی اس کے ماتحت (غلام) ہو اس کو وہ اپنے کھانے میں سے کھلائے، اپنے کپڑے میں سے پہنائے، اس کو ایسے کام کی تکلیف نہ دے جس سے وہ تھک جائے۔ اگر اسے ایسے کام کی تکلیف دے جس سے وہ تھک جائے تو پھر خود اس کی امداد کرے یعنی ہاتھ بٹائے۔

(۲۶)

غلام بیشک غلام ہے لیکن آقا اس کی جان اور جسم کا مالک نہیں ہے۔ اگر وہ اس کے ساتھ کوئی ظلم کرے گا تو سزا پائے گا۔:

"حضرت سمرہ فرماتے ہیں کہ جناب رسالت مآبؐ نے فرمایا جو اپنے غلام کو قتل کرے گا ہم اسے قتل کریں گے اور جو اپنے غلام کے اعضاء (یعنی کان ناک وغیرہ) کاٹے گا ہم بھی اس کے (کان ناک وغیرہ) کاٹیں گے۔ یہ حدیث حسن غریب ہے امام احمد اور امام اسحٰق کا یہی قول ہے۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ اگر کوئی اپنے غلام کو قتل کر دے تو اس کے عوض قتل کیا جاوے۔ سفیان ثوری کا یہی قول ہے۔"

(۲۷)

خادم اور غلام کے ساتھ حسن سلوک کا ایک اور فرمان:

"حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا جب تمہارا

خادم تمہارے کھانے (کی تیاری) کے لئے گرمی اور دھوآں برداشت کرے تو تمھیں چاہئے کہ اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے ساتھ بٹھالو، اور اگر وہ اس سے انکار کرے تو ایک لقمہ لے کر اُسے کھلا دو۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

(۲۸)

آپؐ کو یہ گوارا نہ تھا کہ لونڈی اور اس کی اولاد میں آقا اپنی تنگ دستی اور ضروریات کے باعث تفریق کر دے۔:

۔ عبداللہ بن حسن سے روایت ہے کہ زید بن حارثہ یمن سے کئی غلام لائے، پھر وہ کھانے کپڑے کے محتاج ہو گئے۔ پھر انھوں نے ایک غلام فروخت کر دیا جس کی ماں بھی ساتھ تھی، وہ جب آنحضرتؐ کی خدمت میں آئے تو آپؐ نے غلاموں کا حال دریافت کیا اور ایک لونڈی دیکھ کر فرمایا کیا بات ہے؟ کہ میں اسے بیقرار دیکھتا ہوں، زید نے کہا ہم اخراجات کے محتاج ہو گئے تھے۔ لہٰذا اس کا لڑکا بیچ ڈالا، آپ نے حکم فرمایا کہ لڑکا واپس پھیر لیا جائے۔ چنانچہ واپس لے لیا گیا۔

(۲۹)

باندی اگر آقا کے لڑکے کی ماں بن جائے تو پھر وہ خود بخود آزاد ہو جاتی ہے:

"ابراہیم سے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ آنحضرتؐ کے ممبر پر ام ولد کے بیچنے کے باب میں پکارتے تھے کہ وہ حرام ہے، جب کوئی لونڈی اپنے مالک سے بچہ جنے تو آزاد ہو جاتی ہے اور اس کے بعد اس پر غلامی نہیں۔"

(۳۰)

اسلام نے چوری کی سزا قطع ید مقرر کی ہے، لیکن اگر غلام سے یہ جرم سرزد ہو جائے تو اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا:

"مالک، زہری، سائب بن یزید سے روایت ہے کہ عبداللہ بن عمرو حضرمی حضرت عمر بن خطاب کے پاس اپنے غلام کو لائے اور کہا کہ اس کا ہاتھ کاٹ دیجئے اس نے چوری کی ہے۔ حضرت عمر نے پوچھا کہ اس نے کیا چیز چرائی ہے؟ تو کہا کہ میری بیوی کا آئینہ اس نے چرایا ہے جس کی قیمت ساٹھ درہم ہے حضرت عمر نے فرمایا، اسے چھوڑ دو، اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ اس لئے کہ یہ تمھارا خادم ہے اور تمھاری چیز اس نے چرائی ہے۔"

(۳۱)

خود آپ کا اپنے خادم کے ساتھ کیا برتاؤ اور سلوک تھا؟ خود اسی کا بیان سنئے:

حضرت انس بن مالک کہتے ہیں کہ میں آنحضرت ؐ کی خدمت میں دس برس رہا۔ آپ نے ایک دن ان کو اُف تک نہیں کیا۔ اور نہ یہ فرمایا کہ یہ کیوں کیا؟ اور یہ کیوں نہ کیا؟

(۳۲)

غلام کو آقا گالی بھی نہیں دے سکتا:

"ابوذر سے روایت ہے کہ میں نے ایک شخص کو (جو میرا غلام تھا) گالی دی یعنی اسے ماں کی عیرت دلائی۔ (یہ خبر آنحضرت ؐ کو پہنچی) تو آپ نے فرمایا اے ابوذر! کیا تم نے اس کی ماں سے عیرت دلائی ہے؟ بیشک تم ایسے آدمی ہو کہ ابھی تم میں جاہلیت کا اثر باقی ہے؟ تمھارے غلام تمھارے بھائی ہیں، ان کو اللہ نے تمھارے قبضے میں دیا ہے۔ پس جس شخص کا بھائی اس کے

قبضہ میں ہو اُسے چاہئے کہ جو خود کھائے اُسے بھی کھلائے اور جو خود پہنے اس کو بھی پہنائے، اور (دیکھو) اپنے غلاموں سے وہ کام نہ لو جو ان پر شاق گزرے، اور اگر ایسے کام کی ان کو تکلیف دو تو خود بھی ان کی مدد کرو۔"

(۳۳)

ضرورت مندوں، محتاجوں اور مستحقوں کے بارے میں فرمایا کہ تمھارے مال پر ان کا حق ہے، تمھیں روزی میں کشادگی اسی لئے دی گئی ہے کہ اُن کے لئے سر و سامان بہم پہنچاؤ:

"حضرت سعد بن ابی وقاص سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا: کہ تمھیں تمھارے کمزور لوگوں کی وجہ سے مدد دی جاتی ہے اور رزق دیا جاتا ہے۔"

(۳۴)

ایک اور ارشادِ نبویؐ:

"حضرت ابو موسیٰ اشعری سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، قیدی کو رہائی دلاؤ۔ بھوکے کو کھانا کھلاؤ۔ اور بیمار کی عیادت کرو۔"

(۳۵)

ضرورت مندوں، غلاموں، اور عزیزوں کے لئے جائداد وقف بھی کی جاسکتی ہے:

"ابن عمر سے روایت ہے کہ حضرت عمر نے اپنا ایک عمدہ مال رسول اللہؐ کے زمانہ میں خیرات کر دیا تھا۔ وہ ایک باغ تھا جس کا نام ثمغ تھا۔ حضرت عمر نے عرض کیا یا رسول اللہؐ میرا ایک مال ہے اور وہ مجھے بہت عزیز ہے۔ میں

چاہتا ہوں کہ اسے خیرات کر دوں ۔ آپؐ نے فرمایا، تم باغ اس شرط پر خیرات کر دو کہ اس کے درخت نہ بیچے جائیں اور نہ ہبہ کئے جائیں نہ ان میں وراثت جاری ہو بلکہ پھل کام میں لائے جائیں ۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے اسی شرط پر خیرات کر دیا، ان کا یہ صدقہ اللہ کی راہ میں غلاموں اور مسکینوں میں اور مہمانوں اور مسافروں میں اور قرابت والوں میں (خرچ کیا جاتا) تھا، اور (یہ بھی کہہ دیا تھا) کہ جو شخص اس کا متولی ہو اُسے کچھ گناہ نہیں کہ دستور کے موافق خود بھی کچھ کھا لے یا اپنے کسی دوست کو بھی کھلائے بشرطیکہ وہ اس سے مال جمع کرنے کا ارادہ نہ رکھتا ہو۔"

(۳۶)

مسکینوں، محتاجوں اور ضرورت مندوں کے لئے جہاں رسالت مآبؐ کا یہ ارشاد تھا کہ ان کی مدد کی جائے وہاں جو لوگ طالب امداد ہوتے ہیں ان کے لئے بھی فرمادیا کہ سوال اسی وقت کریں جب کوئی چارہ کار نہ رہے ورنہ اپنی روزی خود کمانے کی کوشش کریں۔

"حضرت ابوہریرہ رسول اللہؐ سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا مسکین وہ نہیں جو لوگوں کے پاس سوال کرتا پھرے اور وہ اسے ایک لقمہ یا دو لقمے یا ایک خرمہ یا دو خرمے دے دیں بلکہ مسکین وہ شخص ہے جسے اس قدر غنا حاصل نہ ہو جو اسے بے احتیاج کر دے اور اس کا حال لوگوں کو نہ معلوم ہو کہ اسے صدقہ دیا جائے اور نہ وہ خود کھڑا ہو کر لوگوں سے سوال کرے۔"

(۳۷)

ایک اور اسوۂ نبیؐ:

حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے کہ ایک دفعہ مجھے سخت بھوک لگی۔ میں حضرت عمر کے پاس گیا اور قرآن کی ایک آیت پڑھنے کو کہا۔ وہ گھر گئے اور میرے لئے دروازہ کھول دیا، میں چلا تو بھوک کی وجہ سے منہ کے بل گر پڑا۔ دیکھا تو آنحضرتؐ سر پر کھڑے ہیں۔ فرمایا اے ابوہریرہ میں نے کہا لبیک یارسول اللہ! وسعدیک، پھر آپؐ نے میرا ہاتھ پکڑ کر اٹھایا اور میری حالت پہچان گئے اور مجھے اپنے گھر میں لے گئے اور ایک دودھ کا پیالہ پلانے کا حکم دیا۔ میں نے پیا۔ پھر آپؐ نے فرمایا "اور پی" میں نے پیا، پھر فرمایا "اور پی" میں نے اور پیا حتیٰ کہ میرا پیٹ بھر گیا۔ اور پیالہ کی مانند ہو گیا۔ پھر میں عمر سے ملا۔ اور اپنی بھوک اور ان کے پاس آنے کا قصہ بیان کیا۔ اور کہا: میں نے آپ سے آیت پڑھنے کے لئے کہا، حالانکہ میں اس آیت کا سب سے زیادہ قاری ہوں۔ حضرت عمر نے کہا: مجھے تمھارا گھر میں لانا (اور کھانا کھلانا) سرخ اونٹوں کے گلہ سے زیادہ پسند ہے (لیکن کیا کروں میں تمھارا مقصد نہ سمجھا تھا)

(۳۸)

پڑوسی کی راحت و آسائش اور امن و عافیت کا بھی آپؐ خیال رکھتے تھے:

"حضرت ابوشریح خزاعی راوی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "خدا کی قسم مومن نہیں، خدا کی قسم مومن نہیں خدا کی قسم مومن نہیں دریافت کیا گیا یارسول اللہ وہ کون شخص ہے؟ آپ نے فرمایا: جس کا پڑوسی اس سے تکلیف میں ہو"

(۳۹)

پڑوسی کا حقِ شفع:

"رافع بن خدیج سے روایت ہے کہ سعد نے اپنا ایک گھر مجھے پیش کیا اور کہا اسے لے لو، گو مجھے اس کی زیادہ قیمت ملتی ہے جو تم مجھ کو دیتے ہو لیکن تم اس کے زیادہ حق دار ہو، کیونکہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے، آپؐ فرماتے تھے کہ پڑوسی کے ہوتے ہوئے اجنبی آدمی مول لینے کا حق نہیں رکھتا۔

امام محمد نے کہا کہ ہمارا اور امام ابوحنیفہ کا مسلک یہی ہے۔

(۴۰)

پڑوسی کی دوستی، خیر خواہی اور اعانت کے لئے یہ بھی ضروری نہیں ہے کہ وہ مسلمان ہی ہو۔ غیر مسلم بھی اسی حسنِ سلوک کا مستحق ہے:۔

بریدہ سے روایت ہے کہ ہم آں حضرتؐ کے پاس بیٹھے تھے۔ آپؐ نے فرمایا: ہمارے ساتھ چلو کہ ہم اپنے اس یہودی ہمسائے کی بیمار پرسی کریں۔ بریدہ نے کہا کہ ہم اس کے پاس آئے تو حضرتؐ نے فرمایا، کیا حال ہے تیرا اور کیسا ہے؟

امام محمد نے کہا کہ اسی کو ہم لیتے ہیں کہ یہودی اور نصرانی اور مجوسی کی بیمار پرسی میں کچھ ڈر نہیں۔"

(۴۱)

پڑوسی کے حق اور اہمیت کا اندازہ اس سے ہوگا کہ آں حضرتؐ اس باب میں ارشادِ الٰہی کی تاکید سے یہ خیال کرنے لگے کہ پڑوسی کو ورثہ میں بھی حصہ ملے گا۔

"حضرت انس کہتے ہیں کہ رسول اللہؐ نے فرمایا کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام مجھے پے در پے پڑوسی کے حق میں (خوش اخلاقی اور خوش معاملگی) کی وصیت کرتے رہے۔ یہاں تک کہ مجھے گمان ہونے لگا کہ ورثہ میں اس کو حصہ دلائیں گے۔

(۴۲)

اسی مضمون کی ایک اور حدیث :

"مالک ، یحییٰ بن سعید ، ابوبکر بن محمد بن عمرو بن حزم ، عمرہ اور حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ؐ کو فرماتے ہوئے سنا کہ حضرت جبرئیل ؑ ہمیشہ ہمیں پڑوسی کے لئے وصیت کرتے تھے ۔ یہاں تک کہ ہمیں خیال پیدا ہوا کہ شاید پڑوسی وارث بنا دئے جائیں گے "

(۴۳)

یہ باب ختم کرنے سے پہلے یتیم کے بارے میں ہم دو تین حدیثیں اور پیش کریں گے ۔ یتیم کو خود شریعت نے بھی غیر معمولی رعایتیں دی ہیں :

"مجاہد سے روایت ہے کہ ابن مسعود کہتے ہیں کہ یتیم کے مال میں زکوٰۃ نہیں ۔ امام محمد کہتے ہیں کہ یہی ہمارا اور امام ابوحنیفہ کا مسلک ہے "

(۴۴)

اسی سلسلے کی ایک اور حدیث :

حماد سے روایت ہے کہ ابراہیم نے کہا کہ یتیم کے مال میں زکوٰۃ نہیں ۔ جب تک اس پر نماز واجب نہ ہو ۔

امام محمد نے کہا کہ اسی کو ہم لیتے ہیں اور یہی قول امام ابوحنیفہ کا ہے ۔

(۴۵)

ایک اور ارشاد نبوی ؐ :

مجاہد سے روایت ہے کہ ابن مسعود نے کہا کہ یتیم کے مال پر زکوٰۃ نہیں ہے ۔

(۴۶)

خود آنحضرت ؐ کا عمل مبارک کیا تھا ؟

"حضرت جابر بن عبداللہ سے روایت ہے کہ عائشہ نے نکاح کیا ایک یتیم

بچی کا جو آپ کے پاس تھی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اپنے پاس سے جہیز دیا۔"

(۴۷)

ماخذ:

۱: سورۂ بقر آیت ۱۷۷
۲: " نساء " ۳۶
۳: " بقر " ۱۷۶
۴: " توبہ " ۶۰
۵: " ذریٰت " ۱۹
۶: " نور " ۳۳
۷: " نساء " ۱۳۲
۸: " " " ۶
۹: " اسریٰ " ۳۴
۱۰: تفسیر کشاف، زمخشری ج ۲ ص ۲۶۵
۱۱: سورہ نساء " ۲
۱۲: " " " ۲
۱۳: " " " ۲
۱۴: " نساء " ۶
۱۵: " نساء " ۱۰
۱۶: " " " ۲
۱۷: سورۂ نساء آیت ۲
۱۸: " " " ۲
۱۹: " والضحیٰ " ۹
۲۰: " منور " ۳۳
۲۱: " نساء " ۳۰
۲۲: موطاء امام محمد باب التطرحون المعسر
۲۳: صحیح بخاری کتاب الاذان
۲۴: " باب الاستقراض والحجر التفلیس
۲۵: " ترمذی، ابواب البر والاحسان
۲۶: " " " "
۲۷: " " ابواب الایات
۲۸: " " ابواب الطعام
۲۹: کتاب الآثار باب الفرقۃ بین الامۃ وزوجها وولدها
۳۰: " " باب حق المدبر وام الولد
۳۱: موطاء امام محمد، کتاب الحدود

۳۲: صحیح بخاری، کتاب الادب

۳۳: " " کتاب الایمان

۳۴: " " الحور العین وصفتهن

۳۵: " " " "

۳۶: " " کتاب الوصایا

۳۷: " " باب وجوب الزکوٰة

۳۸: " " کتاب الاطعمه

۳۹: " " کتاب الادب

۴۰: کتاب الآثار، باب العقار الشفعه

۴۱: کتاب الآثار، باب الایمان

۴۲: موطا، باب النهی عن النظر فی النجوم

۴۳: " حق الجار

۴۴: " باب المضاربة بمال الیتیم ومخالطته

۴۵: کتاب الآثار باب زکوٰة الذهب والفضة ومال الیتیم

۴۶: " باب زکوٰة الذهب والفضة ومال الیتیم

۴۷: موطا، باب اسقیة آن یکون شیب ،

(۲۰)

عدل و احسان

سرمایہ دار، بندۂ مزدور اور کاشتکار کے ساتھ

مزدور اور کاشت کار کے ساتھ عدل و احسان تو سمجھ میں آتا ہے لیکن سرمایہ دار بھی عدل و احسان کا مستحق ہو سکتا ہے۔ ممکن ہے بعض لوگ اس پر چونکیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ مزدور اور کاشت کار جہاں اس کے محتاج ہیں کہ دوسرے ان کے ساتھ عدل و احسان کا برتاؤ کریں، وہاں سرمایہ دار کو خود یہ حق حاصل ہے کہ اپنے ساتھ عدل اور احسان کا سلوک کرے، سرمایہ دار کا اپنے ساتھ عدل و احسان یہ ہے کہ امورِ خیر میں دولت صرف کر کے اپنے آپ کو قہرِ خداوندی اور عذابِ الٰہی سے بچا لے، اس لئے کہ یہ دولت یہاں تو کام آ سکتی ہے مگر وہاں نہیں آئے گی، بلکہ ایک مصیبت بن جائے گی۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

يَوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِىْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى	جس دن وہ خزانہ دوزخ کی آگ میں
بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ وَ	تپایا جائے گا پھر ان کی پیشانی اور

ظُهُوْرُهُمْ ط هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ ○

گردنوں اور کمروں میں اس سے داغ دیے جائیں گے۔ اور کہا جائے گا یہ تمہارا خزانہ ہے جو تم نے اپنے لئے جمع کیا تھا۔ پس اپنے خزانہ کا مزہ چکھو۔

(۱)

مال کی حرص رکھنے والوں کو خدا ناپسند کرتا ہے:

وَتُحِبُّوْنَ الْمَالَ حُبًّا جَمًّا ○

اور مال سے بڑی محبت رکھتے ہو۔

(۲)

ان ساری زر اندوزیوں اور زر پرستیوں کا نتیجہ کیا ہے؟ صرف یہی کہ زندگی کے چند دن آرام سے گزر جائیں۔ لیکن جو زندگی قبر سے شروع ہوتی ہے کچھ اس کا بھی دھیان ہے:

اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ ○ حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ ○

بہتات کی حرص نے تمہیں غافل کیا۔ یہاں تک کہ تم قبرستان میں جا پہنچے

(۳)

کتنے صاف اور واضح الفاظ میں اللہ تعالیٰ نے زر پرستوں کو ان کے مآل پر متوجہ فرمایا ہے:

اَلَّذِيْ جَمَعَ مَالًا وَّعَدَّدَهٗ ○ يَحْسَبُ اَنَّ مَالَهٗٓ اَخْلَدَهٗ ○

جس نے مال جمع کیا اور گن گن کر رکھا۔ سمجھتا ہے کہ اس کا مال ہمیشہ اس کے پاس رہے گا۔

(۴)

بخل نہ کرنے والوں کے لئے فلاح کی بشارت:

وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ○

اور جو شخص اپنے آپ کو نفس کے بخل سے بچا لے گیا سو ایسے ہی لوگ مراد کو پہنچنے والے

ہیں ۔

(۵)

انسانی نفسیات حرص و آز کا صاف اور واضح نقشہ :

قُلْ لَّوْ اَنْتُمْ تَمْلِكُوْنَ خَزَآئِنَ رَحْمَةِ رَبِّيْٓ اِذًا لَّاَمْسَكْتُمْ خَشْيَةَ الْاِنْفَاقِ وَكَانَ الْاِنْسَانُ قَتُوْرًا ۝

تو کہہ اگر تم میرے رب کی رحمت کے خزانوں کے مالک ہو جاتے تو اس خوف سے کہ سب جتیں خرچ نہ ہو جائیں انھیں بندہی کر رکھتے اور انسان کا دل تنگ ہے ۔

(۶)

عبرت و موعظت کا ایک اہم پہلو :

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ هُوَ خَيْرًا لَّهُمْ ۭ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ ط

اور جو لوگ اس (مال میں) جو اللہ نے اپنے فضل سے ان کو دیا ہے بخل کرتے ہیں یہ گمان نہ کریں کہ وہ اُن کے حق میں بہتر ہے ۔ بلکہ وہ ان کے حق میں بدتر ہے ۔

(۷)

جو لوگ ہر وسیلہ اور ذریعہ کام میں لا کر دولت جمع کرتے ہیں یا جو لوگ اپنی دولت کارِ خیر میں صرف نہیں کرتے ان کا انجام کیا ہوگا :

سَيُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ط

قیامت کو ان کے اس مال کا طوق پہنایا جائے گا جس میں انھوں نے بخل کیا ہے ۔

(۸)

دوزخ کی آگ ان سے ملنے کے لئے بیقرار ہوگی :

تَدْعُوْا مَنْ اَدْبَرَ وَتَوَلّٰى ۝ وَجَمَعَ فَاَوْعٰى

دوزخ کی آگ بلائے گی اس کو جس نے پیٹھ پھیری اور روگردانی کی اور مال جمع

کیا اور سینت کر رکھا ۔

(۹)

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ امور خیر میں صرف کرتے وقت اگر مفلسی کا اندیشہ ستائے تو سمجھ لو کہ یہ شیطانی وسوسہ ہے ، کیونکہ راہِ خدا میں خرچ کرنے والوں کے لئے تو لو بد فضل و مغفرت موجود ہے :

اَلشَّيْطٰنُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَاْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَاۗءِ ۚ وَاللّٰهُ يَعِدُكُمْ مَّغْفِرَةً مِّنْهُ وَفَضْلًا ۭ

شیطان تم سے تنگ دستی کا وعدہ کرتا ہے اور تمھیں بے حیائی کا حکم دیتا ہے اور خدا تمھیں اپنی طرف سے مغفرت اور فضل کا وعدہ دیتا ہے ۔

(۱۰)

بڑے دلآویز انداز میں امور خیر پر خرچ کرنے والے لوگوں کی اللہ تعالیٰ نے مثال بیان فرمائی ہے :

مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَـنَابِلَ فِيْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ ۭ وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۝

ان کی مثال جو راہِ خدا میں اپنا مال خرچ کرتے ہیں اس دانہ کی مثال ہے جس سے سات بالیں اگیں اور ہر بال میں سو دانے ہوں اور خدا جس کے لئے چاہے بڑھاتا ہے اور خدا وسعت والا سننے والا ہے ۔

(۱۱)

حضرت خضرؑ نے حضرت موسیٰؑ کے ساتھ سفر کرتے ہوئے کشتی میں چھید کردیا تھا جس کی مصلحت حضرت موسیٰؑ کی سمجھ میں نہ آئی ۔ تو انھوں نے بتایا کہ ان کا یہ فعل مزدوروں کی ہمدردی پر مبنی تھا ۔ :

اَمَّا السَّفِيْنَةُ فَكَانَتْ لِمَسٰكِيْنَ يَعْمَلُوْنَ فِي الْبَحْرِ فَاَرَدْتُّ اَنْ

وہ کشتی چند مسکینوں کی تھی جو دریا میں کام کرتے تھے ، سو میں نے چاہا کہ اسے عیب دار کروں

أَعِيبَهَا وَكَانَ وَرَاءَهُمْ مَلِكٌ يَأْخُذُ	اور ان کے پرے ایک بادشاہ تھا جو
كُلَّ سَفِينَةٍ غَصْبًا ۝	ہر کشتی زبردستی چھین لیتا تھا۔

(۱۲)

جو لوگ کاشت کرتے، بوتے اور جوتتے ہیں انھیں اپنی محنت کا پھل کھانے، اس سے راحت و آرام اٹھانے اور لذّاتِ حیات حاصل کرنے کا پورا حق ہے:

كُلُوا مِنْ ثَمَرِهِ إِذَا أَثْمَرَ وَآتُوا	اس کے پھل میں سے کھاؤ جب کہ پھل لگیں
حَقَّهُ يَوْمَ حَصَادِهِ وَلَا تُسْرِفُوا	اور اس کا حق ادا کرو جس دن کھیتی کٹے اور
إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِينَ ۝	بیجا نہ اڑاؤ کہ وہ مسرفوں کو پسند نہیں کرتا۔

(۱۳)

احادیثِ نبوی کے مطالعے سے بھی آیاتِ قرآنی کی پوری پوری تائید ہوتی ہے مزدور اور کاشت کار کے ساتھ عدل و احسان کی تلقین بہت سی حدیثوں میں ملتی ہے۔ مثلاً:

"حضرت عائشہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتی ہیں کہ آپؐ نے فرمایا: جو شخص کسی ایسی زمین کو آباد کرے جو کسی کی مملوکہ نہ ہو تو یہ آباد کرنے والا اس کا زیادہ حق دار ہے۔"

(۱۴)

بنجر زمین آباد کرنے والے کے راستے میں اگر کوئی روڑا بنتا ہے تو وہ ظالم ہے:

"مالک، ہشام بن عروہ، عروہ بن زبیر سے روایت ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے بنجر زمین کو آباد کیا وہ اسی کی ہے اور کسی ظالم

شخص کا کوئی حق نہیں ۔" (۱۵)

اسی مضمون کی ایک اور حدیث :

" مالک، ابن شہاب، سالم بن عبداللہ، عبداللہ بن عمر، حضرت عمر بن خطاب سے روایت ہے، فرمایا: جس نے غیر آباد زمین کو آباد کیا، وہ اسی کی ہے۔

(۱۶)

اجارہ کے بارے میں ایک اور حدیث :

" حضرت رافع بن خدیج سے روایت ہے کہ آنحضرتؐ کا گزر ایک باغ پر ہوا جو آں جنابؐ کو بہت پسند آیا۔ آپؐ نے فرمایا یہ کس کا ہے۔ میں نے کہا یہ میرا ہے، پھر آپؐ نے فرمایا یہ تم نے کہاں سے لیا؟ میں نے کہا میں نے اجارہ پر لیا ہے۔ آپ نے فرمایا اس کی پیداوار کے کسی حصے کے عوض اجارہ نہ لینا۔

(۱۷)

ذیل میں ایک طویل حدیث تمثیلی حدیث پیش کی جاتی ہے جس سے اندازہ ہو گا کہ جناب رسالت مآبؐ کی نگاہ میں مزدور کا کیا درجہ تھا :

حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ کو یہ فرماتے سنا کہ "تین آدمی (ایک ساتھ کام کے لئے) روانہ ہوئے اور رات کے وقت ایک غار کے پاس پہنچے اور اس میں داخل ہو گئے۔ کہ ایک پتھر پہاڑ سے لڑھکتا ہوا آیا، اور اس نے غار کا دہانہ بند کر دیا۔ انھوں نے کہا کہ کوئی چیز ہمیں اس پتھر سے رہائی نہیں دے سکتی سوا اس کے کہ اپنے نیک اعمال کے وسیلہ سے خدا سے دعا کریں۔ چنانچہ ایک شخص ان میں سے کہنے لگا :

اے اللہ! میرے ماں باپ بہت بوڑھے تھے، میں اُن سے پہلے نہ اپنے

اہل وعیال کو کھانا کھلاتا تھا ۔ اور نہ لونڈی غلاموں کو، ایک دن کسی کام کے باعث مجھے دیر ہوگئی ۔ یہاں تک کہ جب میں ان کے پاس آیا تو وہ سو گئے ، میں نے اُن کا کھانا دونوں ہاتھوں پر اٹھا لیا ، اور انھیں سوتے دیکھ کر مجھے یہ گوارا نہ ہوا کہ ان سے پہلے اپنے گھر والوں اور لونڈی غلاموں کو کچھ کھلاؤں ، چنانچہ میں ٹھہر گیا ، پیالہ میرے ہاتھ میں تھا ، میں ان کے بیدار ہونے کا انتظار کر رہا تھا ۔ یہاں تک کہ صبح ہوگئی ، وہ دونوں بیدار ہوئے اور انھوں نے دودھ پیا ۔ اے اللہ ! اگر میں نے یہ کام محض تیری رضامندی حاصل کرنے کے لئے کیا ہو تو اس پتھر کے باعث جس حال میں ہم ہیں اس سے نجات دے ، چنانچہ وہ پتھر (کچھ) ہٹ گیا ۔ مگر وہ اس سے نکل نہ سکتے تھے ۔ حضورؐ نے فرمایا ۔ دوسرے شخص نے کہا : میرے چچا کی ایک بیٹی تھی ۔ وہ تمام لوگوں سے زیادہ مجھے محبوب تھی ۔ میں نے اس سے ہم بستری کی خواہش کی ۔ مگر وہ مجھ سے راضی نہ ہوئی ۔ یہاں تک کہ ایک سال بعد اسے کچھ ضرورت پیش آئی تو وہ میرے پاس آئی ۔ اور میں نے اسے ایک سو بیس اشرفیاں اس شرط پر دیں کہ وہ مجھے اپنی ذات سے نہ روکے ۔ اس نے منظور کر لیا ، مگر جب مجھے اس پر قابو ملا تو وہ کہنے لگی کہ میں تجھے اس بات کی اجازت نہیں دیتی کہ تو مہر کو توڑ ڈالے ، اس پر میں نے اس کے ساتھ ہم بستری کو گناہ سمجھا اور اس سے علیحدہ ہوگیا ۔ حالانکہ وہ مجھے تمام لوگوں سے زیادہ محبوب تھی ۔ اور میں نے جس قدر سونا اُسے دیا تھا وہ بھی چھوڑ دیا ۔ اے اللہ ! اگر میں نے یہ کام تیری رضامندی حاصل کرنے کے لئے کیا ہو تو جس مصیبت میں ہم ہیں اس کو دُور کر دے ، چنانچہ وہ پتھر کچھ دور ہٹ گیا ۔ مگر وہ اس سے (اب بھی) نکل نہ سکے ۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ۔ تیسرے شخص نے کہا ۔ اے اللہ میں نے کچھ لوگوں کو مزدوری میں لگایا تھا اور انھیں ان کی مزدوری دے دی تھی ، سوا ایک شخص کے جو

اپنی مزدوری لئے بغیر چلا گیا۔ میں نے اس کی مزدوری کو (زراعت سے) بڑھانا شروع کیا۔ یہاں تک کہ بہت سا مال اس سے حاصل ہوا۔ پھر ایک زمانہ کے بعد وہ میرے پاس آیا اور کہنے لگا اے خدا کے بندے مجھے میری مزدوری دے دے میں نے اس سے کہا جس قدر اونٹ، گائے بکری اور غلام تو دیکھ رہا ہے یہ سب تیری مزدوری کے ہیں۔ اس نے کہا اے خدا کے بندے میرے ساتھ مذاق نہ کر میں نے کہا۔ میں تیرے ساتھ مذاق نہیں کرتا۔ اس پر اس نے وہ تمام چیزیں لے لیں اور ہانک لے گیا ایک چیز بھی نہیں چھوڑی۔ اے اللہ! اگر میں نے یہ کام محض تیری رضامندی حاصل کرنے کے لئے کیا ہو تو جس مصیبت میں ہم ہیں اس سے نجات دے چنانچہ وہ پتھر بالکل ہٹ گیا اور وہ اس سے باہر نکل کر چلے گئے۔

(۱۸)

اسی مضمون سے متعلق ایک اور حدیث قدسی :

حضرت ابوہریرہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تین شخص ایسے ہیں کہ قیامت کے دن میں ان کا دشمن ہوں گا۔ ایک وہ جو میرا نام لے کر عہد کرے اور پھر اس کے خلاف کرے، دوسرا وہ شخص جو کسی آزاد آدمی کو بیچ ڈالے اور اس کی قیمت کھا جائے اور تیسرا وہ شخص جو کسی مزدور کو اجرت پر لگا کر اس سے پورا کام لے لے اور اُسے مزدوری نہ دے۔

(۱۹)

لیکن مزدور کی اتنی حمایت اور پشت پناہی کے باوجود یہ بھی ارشاد فرمادیا :۔

حضرت زبیر بن عوام سے ایک روایت میں ہے کہ نبی کریم صلعم نے فرمایا "لکڑی کا گٹھا اپنی پیٹھ پر لاد کر لائے اور اس کو بیچے اور اللہ اس ذریعے سے اس کی آبرو قائم رکھے تو یہ اس کے لئے اس بات سے بہتر ہے کہ وہ لوگوں سے

سوال کرے اور وہ اس کو دیں یا نہ دیں "

(۲۰)

ماٰخذ:

۱: سورۂ توبہ	آیت ۳۵	۱۱: سورۂ بقرہ	آیت ۲۶۱
۲: " نجم	" ۲۰	۱۲: " کہف	" ۷۹
۳: " تکاثر	" ۱	۱۳: " انعام	" ۱۴۲
۴: " عصر	" ۲-۳	۱۴: صحیح بخاری، باب ما جاء فی الحرث والمزارعۃ	
۵: " حشر	" ۹	۱۵: موطا امام محمد، کتاب الصرف وابواب الربا	
۶: " بنی اسرائیل	" ۱۰۰	۱۶: " "	"
۷: " آل عمران	" ۱۷۹	۱۷: مسند ابی حنیفہ، کتاب المزارعۃ	
۸: " "	" ۱۷۹	۱۸: صحیح بخاری۔ کتاب الاجارہ	
۹: " معارج	" ۱۷-۱۸	۱۹: مسند ابوحنیفہ ۔ کتاب البیوع	
۱۰: " بقرہ	" ۲۶۸	۲۰: صحیح بخاری، کتاب وجوب الزکات	

(۲۱)

عدل و احسان

مجرم کے ساتھ

مجرم کئی طرح کے ہوتے ہیں۔ چوری کرنا، ڈاکہ ڈالنا، تہمت لگانا، غیبت کرنا، عہد توڑنا، قتل کرنا یہ سب باتیں جرم ہیں۔ ان کا مرتکب مجرم ہے اسلام نے بھی ان افعالِ شنیعہ کو جرم قرار دیا ہے۔ اور جس شخص سے یہ سرزد ہوں اس کے لئے تعزیر و عقوبت بھی تجویز کی ہے۔

لیکن اسلام مجرم کے ساتھ بھی کسی طرح کی سختی گوارا نہیں کرتا۔ اُسے نہ صرف شبہہ کا فائدہ دیتا ہے بلکہ سزا دیتے وقت گرد و پیش کے حالات اور مؤثرات کو بھی پیشِ نظر رکھتا ہے۔ ذاتی گناہوں کے لئے اس نے توبہ کا دروازہ کھلا رکھا ہے، وہ گناہ جن سے دوسروں کو تکلیف پہنچے اسی وقت معاف ہو سکتے ہیں جب متعلقہ افراد برضا و رغبت عفو و درگزر کا اعلان کر دیں، جو سزا جتنی سخت ہے اتنے ہی اس کے نفاذ کے شرائط بھی سخت ہیں اور اتنی ہی مجرم کو سہولتیں بھی دی گئی ہیں۔

مثلاً زنا کی سزا بہت سخت ہے، دوسرے تمام معاملات میں دو گواہ کافی ہیں۔ لیکن زنا کے لئے چار چشم دید گواہوں کا ہونا لازمی ہے، اگر ایک گواہ بھی کمزور پڑجائے تو سزا ساقط ہوجائے گی۔ چوری کی سزا قطع ید ہے لیکن اضطراری طور پر اگر آدمی چوری کرنے پر مجبور ہوجائے تو وہ قابلِ درگزر ہے جیسا کہ قحط کے زمانہ میں حضرت عمرؓ نے قطع ید کی سزا ملتوی کردی تھی، زنا کا اقراری مجرم اگر اقرار کے بعد سزا کے ساز و سامان دیکھ کر اپنے اقرار سے منکر ہوجائے تو اس کا یہ انکار تسلیم کرلیا جائے گا اور اسے یہ سزا نہیں دی جائے گی۔ قتل کے مجرم کو بھی اگر مقتول کے ورثار بغیر جبر و اکراہ کے معاف کردیں تو بخشا جاسکتا ہے۔ لحم خنزیر حرام ہے لیکن اگر پے در پے فاقوں سے تنگ آکر کوئی شخص اس سے اپنا پیٹ بھرلے تو اِنَّ اللّٰہَ غَفُوْرٌ رَّحِیْم۔

جرم و گناہ کے سلسلے میں توبہ کا دروازہ ہمیشہ کھلا رہتا ہے بشرطیکہ آدمی تلافی مافات پر آمادہ ہو۔

ارشاد ہوتا ہے:

وَمَنْ تَابَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاِنَّہٗ — اور جو توبہ کرے اور کام اچھے کرے
یَتُوْبُ اِلَی اللّٰہِ مَتَابًا ۝ — پس وہ اللہ کی طرف خاص طور پر رجوع
(۱) — کررہا ہے۔

یہ بھی فرمایا کہ اگر آدمی اپنے گناہ کی تلافی عمل صالح سے کرے تو اس کے سیئات حسنات سے بدل جاتے ہیں۔

اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا — مگر ہاں جس نے توبہ کرلی اور ایمان لایا
صَالِحًا فَاُولٰٓئِکَ یُبَدِّلُ اللّٰہُ — اور نیک کام کئے ہیں ایسے لوگوں کی
سَیِّاٰتِہِمْ حَسَنٰتٍ ط (۲) — برائیاں نیکیوں سے بدل دے گا۔

جو چیزیں حرام کر دی گئی ہیں، شدید ضرورت اور مجبوری کے باعث وقتی طور پر وہ حلال ہو سکتی ہیں، لیکن اس رعایت کو آڑ بنا کر کھل کھیلنے کی اجازت نہیں ہے۔:

وَقَدْ فَصَّلَ لَكُمْ مَا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ إِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ إِلَيْهِ ۗ وَإِنَّ كَثِيرًا لَيُضِلُّونَ بِأَهْوَائِهِمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۗ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ بِالْمُعْتَدِينَ ○

اور جو چیزیں تم پر حرام کی گئی ہیں اُن کی تفصیل خدا نے بتا دی ہے۔ ہاں مگر جب تمھیں سخت ضرورت پڑ جائے (تو حلال ہے) اور واقعی بہت سے اپنی خواہشات کے سبب سے بغیر قطعی دلیل کے لوگوں کو بہکاتے ہیں۔ تیرا رب حد سے گزرنے والوں کو خوب جانتا ہے

(۳)

بغیر کسی جائز وجہ کے کسی کو قتل کرنا سخت جرم ہے اور مقتول کے ورثا کو حق ہے کہ وہ یا تو قاضی کی عدالت میں مرافعہ کر کے اس سے قصاص لیں یا خوں بہا لے کر معاف کر دیں۔

لا تقتلوا النفس التی حرّم اللّٰہ الا بالحق ومن قتل مظلوماً فقد جعلنا لولیہ سلطانا فلا یسرف فی القتل انہ کان منصورا ○

اور جس نفس کو اللہ نے حرام کیا ہے اسے قتل نہ کرو ہاں مگر حق پر اور جو شخص ناحق قتل کیا جائے تو ہم نے اس کے وارث کو اختیار دیا ہے سو اس کو قتل کے بارے میں حد سے تجاوز نہ کرنا چاہیے وہ شخص طرفداری کے قابل ہے۔

(۴)

"یسرف فی القتل" سے اس آیت میں مراد کیا ہے؟

ایک قول تو یہ ہے کہ اسراف فی القتل سے مراد مثلہ ہے یعنی مقتول

کے ہاتھ پاؤں، ناک کاٹ کر اسے بدہیئت بنا دینا۔

دوسرا قول یہ ہے کہ مقتول کے ولی کو اپنے حق سے زیادہ پر اصرار نہ کرنا چاہیئے۔

(۵)

ساتھ ہی ساتھ اس سلسلے میں یہ بھی ارشاد فرمایا:

فَمَنْ عُفِيَ لَهُ مِنْ أَخِيهِ شَيْءٌ فَاتِّبَاعٌ بِالْمَعْرُوفِ وَأَدَاءٌ إِلَيْهِ بِإِحْسَانٍ وَأَحْسِنُوا إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ ○

ہاں جس کو اس (مقتول) کے فریق کی طرف سے کچھ معافی ہو جائے تو (باقیماندہ خونبہا) معقول پر مطالبہ کرنا اور (قاتل کے ذمہ ہے) خوبی کے ساتھ ادا کرنا اور احسان (نیکی) کیا کرو، اللہ احسان کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔

(۶)

ان عام حدود و شرائط اور مراعات کے ساتھ ساتھ قرآن نے قصاص کو فرض بھی قرار دیا ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلَى الْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْأُنْثَى بِالْأُنْثَى فَمَنْ عُفِيَ لَهُ مِنْ أَخِيهِ شَيْءٌ فَاتِّبَاعٌ بِالْمَعْرُوفِ وَأَدَاءٌ إِلَيْهِ بِإِحْسَانٍ ذَلِكَ تَخْفِيفٌ مِنْ رَبِّكُمْ وَرَحْمَةٌ فَمَنِ اعْتَدَى بَعْدَ ذَلِكَ فَلَهُ

اے ایمان والو! تم پر قصاص فرض کیا جاتا ہے مقتولین کے بارے میں آزاد آدمی آزاد آدمی کے عوض میں اور غلام غلام کے عوض میں اور عورت عورت کے عوض میں، ہاں جس کو اس کے فریق کی طرف سے کچھ معافی ہو جائے تو معقول طور پر مطالبہ کرنا اور خوبی کے ساتھ اس کے پاس پہنچا دینا۔ یہ تمہارے پروردگار کی طرف سے

عَذَابٌ اَلِیْمٌ ○ تخفیف ہے اور ترحم ہے، پھر جو شخص اس کے بعد تعدی کا مرتکب ہوا تو اس شخص کو بڑا اور دناک عذاب ہوگا۔

(۷)

یہ بھی بتا دیا ہے کہ قصاص بجائے خود ایک حیات آفریں چیز ہے:

وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يّٰۤاُولِي الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ○ اور فہیم لوگو! قصاص میں تمھاری جانوں کا بڑا بچاؤ ہے، امید کرتے ہیں کہ تم لوگ پرہیز رکھو گے۔

(۸)

اس سلسلے میں آیاتِ قرآنی کا ذکر ہو چکا، اب ہم احادیث پر ایک نظر ڈالیں گے۔

مجرم کو معاف کر دینے کے متعلق ہر شخص حق رکھتا ہے، لیکن اسی وقت تک کہ معاملہ عدالت میں نہ جائے، عدالت میں جانے کے بعد معاملہ ضابطہ اور قانون ہی کے مطابق طے ہوگا۔ ایک مرتبہ ایک صاحب صفوان بن اُمیہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے، وہاں سے رخصت ہوئے تو ایک مسجد میں اپنی چادر کا تکیہ بنا کر سو گئے۔ ایک چور آیا اور ان کی چادر لے کر چلا تو انھوں نے اُسے پکڑ لیا اور رسول اللہؐ کے پاس لے کر آئے، آپ نے اس کا ہاتھ کاٹنے کا حکم فرمایا، صفوان نے کہا یا رسول اللہؐ میرا یہ ارادہ نہیں تھا یہ چادر اس پر تصدق ہے۔ رسول اللہؐ نے فرمایا کہ میرے پاس آنے سے پہلے ہی کیوں نہ کیا تھا۔

(۹)

ہر چوری کی سزا قطع ید نہیں ہوتی:۔

"شعبی سے روایت ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ چور کا ہاتھ اس

پھل کے چُرانے میں نہ کاٹا جائے جو درخت پر ہو اور نہ کھجور کے سفید گابھے چرانے میں۔"

امام محمد نے کہا کہ اسی کو ہم لیتے ہیں۔

(۱۰)

چوری کی کم سے کم حد بھی مقرر ہے:

"عبدالرحمٰن سے روایت ہے کہ عبداللہ بن مسعود نے کہا کہ چور کا ہاتھ دس درہم سے کم میں نہ کاٹا جائے۔"

امام محمد نے کہا کہ ہمارا اور امام ابوحنیفہ کا مسلک یہی ہے۔

(۱۱)

آثارِ عمر کا یہ پہلو بھی کتنا حکیمانہ ہے:

"ابراہیم سے روایت ہے کہ حضرت عمر نے کہا کہ دفع کرو حدوں کو مسلمانوں سے جب تک کہ تم سے ہو سکے معافی دینے میں امام کا خطا کرنا سزا دینے میں خطا کرنے سے بہتر ہے۔

مسلمانوں کے واسطے کلوخلاصی کی صورت نکل سکے تو اجر واحد سے بچو۔

امام محمد نے کہا کہ ہمارا اور امام ابوحنیفہ کا یہی قول ہے۔

(۱۲)

مجرم کو خود اپنے جرم کی تشہیر نہیں کرنی چاہیئے:

مالک، زید بن اسلم سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہؐ کے زمانہ میں اپنے متعلق زنا کا اقرار کیا۔ آپ نے ایک کوڑا منگوایا، ایک ٹوٹا ہوا کوڑا لایا گیا۔ آپؐ نے فرمایا اس سے اچھا کوڑا لاؤ۔ ایک نیا کوڑا لایا گیا جو ابھی استعمال نہ ہوا تھا۔ آپؐ نے فرمایا ان دونوں کے درمیان کا لاؤ،

چنانچہ ایک کوڑا لایا گیا جو کسی کا استعمال کیا ہوا تھا، آپ نے اس کوڑے سے مارنے کا حکم دیا اور فرمایا کہ اے لوگو وہ وقت آگیا ہے کہ اللہ کی حدود سے باز رہو، اور جو شخص کہ اس قسم کے گناہوں کا مرتکب ہو تو چاہیے کہ اللہ کے پردے میں چھپائے اور جو شخص اپنے پردے کو ظاہر کرے گا تو ہم کتاب اللہ کے مطابق اس پر حد قائم کریں گے"

(۱۳)

صرف اعترافِ زنا سزا کا سبب نہیں ہو سکتا اور اگر مجرم اقرارِ جرم سے پھر جائے تو اُسے اس کا حق ہے :

امام محمد کہتے ہیں کہ ہم سب اس پر عمل کرتے ہیں کہ کسی شخص کو اعترافِ زنا کی بنا پر حد نہ لگائی جائے جب تک کہ وہ چار بار چار مختلف مجالس میں اقرار نہ کرلے اور حدیثیں اس طرح وارد ہوئی ہیں کہ کوئی شخص اپنے حق اعترافِ زنا کی بنا پر حد نہیں مارا جائے۔ جب تک کہ چار مرتبہ اقرار نہ کرلے۔ امام ابوحنیفہ اور اکثر فقہائے احناف کا یہی قول ہے۔ اور اگر چار بار اقرار کرلے پھر اپنے اقرار سے پھر جائے تو اس کا پھر جانا معقول ہوگا۔ اور اسے چھوڑ دیا جائے گا"

(۱۴)

ماخذ :

۱: سورۂ فرقان آیت ۷۱	۵: تفسیر کشاف (زمخشری) ج ۲ ص ۶۶۵
۲: " " " ۷۰	۶: سورۂ بقرہ آیت ۱۷۸
۳: " انعام " ۱۲۰	۷: " " " ۱۷۸
۴: " بنی اسرائیل " ۳۲	۸: " " " ۱۷۹

۹: موطا امام محمد کتاب الحدود ۱۲: کتاب الآثار، باب درء الحدود

۱۰: کتاب الآثار باب حد من قطع الطریق الخ ۱۳: صحیح ترمذی، ابواب الحدود فی الزنا

۱۱: " " " " " " ۱۴: موطا امام محمد " " " "

(۲۲)

عدل و احسان

سوسائٹی کے ساتھ

گزشتہ ابواب میں مختلف عنوانات کے ماتحت ہم نے بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو حکم دیا ہے کہ زندگی کے ہر معاملہ میں وہ عدل و انصاف کا رشتہ ہاتھ سے نہ چھوڑیں، دوست ہو یا دشمن، عزیز ہو یا غیر، ہم مذہب ہو یا لامذہب نیک ہو یا بد، ظالم ہو یا مظلوم، امیر ہو یا غریب، زمیندار ہو یا کاشت کار، انسان ہو یا جانور، سب کے ساتھ عدل و احسان کا برتاؤ کرنے کی ضرورت ہے۔

اس باب میں ہم سوسائٹی اور معاشرہ سے متعلق گفتگو کریں گے۔
ہم میں سے ہر شخص سوسائٹی کا ممبر ہے، سوسائٹی کوئی الگ اور جداگانہ چیز نہیں، افراد کے مجموعے کا نام ہے۔ پس ضروری ہے کہ وہ باتیں کی جائیں جو عدل و احسان کا تقاضا پورا کرتی ہوں اور ان باتوں سے احتراز کیا جائے جن سے یہ تقاضا مجروح ہوتا ہو، سوسائٹی اور سماج سے متعلق ہم ایک ہی آیت پیش کرینگے۔ اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُکُمْ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ، یہ اس مفہوم کو پورے طور پر حاوی ہے، اسکے بعد ضروری ہے کہ موضوع سے

متعلق کچھ آثار و اخبار بھی پیش کر دئے جائیں ۔

انسان کو اگر اللہ تعالیٰ نے فراغت اور کشائش عطا فرمائی ہے تو اس کے وضع و طریق سے اس کا اظہار بھی ہونا چاہیے جو شکر نعمت کی دلیل ہے :

حضرت ابو الاحوص کے والد فرماتے ہیں :

"رسول اللہ صؐ نے میرے بدن پر پھٹے کپڑے دیکھ کر فرمایا، تمھارے پاس کچھ مال ہے ؟ میں نے عرض کیا، مجھے اللہ تعالیٰ نے سب کچھ عطا کیا ہے، اونٹ اور بکریاں بھی دی ہیں ۔ آپ نے فرمایا تو اس کا اثر تم پر نمایاں ہونا چاہیئے ۔"

(۱)

ایک مسلمان کو دوسرے مسلمان کے بارے میں ستارِ عیوب ہونا چاہیئے :

"نافع سے روایت ہے کہ حضرت ابن عمر نے فرمایا کہ آنحضرت صلعم منبر پر چڑھے اور بلند آواز سے پکار کر فرمایا ۔ اے وہ جماعت جو زبان سے اسلام لائی ہے، اور اس کے دل تک ایمان نہیں پہنچا، مسلمانوں میں عیب نہ نکالو، اور نہ ان کے متعلق ننگ و عار کی باتیں کرو اور نہ ان کی پوشیدہ باتوں کے پیچھے لگو جن کا ظاہر کرنا بُرا سمجھا جاتا ہو کیونکہ جو کوئی اپنے مسلمان بھائی کی ایسی پوشیدہ بات کے پیچھے پڑے گا اور اسے ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر نکالنے کی کوشش کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے عیب کے پیچھے پڑے گا اور اللہ جس کے عیب کے پیچھے پڑے گا، اس کا پردہ چاک کر کے اس کو ذلیل و رسوا کر دے گا، اگرچہ اپنے محل کے اندر ہو ۔ (حضرت نافع) فرماتے ہیں کہ ایک دن حضرت ابن عمر نے کعبہ کی طرف نظر کی اور فرمایا : سبحان اللہ! کیا کہنے ہیں، تو کس قدر عظمت والا ہے اور تیری عزت و حرمت کتنی ہے مگر مومن کی عزت و حرمت اللہ کے نزدیک تجھ سے بھی زیادہ ہے ۔"

(۲)

نظم وضبط کا تقاضا اور امن وامان کی بنیاد یہ ہے کہ انسان جائز امور میں اربابِ اختیار کی اطاعت کرے :

"حضرت ابن عمر فرماتے ہیں کہ رسالت مآبؐ نے فرمایا: (حاکم کے) حکم کو سننا اور فرمانبرداری کرنا ہر مسلمان کا فرض ہے خواہ وہ حکم اسے پسند آئے یا نہ آئے۔ جب تک کہ اسے کسی گناہ کا حکم نہ دیا جائے، پس اگر اسے کسی گناہ کا حکم دیا جائے تو اس کے لئے نہ سننا واجب ہے اور نہ اطاعت کرنا۔"

(۳)

پاسِ عہد غیر مسلموں تک سے کرنا چاہیے :

"حضرت سلیم بن عامر کہتے ہیں کہ امیر معاویہ اور روم والوں کے درمیان (ایک وقت مقررہ تک لڑائی نہ لڑنے کا) معاہدہ تھا۔ معاویہ (اس مدت میں اپنی فوج وغیرہ لے کر) ان کے ملک کی سرحد کے قریب آگئے تاکہ جونہی معاہدہ کی مدت ختم ہو، رومیوں کو فوراً لوٹ لیں۔ اس اثنا میں کیا دیکھا کہ ایک شخص کسی جانور پر یا (راوی کا قول ہے کہ) کسی گھوڑے پر سوار ہے اور کہہ رہا ہے اللہ اکبر، وعدہ وفا کرو۔ بے وفائی نہ کرو، دیکھتے کیا ہیں کہ یہ تو حضرت عمرو بن عبسہ ہیں۔ امیر معاویہ نے اس کے متعلق ان سے پوچھا تو انھوں نے فرمایا۔ میں نے رسول اللہ کو فرماتے سنا کہ جس کا کسی قوم سے (جنگ نہ کرنے کا) معاہدہ ہو تو وہ اس معاہدہ کو نہ توڑے اور نہ باندھے (یعنی نہ اس کو توڑے نہ اس میں تغیر و تبدل کرے) جب تک کہ اس (معاہدہ) کی مدت ختم نہ ہو جائے، یا اس کو صاف جواب نہ دے دیا جائے (کہ ہمارے تمھارے درمیان جو عہد تھا وہ اب باقی نہیں رہا، اب ہم تم برابر ہیں) راوی کہتے ہیں کہ (یہ حدیث سن کر) معاویہ لوگوں کو لے کر واپس چلے آئے۔"

(۴)

یہی نہیں کہ غیر مسلموں سے بھی جو عہد کیا جائے اس کی پوری پوری پابندی کی جائے، بلکہ اگر وہ کبھی تعاون کریں تو اس تعاون کی قیمت بھی انھیں پوری پوری دی جائے۔:

"زہری سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودیوں کے ایک گروہ کو حصہ تقسیم کر کے دیا۔ ان یہودیوں نے آپ کے ساتھ ہو کر (دشمن سے) قتال کیا تھا۔"

(۵)

کاروباری "تیکنیک" میں ذخیرہ اندوزی بھی شامل ہے جو سماج کے لئے سمِّ قاتل ہے اور جسے اسلام کسی طرح پسند نہیں کرتا:

"حضرت معمر بن عبداللہ بن فضلہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو یہ فرماتے سنا کہ گنہ گار ہی احتکار (ذخیرہ اندوزی) کرتا ہے۔"

(۶)

زک دینے کے لئے کسی کی بیع پر بیع کرنا قطعاً درست نہیں:

"حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا: تم میں سے کوئی شخص کسی کی بیع پر بیع نہ کرے اور تم لوگ مال کی پیشوائی نہ کیا کرو، حتیٰ کہ وہ بازار میں پہنچ جائے (اور وہاں بکے)۔"

(۷)

اسی طرح پیام پر پیام بھیجنا بھی سماج میں فتنہ انگیزی کا موجب ہوتا ہے:

"مالک، یحییٰ بن سعید، محمد بن یحییٰ بن حبان، عبدالرحمٰن بن ہرمز الاعرج حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا تم میں سے کوئی شخص اپنے مسلمان بھائی کے پیغام پر نکاح کا پیغام نہ بھیجے۔" (۸)

مذکورہ دونوں حدیثوں کی مزید تفصیل:

"ابی سعید خدری اور ابی ہریرہ سے روایت ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ کوئی شخص اپنے مسلمان بھائی کے مول تول پر خریداری کی بات نہ کرے، اور نہ اس کے پیغام نکاح پر اپنا پیغام بھیجے، اور نہ نجش کرو، یعنی اگر ایک شخص کچھ خریدتا ہو اور دوسرا آکر اس کی تعریف کرے یا زیادہ مول لگائے اور لینا منظور نہ ہو بلکہ منظور یہی ہو کہ لینے والا دیکھا دیکھی زیادہ رغبت کرے تو یہ درست نہیں۔ اور نہ کنکری پھینک کر آپس میں خرید فروخت کرو۔ یعنی بائع مشتری کو کہے کہ میرے اسباب میں جس پر تیری کنکری پڑے وہ چیز میں نے تیرے ہاتھ بیچی یہ درست نہیں۔"

(۹)

پڑوسی غیر مسلم ہو تو بھی حسن سلوک کا مستحق ہے۔:

"حضرت مجاہد سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر کے لئے ان کے گھر میں بکری ذبح کی گئی۔ جب حضرت عبداللہ ابن عمر گھر تشریف لائے تو فرمایا تم لوگوں نے ہمارے یہودی پڑوسی کو بھی اس کا گوشت ہدیہ بھیجا ہے کیونکہ میں نے رسول اللہؐ کو یہ فرماتے سنا ہے کہ مجھے جبرئیل متواتر پڑوسی کے متعلق نصیحت اور تاکید کرتے رہے۔ یہاں تک کہ مجھے گمان ہوا کہ شاید اللہ تعالیٰ پڑوسی کو میراث کا بھی حق دار بنا دے گا۔"

(۱۰)

صحت مند سماج کی تشکیل حق گوئی کی بنیاد ہی پر ہو سکتی ہے:

"حضرت بریدہ سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا کہ بہتر جہاد ظالم بادشاہ کے سامنے حق بات کا کہنا ہے۔"

(۱۱)

سزا یافتہ شخص بھی تائب ہو کر سوسائٹی میں برابر کا شریک بن جاتا ہے :

" عامر شعبی سے روایت ہے ایک ہاتھ کٹا آدمی شریح کے پاس آیا۔ اس نے کہا کیا تم میری گواہی قبول کرو گے ؟ انھوں نے کہا ہاں "

امام محمد کا قول ہے جو آدمی چوری یا زنا یا کسی اور امر میں سزا پائے پھر توبہ کرے تو اس کی گواہی قبول ہے مگر جو عورتوں پر تہمت کے جرم میں سزا پاچکا ہو اس کی گواہی نہ قبول کی جائے۔ اس واسطے کہ خدا تعالیٰ نے فرمایا کہ اس کی گواہی کبھی نہ مانو۔

(۱۲)

دو آدمیوں میں فتنہ انگیزی کے بجائے صلح کرانا نماز اور روزہ سے بھی افضل ہے :

" یحییٰ بن سعید سے روایت ہے کہ انھوں نے سعید بن مسیب کو فرماتے سنا کہ کیا تمھیں وہ چیز نہ بتلا دوں جو نماز اور صدقہ سے بہتر ہے۔ لوگوں نے کہا ہاں۔ فرمایا دو آدمیوں کے درمیان صلح کرانی۔ اور تم بغض سے بچو اس لئے کہ یہ سر مونڈنے والا ہے "

(۱۳)

قرض لے کر اگر از راہ عنایت کچھ زیادہ دے دیا جائے تو یہ مستحسن ہے :

" مالک، زید بن اسلم، عطار بن یسار، ابو رافع سے روایت ہے رسول اللہ نے ایک شخص سے ایک چھوٹا اونٹ قرض لیا۔ جب صدقہ کے اونٹ آئے تو ابو رافع کو حکم دیا کہ ویسا ہی ایک اونٹ اسے دیدیں۔ ابو رافع آنحضرت ؐ کے پاس واپس آئے اور کہا یا رسول اللہ صدقہ کے اونٹوں میں سب اچھے اور بڑے بڑے ہیں، آپؐ نے فرمایا انہی میں سے دے دو۔ اچھے وہ لوگ ہیں جو قرض بہتر طور پر

ادا کریں "

(۱۴)

جو سوسائٹی جاہلوں پر مشتمل ہو وہ کبھی پنپ نہیں سکتی :

"ابی ہریرہ سے مروی ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلعم نے علم کا سیکھنا ہر مسلمان کا فرض ہے "

(۱۵)

جھوٹی گواہی بھی سماج میں فتنہ و فساد پیدا کرتی ہے :

"حضرت ابوبکرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا" کیا میں تمھیں بہت بڑے تین گناہوں کی اطلاع نہ دوں "

صحابہ نے عرض کیا :"ہاں یا رسول اللہؐ !"

آپ نے فرمایا "خدا کے ساتھ شرک کرنا، والدین کی نافرمانی کرنا " آپ تکیہ لگائے بیٹھے ہوئے تھے مگر اٹھ بیٹھے اور فرمایا" آگاہ ہو جھوٹی گواہی دینا، پھر برابر اس کی تکرار فرماتے رہے۔ یہاں تک کہ ہم لوگوں نے کہا : "کاش آپؐ بس فرماتے (یعنی اس بات کو کہنے کی بار بار تکلیف نہ فرماتے)

(۱۶)

بھلائی صرف اپنے لئے نہیں سب کے لئے چاہنا چاہیئے :

"حضرت ابوہریرہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہؐ نماز پڑھنے کے لئے کھڑے ہوئے، ہم بھی آپؐ کے ساتھ کھڑے ہو گئے۔ دوران نماز میں ایک اعرابی نے کہا، بارخدایا مجھ پر اور محمدؐ پر رحمت نازل کر اور ہمارے سوا کسی اور پر رحمت نہ کر، جب آپؐ نے سلام پھیرا تو فرمایا تو نے وسیع شے (رحمت) کو تنگ کر دیا "

(۱۷)

مدد صرف مظلوم ہی کی نہیں ظالم کی بھی کی جا سکتی ہے :

"حضرت انس بن مالک سے روایت ہے کہ آنحضرت علیہ السلام نے فرمایا : تو اپنے بھائی کی مدد کر خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم۔ صحابہ نے عرض کیا۔ یہ تو ہم سمجھ گئے کہ مظلوم کی مدد کریں (لیکن ظالم کی مدد کس طرح کریں؟ آپ نے فرمایا۔ اس کے ہاتھ پکڑلو (یعنی ظلم سے روک دو)"

(۱۸)

نادان، گنوار اور ناسمجھ لوگوں سے کوئی غلطی سرزد ہو جائے تو لٹھ لے کر ان کے پیچھے نہ پڑجانا چاہیے، سمجھا دینا چاہیے :

"ابوہریرہ راوی ہیں کہ ایک اعرابی کھڑا ہو کر مسجد میں پیشاب کرنے لگا۔ لوگوں نے اسے پکڑلیا۔ آنحضرت صلعم نے فرمایا اسے چھوڑ دو اور اس کے پیشاب پر پانی کا ایک ڈول ڈال دو۔ کیونکہ تم لوگ آسانی کرنے والے پیدا کئے گئے ہو سختی کرنے والے نہیں"

(۱۹)

مقروض کے ساتھ رعایت عین اسلام ہے :

"کعب بن مالک سے روایت ہے کہ انھوں نے مسجد میں ابن ابی درد سے اس قرض کا تقاضا کیا جو ان کا ان پر تھا۔ جس پر دونوں کی آوازیں بلند ہو گئیں۔ یہاں تک کہ رسول اللہؐ نے بھی سُن لیا، آپ اپنے گھر سے ان کے پاس تشریف لائے اور حجرہ کا پردہ الٹ کر آواز دی۔ اے کعب! انھوں نے عرض کی یا رسول اللہؐ ۔ آپ نے فرمایا۔ تم اپنے اس قرض میں کچھ کمی کردو۔ اور فرمایا نصف (کم کردو) کعب نے عرض کی یا رسول اللہ میں نے کم کردیا۔ آپؐ نے (ابی حدرد) سے فرمایا اٹھ اور اسے ادا کر۔ (۲۰)

غلطی پر ٹوکنے کے بجائے اس کی اصلاح زیادہ مؤثر ہوتی ہے :

"حضرت انس سے روایت ہے کہ (ایک مرتبہ) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بہ جانب قبلہ تھوک دیکھا، آپ کو یہ ناگوار گزرا۔ یہاں تک کہ (غصہ کا اثر) آپ کے چہرۂ مبارک پر دیکھا گیا۔ اتنے میں آپ کھڑے ہو گئے۔ اور اسے اپنے ہاتھ سے صاف کر کے فرمایا۔ تم میں سے کوئی جب نماز میں کھڑا ہوتا ہے تو (گویا) وہ اپنے پروردگار سے مناجات کرتا ہے۔ اور اس کا پروردگار اس کے اور قبلہ کے درمیان ہوتا ہے۔ لہٰذا تم میں سے کوئی اپنے قبلہ کی طرف نہ تھوکے۔ بلکہ اپنی بائیں جانب یا اپنے قدم کے نیچے۔ پھر آپؐ نے اپنی چادر کا کنارہ لیا اور اس میں تھوک کر مل ڈالا۔ اور فرمایا اس طرح کرے۔"

(۲۱)

کارِ خیر کے لئے پہلے سے تعارف اور جان پہچان ضروری نہیں :

عبداللہؓ بن عمر سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ؐ سے پوچھا کہ کون سا اسلام بہتر ہے ؟ آپؐ نے فرمایا کھانا کھلاؤ جس کو جانتے ہو اور جس کو نہ جانتے ہو۔ اور سلام کرو جس کو جانتے ہو اور جس کو نہ جانتے ہو۔"

(۲۲)

مآخذ :

۱: صحیح ترمذی ، ابواب البر والاحسان

۲: " " " " "

۳: " " ، ابواب الجہاد

۴: " " ، ابواب السیر والمغازی

۵: صحیح ترمذی، ابواب السیر والمغازی

۶: " " ، ابواب البیوع

۷: " بخاری ، کتاب البیوع

۸: مسند ابی حنیفہ ، کتاب النکاح

۹: کتاب الآثار، باب السوم علی سوم اخیہ

۱۰: صحیح ترمذی، ابواب البر والاحسان ،

۱۱: مسند ابی حنیفہ باب النھی عن النظر فی النجوم ،

۱۲: کتاب الآثار، باب شہادۃ الحدود

۱۳: موطا امام محمد، کتاب اللقطہ

۱۴: " " کتاب الصرف وابواب الربوٰ

۱۵: مسند ابی حنیفہ، کتاب العلم

۱۶: صحیح بخاری، کتاب الشہادات

۱۷: " " کتاب الادب

۱۸: " " کتاب المظالم

۱۹: " " کتاب الوضو

۲۰: " " کتاب الصلوٰۃ

۲۱: " " " "

۲۲: " " کتاب الایمان

(۲۳)

عدل و احسان

جانوروں اور پرندوں کے ساتھ

قرآن کریم نے مویشیوں، جانوروں اور پرندوں کا متعدد مواقع پر ذکر فرمایا ہے، چیونٹی اور شہد کی مکھی کا ذکر تو تحسین آمیز پیرایہ میں متعدد بار ملتا ہے مکڑی جیسی بے بضاعت چیز کا بھی اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا ہے چنانچہ کئی سورتوں کے نام بھی انہی پر ہیں، مثلاً سورۂ نمل (چیونٹی) سورۂ نحل (شہد کی مکھی) سورۂ عنکبوت (مکڑی) سورۂ فیل (ہاتھی) سورۂ عادیات (اسپ تیز رَو) اللہ تعالیٰ نے جہاں انسان کو اس طرف توجہ دلائی ہے کہ فہم و دانش سے کام لے کر اس پر غور کرے کہ آسمان کا شامیانہ کس طرح قائم ہے ———— زمین کا فرش کس طرح بچھا ہے، پہاڑوں کو میخ کی طرح کیونکر گاڑ دیا گیا ہے! وہاں اس طرف بھی متوجہ فرمایا کہ اونٹ جیسے عجیب الخلقت جانور کا وجود بھی ایک دعوتِ فکر و نظر ہے۔ انظر الیٰ الابل کیف خلقت۔

متعدد آیات کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے جانوروں اور پرندوں کا ذکر نئے نئے پیرایہ سے کیا ہے:

اللہ تعالیٰ اس بات پر زور دیتا ہے کہ یہ پرندے بھی تمھاری ہی جیسی مخلوق ہیں:

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا طٰئِرٍ يَطِيرُ بِجَنَاحَيْهِ إِلَّا أُمَمٌ أَمْثَالُكُم ط (۱)

اور جتنے بھی حیوانات زمین پر ہیں اور جتنے پرندے اپنے دو پروں پر اڑتے پھرتے ہیں۔ یہ سب تم لوگوں کی طرح مخلوقات ہیں۔

پس لازم ہوا کہ ان کے ساتھ بھی رحم و رعایت کا وہی معاملہ کیا جائے جو ہم اپنے ساتھ آپس میں روا رکھتے ہیں۔

یہ بھی ایک موقع پر فرمایا کہ یہ پرندے خدا کے تسبیح خواں ہیں:

أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللّٰهَ يُسَبِّحُ لَهُ مَنْ فِي السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ وَالطَّيْرُ صٰفّٰتٍ ط (۲)

کیا تم نے نظر نہیں کی کہ جو کچھ زمین اور آسمان میں ہے اور پرے باندھے پرندے اس کی پاکی بیان کرتے ہیں۔

پھر یہ فرمایا کہ ان پرندوں کو فضائے آسمانی میں روکے رکھنے والی قوت خدا کی صفت رحم ہے:

أَوَلَمْ يَرَوْا إِلَى الطَّيْرِ فَوْقَهُمْ صٰفّٰتٍ وَيَقْبِضْنَ مَا يُمْسِكُهُنَّ إِلَّا الرَّحْمٰنُ ط (۳)

کیا لوگوں نے پرندوں پر نظر نہیں کی، جو ان کے اوپر اڑتے ہیں اور کبھی سکڑتے ہیں اور بس ان کو خدائے رحمٰن ہی تھامے رہتا ہے۔

اور جب خدا ان پر رحم کرتا ہے تو اس کے بندوں پر بھی واجب آیا کہ ان پر رحم کریں۔

گھوڑوں اور چوپایوں سے انسان کو جو دل بستگی ہے اسے اللہ نے "زینت" کے لفظ سے یاد فرمایا ہے :

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ
مِنَ النِّسَاءِ وَالْبَنِيْنَ . . . . .
وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ
وَالْحَرْثِ ط (۴)

لوگوں کو مرغوب چیزوں، بی بیوں، بیٹوں
. . . عمدہ عمدہ گھوڑوں اور چوپاؤں
اور کھیتی کے ساتھ دل بستگی دی گئی ہے۔

گویا جس طرح انسان بیوی اولاد وغیرہ کو مرغوب رکھتا ہے اسی طرح گھوڑوں اور چوپاؤں کو بھی عزیز رکھتا ہے۔ اور جو عزیز ہو اس سے حسن سلوک ہی کا معاملہ روا رکھا جاتا ہے۔ یہ بھی فرمایا کہ یہ چوپائے تمھارے لئے منفعت بخش بھی ہیں :

وَالْاَنْعَامَ خَلَقَهَا لَكُمْ فِيْهَا دِفْءٌ
وَمَنَافِعُ وَمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ○ (۵)

اور اس نے چوپایوں کو تمھارے لئے
پیدا کیا جن میں تم لوگوں کی جڑاول ہے۔
اور بھی (بہت سے) فائدے اور ان میں
سے (بعض) تم کھاتے ہو۔

ان کا اون تمھیں سردی سے بچاتا ہے، ان کی کھال تمھاری بہت سی مصنوعات میں کام آتی ہے، اُن کا گوشت تم کھاتے ہو ـــ کیا یہ معمولی فائدے ہیں :

جہاں یہ فرمایا ہے کہ "کھاؤ" وہاں یہ بھی ارشاد ہوا ہے اپنے چوپاؤں کو "چراؤ" :

كُلُوْا وَارْعَوْا اَنْعَامَكُمْ ط — کھاؤ اور اپنے چوپایوں کو چراؤ

(۶)

یہ بھی بتا دیا ہے کہ سواری اور سیر وشکار کے سوا بھی اُن سے تم متمتع ہوتے ہو:

وَاِنَّ لَكُمْ فِى الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً ط نُسْقِيْكُمْ مِّمَّا فِىْ بُطُوْنِهَا وَلَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ كَثِيْرَةٌ وَّمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ۝

اور چار پایوں میں بھی تمھارے لئے عبرت ہے۔ ہم ان کے پیٹ میں سے تم کو (دودھ) پلاتے ہیں اور اُن میں بہت سے فائدے ہیں اور ان میں سے (بعض) کو تم کھاتے بھی ہو۔

(۷)

اس احسان کا ذکر بھی فرمایا کہ جو اللہ نے بیٹے دے کر تمھاری مدد کی، اسی طرح چوپائے دے کر بھی مدد فرمائی:

اَمَدَّكُمْ بِاَنْعَامٍ وَّبَنِيْنَ ۝

اور اسی نے تمھاری چوپایوں اور بیٹوں سے مدد کی۔

(۸)

کہ بغیر اس کے تمھاری زندگی ناقص اور نامکمل تھی:

آیاتِ قرآنی کے اس اجمال کو اب ذرا احادیث کی تفصیل میں دیکھنے کی ضرورت ہے:

کتا ایک نجس جانور ہے، لیکن ایک جاندار مخلوق کی حیثیت سے وہ بھی سزاوارِ رحم وکرم ہے اور اگر کوئی اس کے ساتھ اچھا سلوک کرتا ہے تو یہ موجبِ اجر بھی ہے:

حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا ایک آدمی کسی راستے سے گزر رہا تھا، اسے پیاس معلوم ہوئی، ایک کنواں دیکھا تو اس

کنوئیں میں اتر کر اس نے پانی پیا، پھر باہر نکلا تو دیکھا ایک کتا ہانپ رہا ہے اور پیاس کے مارے زمین کا کیچڑ چاٹ رہا ہے۔ اس نے کہا اس کتے کو بھی ویسی ہی پیاس لگی ہے جیسی مجھے لگی تھی۔ چنانچہ وہ کنوئیں میں اترا۔ اپنے موزے کو پانی سے بھرا۔ پھر موزے کو اپنے منہ سے پکڑا اور کنوئیں سے باہر آیا۔ کتے کو پانی پلایا۔ اللہ نے اس کی قدر دانی کی اور اسے بخش دیا۔ لوگوں نے پوچھا یا رسول اللہؐ! کیا جانوروں کے پانی پلانے میں بھی ہمیں اجر ملے گا۔ آپؐ نے فرمایا ہر تر جگر رکھنے والے جان دار کے پانی پلانے میں ثواب ہے۔"

(۹)

اسی طرح کا ایک اور واقعہ :

" ابوہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا : ایک زانیہ عورت (صرف اس بات پر) بخش دی گئی کہ اس کا گزر ایک کتے پر ہوا جو ایک کنوئیں کے کنارے بیٹھا مٹی چاٹ رہا تھا اور قریب تھا کہ اسے پیاس مار ڈالے، اس نے اپنا موزہ اتارا، اور اس کو اپنے دوپٹے سے باندھ دیا۔ اور اس کے لئے (کنوئیں) سے پانی نکالا، چنانچہ اسی بات پر وہ بخش دی گئی۔"

(۱۰)

انبیاء سے بھی اگر خدا کی اس بے زبان مخلوق پر کوئی زیادتی ہوئی تو سرزنش کی گئی :

" ابوہریرہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہؐ کو یہ فرماتے سُنا کہ ایک چیونٹی نے کسی نبی کو کاٹا تو ان کے حکم سے چیونٹیوں کا چھتہ جلا دیا گیا جس پر اللہ نے ان پر وحی بھیجی کہ تمھیں ایک چیونٹی نے کاٹا (جس کے بدلے میں) تم نے ایک گروہ کو جلا ڈالا جو اللہ کی تسبیح پڑھتی تھی۔"

(۱۱)

شکار جائز ہے، لیکن ظلم کے ساتھ نہیں!

"حضرت ابن عمر کا گزر ایسے لوگوں کی طرف ہوا جو ایک مرغی کو باندھ کر نشانہ لگا رہے تھے۔ وہ انھیں دیکھتے ہی تتر بتر ہو گئے، پس ابن عمر نے پوچھا "ایسا کون کرتا ہے؟ ایسا کرنے والے پر رسول اللہ ؐ نے لعنت فرمائی ہے"

(۱۲)

ہلاک کرنے کے بعد کسی جانور کی بھی صورت نہیں بگاڑنی چاہئے:

"حضرت ابن عمر ہی سے ایک روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حیوان کو مثلہ کرنے والے شخص پر لعنت فرمائی ہے"

(۱۳)

ماخذ:

۱: سورۂ نور آیت ۳۸
۲: " " " ۴۱
۳: سورۂ حاقہ " ۱۹
۴: " ال عمران " ۱۳
۵: " نحل " ۵
۶: " طٰہٰ " ۵۴
۷: " مومنون " ۲۱
۸: " شعراء " ۱۳۳
۹: موطا امام محمد، کتاب اللقطہ
۱۰: صحیح بخاری، کتاب بدء الخلق

۱۱: صحیح بخاری ، الحور العین وصفتھن

۱۲: " " ، کتاب الذبائح والصید

۱۳: " " ، کتاب الذبائح والصید

تمت بالخیر